ایک تاریخی، فکری اور تحقیقی جائزہ

مطالعہ بریلویت

جلد ششم

مصنف

ڈاکٹر علامہ خالد محمود ایم اے، پی ایچ ڈی
ڈائرکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر

تقریظ

حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب
مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند

ایک ضروری گزارش

اس کتاب کو ای بک بنانے میں ہماری غرض صرف اتنی ہے کہ کوئی اللہ کا مخلص بندہ اس کو پڑھ کر ہدایت پا جائے اور ہمارے لئے مغفرت کا ذریعہ بن جائے۔

جن پبلشرز حضرات کی کتاب کو بغیر اُنکی اجازت کے ہم نے یہ کیا ہے ان سے عاجزانہ گزارش ہے کہ اللہ کے لئے ہم کو معاف کر دیں، اللہ سے قوی امید ہے کہ انشاءاللہ قیامت میں آپ کو اس کا بدلہ آپ کی توقع سے زیادہ دیکر آپ کو خوش کر دے گا

کتاب

مطالعہ بریلویت جلد ششم

مؤلف

ڈاکٹر علامہ خالد محمود

اشاعت

۲۰۰۳ء

ناشر

حافظی بکڈپو دیوبند ۲۲۴۵۵۲ فون

HAFZI BOOK DEPOT

DEOBAND-247554 (U.P.)

Tele-fax (01336) 222311 Mobile 9412554171

فہرست مضامین

مقدمہ ۴۹

استفتاحیہ ۵۲

ــــ کے مسلکے کہاں جا لگے ۱۶۳

گیارھویں شریف ۳۱۲

دیوبندی بریلوی کے جھگڑے میں پڑے ہوئے ہیں ہم نے اس بریلویت کا رد کرنے کی بجائے طلبہ کو اس کے مطالعہ کی دعوت دی ہے۔ ہاں امید کہ اب وہ خود جان لیں گے۔ فای الفریقین احق بالامن ان کنتم تعلمون۔

آج بعونہ تعالیٰ ہم اس کی چھٹی جلد کا آغاز کر رہے ہیں۔ اس کا موضوع بدعت کی حقیقت جاننا اور بریلویوں کی چالیس پسندیدہ بدعات کا مطالعہ ہے۔ ہمارے لیے یہ بحر ظلمات ہے جہاں اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ نور سنت کی کوئی جھلک یہاں دکھائی نہیں دیتی۔ ہم اپنے بچھڑے بھائیوں کو بدعت کے اندھیروں سے نکالنے کے لیے انہیں ان بدعات کے اندر کی تجزیہ پر مطلع کریں یہ بھی اخوت اسلامی کا ایک شدید تقاضا ہے اور اس کو پورا کرنے کے لیے ہم اس بحر ظلمات میں غوطے لگانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

یہاں ہم پہلے سنت و بدعت کے قاعدوں پر ایک طویل مقدمہ پیش کریں گے اسے مقدمہ نہیں سمجھیے یہ ایک مستقل کتاب ہے اس کے بعد بریلویوں کی رائج بدعات پر ہم ان شاء اللہ العزیز ایک ترتیب سے چلیں گے۔ ہماری کوشش ہوگی کہ اختلاف کے دونوں پہلو قارئین کے سامنے آئیں اور وہ اس میزان پر انہیں رکھیں جو ہمارے پیران پیر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے دین میں پیدا کی جانے والی ہر نئی بات کو معلوم کرنے کے لیے اہل سنت کے سامنے رکھی ہے آپ فرماتے ہیں۔

فعلی المؤمن اتباع السنۃ والجماعۃ فالسنۃ ما سنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والجماعۃ ما اتفق علیہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی خلافۃ الائمۃ الاربعۃ الخلفاء الراشدین المہدیین۔[1]

ترجمہ: مومن پر سنت وجماعت کے طریقے کی پیروی ضروری ہے سنت وہ ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمل میں لائے اور جماعت کی راہ وہ

---

[1] غنیۃ الطالبین ص

ہے جس پر صحابہ کرامؓ خلفاء راشدین کے دور میں متفق ہو کر چلے۔

صحابہ کرامؓ میں اگر کہیں فروع کا اختلاف بھی ہو تو ان اختلافات کو برداشت کرنے میں ان سب کا اتفاق رہا۔ اختلافات میں بھی ان کی ایک متفقہ راہ تھی سو اسے بھی سنت شمار کیا جائے گا۔

پہلے دور کے امراء اربعہ خلفاء راشدین تھے، ان کے علاوہ تین انصاری صحابہ بھی مجاز افتاء تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں یہ ساتوں حضرات افتاء کی خدمت سرانجام دیتے تھے۔ حضرت علامہ عینی (۸۵۵ھ) لکھتے ہیں:-

الذین کانوا یفتون فی عصر النبی صلی اللہ علیہ وسلم هم الخلفاء الاربعة وثلثة من الانصار ابی بن کعب ومعاذ بن جبل وزید بن ثابت رضی اللہ تعالی عنهم[1]

ترجمہ: وہ لوگ جو حضور کے عہد میں افتاء کی خدمت سرانجام دیتے تھے سات تھے خلفاء اربعہ اور تین حضرات انصار میں سے حضرت ابی بن کعب، حضرت معاذ بن جبل اور حضرت زید بن ثابت۔ اللہ تعالی ان سے راضی ہو۔

حافظ ابن رجب حنبلی (۷۹۵ھ) نے سنت کی تعریف اس طرح کی ہے۔ اس کے مقابل شرعی بدعت ہے وہ جس پیرایہ میں بھی ہو:-

والسنة هی الطریق المسلوک فیشمل ذلک التمسک بما کان علیه هو وخلفاؤه الراشدون من الاعتقادات والاعمال والاقوال وهذه هی السنة الکاملة[2]

ترجمہ: اور سنت وہ ہے جس پر پہلے چلا گیا ہو سو یہ ان تمام راہوں پر مشتمل ہے جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفائے راشدین چلے اعتقادات میں اور اعمال و اقوال میں سنت کامل یہی ہے۔

---

[1] عمدۃ القاری جلد ۱ صفحہ ۲۴۲ [2] جامع العلوم والحکم ص ۲۴۹

یہ خیال باعتبار خلافت راشدہ میں فرق ہو سکے اس لیے ان کے فتاویٰ اور مسائل خلفائے راشدین کے علمی سرمایہ کا ہی ایک حصہ ہوں گے جنہیں خلفائے راشدین نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو اپنایا ہو گے چنیں یا استخراجاً ہر دو قسم کے مسائل شریعت محمدی میں شمار ہوں گے اور یہی سمجھا جائے گا کہ سنت اس طرح آگے چلی ہے۔

خلفائے راشدین کے عمل کو سنت ماننے کی وجہ

ملا علی قاری ر   حدیث علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين المهديين پر لکھتے ہیں۔

وانما ذکر سنتهم فی مقابلة سنته لانه علم انهم لا يخطئون فيما يستخرجونه من سنته او ان بعضها ما اشتهر الا فی زمنهم[1]

ترجمہ۔ اور آپ کی سنت کے ساتھ خلفائے راشدین کی سنت کا ذکر اس لیے ہے کہ آپ اپنے علم میں جان چکے تھے کہ وہ اپنے استخراج میں غلطی نہ کریں گے اور اسے وہ آپ کی سنت سے ہی اجتہاد و استنباط کریں گے اور اس لیے بھی کہ آپ نے جانا کہ آپ کی بعض سنتیں انہی (راشدین) کے زمانہ میں پھیلیں گی

محدث جلیل ملا علی قاری (م ۱۰۱۴ھ) یہ بھی لکھ آئے ہیں:

فانهم لم يعملوا الا بسنتی فالاضافة اليهم اما لعملهم بها او لاستنباطهم واختيارهم اياها[2]

ترجمہ۔ سو بے شک وہ (خلفائے راشدین) میری سنت پر ہی عمل پیرا ہوئے۔ ان کی طرف اس سنت کی اضافت اس لیے ہے کہ یہ ان کا عمل رہا یا یہ ان کا استنباط رہا کہ انہوں نے اسے اس طرح اختیار کیا۔

۱۔ مرقات جلد ۱ ص ۲۴۳ ۲۔ ایضاً جلد ص ۲۴۲

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ) بھی اس حدیث کی شرح اسی طرح کرتے ہیں:

پس ہرچہ خلفاء راشدین بداں حکم کردہ باشند اگرچہ باجتہاد و قیاس ایشاں بود موافق سنت است و اطلاق بدعت براں نتواں کرد چنانکہ فرقہ ضالہ کنند۔[1]

ترجمہ: پس خلفائے راشدینؓ نے جس بات کو بھی حکم کیا گو انہوں نے وہ بات اپنے اجتہاد و قیاس سے کہی وہ سنت ہی سمجھی جائے گی اور اس پر بدعت کا اطلاق ہرگز نہ ہو سکے گا جیسا کہ راہ سے بھٹکے ہوئے لوگ اس پر بھی بدعت کا اطلاق کر دیتے ہیں۔

نواب صدیق حسن خان (۱۳۰۷ھ) بھی اس حدیث کے موضوع پر ہمارے ساتھ ہیں۔

وما سنہ الخلفاء الراشدون من بعدہ فالاخذ بہ ایضا لامرہ صلی اللہ علیہ وسلم بالاخذ بہ[2]

ترجمہ: جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین نے جو عمل اختیار کیے اسے بھی اختیار کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی حکم کی وجہ سے ہے کہ تم اس پر عمل کرو۔

حضرت علی المرتضیٰؓ بھی اسی عقیدہ پر تھے کہ خلفاء ثلثہ کے دریافت کردہ مسائل سب سنت کے درجے میں ہیں گو آپس میں یہ مختلف بھی ہوں۔ آپ نے فرمایا:

جلد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اربعین وابوبکر اربعین وعمر ثمانین وکل سنۃ۔[3]

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب پینے والے کو چالیس کوڑوں کی سزا دی حضرت ابوبکرؓ نے بھی چالیس کوڑے ہی دیے اور حضرت عمرؓ نے اسی کوڑوں کی اور ان میں سے ہر ایک عمل کو سنت کہا جائے گا۔

---

[1] اشعۃ اللمعات جلد ۱ [2] الدین الخالص جلد ۱ صفحہ ۲۲۵ [3] صحیح مسلم جلد ۲

پھر آگے جا کر لکھتے ہیں۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ مختلف فقہی مذاہب کے اصولوں کا اختلاف لوگوں کے لیے باعث رحمت ہے ان اماموں کی وسعت و جامع ہیں رات میں پڑھی جانے والی نفل نمازیں کئی طریقہ سے مروی ہیں یہ بات متعدد گروہ لوگوں کی سہولت اور وسعت کے لیے شریعت میں واقع ہوئی ہے کسی ایک امام کا ان مختلف طرق و کیفیات میں سے کسی خاص طریق وتر کا اختیار کرنا اس بنا پر ہے کہ اس کی نظر و اجتہاد میں وہی طریقہ زیادہ راجح ہے مگر وہ دوسری احادیث صحیحہ سے مروی شدہ طرق کو بھی صحیح تسلیم کرتا ہے۔[1]

اسلام نے استخراج و استنباط کی جو یہ راہ دکھائی ہے اس میں اصل کتاب و سنت ہی رہتے ہیں۔ اجتہاد نے بدعات کی کوئی راہ نہیں کھولی۔ کتاب و سنت کی وسعت سے کسی چیز کی دریافت اور چیز ہے اور اپنی طرف سے کسی چیز کی اختراع اور چیز ہے۔ اجتہاد کے لیے مجتہد ہونے کی شرط ہے اور بدعت عام آدمی بھی اختراع کرتے ہیں۔ مجتہدین باہمی اختلاف میں کبھی ایک دوسرے کو بدعت کا طعن نہیں دیتے۔ لیکن بریلویوں کے مجوزہ اعتقادی مسائل کو علماء حق نے علی الفور بدعت کہا اور واضح طور پر انہیں بدعت ثابت کیا۔ اجتہاد اور ابتداع میں یہی فرق ہے۔ جزاهم الله احسن الجزاء۔

دین کا ہر حکم اپنے ہی درجہ میں قیامت تک باقی رہے گا۔

دین کے احکام فرض و واجب۔ سنت و مستحب اور مباح میں دائر ہیں اور نہ کرنے کے کام حرام، مکروہ تحریمی اور مکروہ تنزیہی کے دائروں میں چلتے ہیں۔ ہم کرنے کے کام بھی دو درجوں میں لیں گے۔ ۱۔ عزیمت اور ۲۔ رخصت۔ ان سب کا پتہ ہمیں کتاب و سنت اور ان

[1] تحذیر المسلمین عن الابتداع والبدع فی الدین ص ۲۸

دو چراغوں کی روشنی میں اجتہاد و استنباط سے کشید کیے گئے مسائل فقہ سے ملتا ہے ان اجتہادات میں وہ صحابہ کے ہوں یا ائمہ اربعہ کے اختلاف تو ہو سکتا ہے لیکن یہ سب مسائل سنت کا طے کے تحت آئیں گے۔ بدعت کا اطلاق ان میں سے کسی چیز پر نہ ہو سکے گا۔

دین اسلام پر اس شریعت میں چودہ صدیاں گذر چکیں: تھارہ سو الے دو برس ہو گئے۔ اس کا ہر حکم اب تک اپنے درجے میں ہی رہا ہے اور اب بھی اس میں [illegible] ثانی موجود ہے کوئی نوع انسان کی ہر دینی ضرورت اس کے ذریعے حل ہو سکے۔ یہ حل نصاً ہو یا اجتہاداً اس میں روشنی موجود ہے ــــ زمانہ اپنی صنعتی ترقی اور سائنسی اکتشافات میں کتنی کروٹیں کیوں نہ لے یہ ایجادات اور ترقیات ہمارے دنیوی امور ہیں۔ دینی پہلو سے ہمارا عقیدہ اور عمل آج بھی وہی ہے جس پر عرب کے صحرا نشین آج سے چودہ سو سال پہلے چلے تھے۔ آج بھی اسلام میں وہی ایمان و یقین اور ہدایت مکمل ہے۔ اس پر نہ کسی اضافے کی ضرورت ہے اور نہ اس کی گنجائش ــــ قرآن کریم نے دین صحابہ کی تکمیل کا اس طرح اعلان کر دیا تھا۔

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا۔ (پ المائدہ ۳)

ترجمہ۔ آج ہم نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا۔ اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں۔ اور تمہارے لیے اسلام کو (بطور) دین پسند کیا۔

یہ دین صراط مستقیم ہے۔ یہ وہ سیدھی راہ ہے جس پر پہلے انعام یافتہ لوگ چل چکے یہ اتنی صاف راہ ہے کہ قومیں قیامت تک اس پر چل سکیں گی۔ یہ ایسی واضح راہ ہے کہ اس کی راتیں بھی دن کی طرح روشن ہیں۔ مجتہدین کتاب و سنت سے جو مسائل کشید کرتے ہیں وہ اس کے مظہر ہوتے ہیں موجد نہیں۔ دین اسلام مکمل ہو چکا اب اس میں کسی ایجاد کی ضرورت نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ایک روشن راہ فرمایا ہے۔ اس میں اندھیرا کہیں نہیں۔

آپ نے فرمایا :-

ترکتکم علی البیضاء لیلہا کنہارھا لا یزیغ عنہا بعدی الا ھالک[1]

ترجمہ: میں نے تمہیں ایک ایسی روشن راہ پر چھوڑا ہے کہ اس کی رات بھی دن کی طرح روشن [illegible] ہے اس راہ سے میرے بعد کوئی نہ ہٹے گا مگر وہی جو ہلاکت میں آ چکا۔

حضرت عمرؓ نے بھی فرمایا:-

ترکتم علی الواضحۃ لیلہا کنہارھا[2]

اس کامل دین میں اضافے کا نام بدعت ہے۔ یہ کامل دین اپنے میں کسی زیادتی کو قبول نہیں کرتا جس طرح صحت مند اور توانا بدن اپنے اندر کسی چھوٹی سے چھوٹی پھانس کو برداشت نہیں کرتا بلکہ پھانس جتنی باریک ہوتی ہے اتنی زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہے۔ جب تک نکل نہ جائے بدن کو سکون نہیں ہوتا۔ بدعت دین میں ایک پھانس ہے جسے دین اسلام کسی درجے میں گوارا نہیں کرتا۔

قرآن و حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ کئی لوگ اس تمیز نے دین میں زینت کی کئی راہیں نکالیں گے اور سمجھیں گے کہ وہ نہایت اچھا کام کر رہے ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جن کے اعمال اکارت ہوئے اور فیصلے کے دن اعمال کے ترازو میں ان کا کوئی وزن نہ ہوگا۔

الذین ضل سعیہم فی الحیوۃ الدنیا وھم یحسبون انہم یحسنون صنعاً ٥ اولٰئک الذین کفروا بآیات ربہم ولقائہ فحبطت اعمالہم فلا نقیم لہم یوم القیٰمۃ وزناً۔ (پ۱۶ الکہف ۱۰۴-۱۰۵)

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جن کی کوششیں بھٹکتی رہیں دنیا کی زندگی میں اور وہ سمجھتے رہے کہ وہ تو نیکی کر رہے ہیں۔ یہی ہیں جو منکر ہوئے اپنے رب کی نشانیوں سے اور اس کے ملنے سے سو ضبط ہو گئے ان کے اعمال پھر قیامت کے دن ان کے اعمال کا وزن نہ ہوگا

---

[1] رواہ ابن ماجہ [illegible] [2] [illegible] احمد جلد ۱ ص ۱۲۹

بدعت دین میں نئے رستے کا نام ہے اور سنت پرانی روشن راہ ہے جس پر صحابہ کرامؓ چلے
تھے۔ اس راہ پر پچھلے ادوار میں عمل ہوتا رہا۔ بدعت کے لوگ اہل بدعت کہے جاتے ہیں اور سنت
کی راہ اختیار کرنے والوں کو اہل سنت کہا جاتا ہے۔ اول درجے کے اہل بدعت وہ ہیں جنہوں نے
عقائد میں نئی راہیں بنائیں جیسے معتزلہ کرامیہ جہمیہ شیعہ مرجئہ اور روافض و خوارج وغیرہ۔ اور
دوسرے درجے اہل بدعت وہ ہیں جنہوں نے دین میں نئے اعمال ایجاد کیے یا پرانے اعمال کو مراتب
کی نئی جہات دیں یا انہیں زمان و مکان کی نئی تعینات میں جکڑا۔ بدعت فی العقائد بدعت فی
الاعمال سے کہیں زیادہ شدید ہے اور ہر بدعت ناقص رہے۔ اور اس پر حدیث میں کُلّی وعید
وارد ہے۔

پہلی صدی میں بدعت کسے سمجھتے رہے

دین میں کوئی عمل موجود ہو مگر اسے اس کے مرتبے پر نہ رکھا گیا۔ عملاً کبھی کبھار کا تھا جب اس کی ضرورت ہو لیکن اسے عام کر دیا گیا تو اسے بھی دین میں بدعت سمجھتے ہیں اور یہ بات کافی نہ سمجھی گئی کہ اس عمل کی اصل شریعت میں موجود ہے اور اس کی ہیئت بھی دینی ہے جو پہلے تھی لیکن اس میں وقت کا لحاظ نہ رہا۔ ہم اس کی چند مثالیں یہاں پیش کرتے ہیں۔

(۱) ابو مالک اشجعی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی۔ آپ صبح کی نماز میں قنوت نازلہ نہ پڑھتے تھے۔ میں نے حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے پیچھے بھی نماز پڑھی یہ حضرات بھی صبح کی نماز میں قنوت نازلہ نہ پڑھتے تھے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے بیٹے ابو مالک الاشجعی سے کہا کہ اب لوگوں نے جو اس پر مواظبت کر لی ہے کہ کوئی مصیبت نہ اتری ہو پھر بھی وہ قنوت نازلہ پڑھیں یہ بدعت ہے۔ یا بنی انہا بدعة[1]۔ اے میرے بیٹے یہ بدعت ہے۔

---

[1] سنن نسائی جلد ۱ صفحہ ۱۶۴

اس سے پتہ چلا کہ بدعت نئے عمل کو ہی نہیں کہتے۔ اسلام میں پہلے سے پہچانے گئے عمل کو بھی اگر کسی خاص ہیئت وقت یا جگہ سے خاص کر دیا گیا یا کسی خاص عمل کو لازم کر دیا گیا تو یہ بھی کسی نئی صورت متعارفہ میں سامنے آئے گا سو بدعت ہو جائے گا۔

(۲) چاشت کی نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور متعدد صحابہ کرامؓ سے ثابت ہے یہ نفلی نماز ہے۔ اس کی کوئی اجتماعی حیثیت نہ تھی صحابہؓ اسے اپنے اپنے طور پر پڑھتے تھے اس کی جماعت نہ ہوتی تھی۔ ایک وقت آیا کہ لوگوں نے اسے جماعت سے پڑھنا شروع کر دیا۔ یہ نماز اپنی اصل میں نئی نہ تھی مگر اپنی اس نئی وضع (اجتماعی صورت) میں یہ ایک نئی چیز تھی حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا یہ بدعت ہے۔ حضرت مجاہد کہتے ہیں:-

دخلت انا وعروة ابن الزبير المسجد فاذا عبدالله بن عمر جالس الى حجرة عائشة والناس يصلون الضحى فى المسجد فسالناه عن صلوتهم فقال بدعة۔[1]

ترجمہ: میں اور عروہ بن زبیرؓ مسجد میں داخل ہوئے تو عبداللہؓ بن عمرؓ حجرۂ عائشہؓ کے پاس بیٹھے تھے اور لوگ (صحابہؓ) مسجد میں چاشت کی نماز پڑھ رہے تھے ہم نے ان سے لوگوں کی اس نماز کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے (ابن عمرؓ نے) فرمایا بدعت ہے۔

حضرت امام نووی (۶۷۶ھ) اس پر لکھتے ہیں:-

واما ما صح عن ابن عمر انه قال فى الضحى هى بدعة فمحمول على ان صلوتها فى المسجد والتظاهر بها كما كانوا يفعلونه بدعة لا ان اصلها فى البيوت ونحوها مذموم او يقال قوله بدعة اى المواظبة عليها لان النبى صلى الله عليه وسلم لم يواظب عليها خشية ان تفرض۔[2]

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۴۰۹ [2] شرح صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۴۹

ترجمہ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے نماز چاشت کے بارے میں جو صحیح طور پر ثابت ہے کہ وہ اسے بدعت کہتے تھے مراد اس پر محمول کیا جائے گا کہ اسے مسجد میں پڑھا جائے اور کھلے طور پر پڑھا جائے جیسا کہ لوگ اس زمانہ میں کرنے لگے تھے یہ بدعت ہے یہ مطلب نہیں کہ اس کا گھروں میں پڑھنا بھی مذموم ٹھہرے یا حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے اسے بدعت کہنے کو اس کی مواظبت (ہمیشہ کی پابندی) پر محمول کیا جائے اس کی مواظبت اس لیے نہ کی تھی کہ کہیں یہ نماز فرض نہ ہو جائے۔

شریعت کی نزاکت محسوس فرمائیں کہ ایک چیز اپنی اصل میں ثابت ہے مگر اپنی موجودہ ہیئت میں وہ پہلے نہ تھی وہ بھی بدعت قرار دیا گیا ہے تو جو چیز اپنی اصل میں ہی نہ ہو اسے شریعت کس طرح کچھ پذیرائی دے سکتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ یہ نماز پڑھنی ہو تو اپنے گھروں میں پڑھو یہ عمل ایک اجتماعی صورت میں پہلے موجود نہ تھا۔

ان کان ولا بد ففی بیوتکم۔[۲]

ترجمہ۔ اگر اسے کرنا ہی ہے تو اپنے گھروں میں کرو۔

(۳) حضرت مجاہدؒ نے ایک اور واقعہ اسی طرح بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نماز کے لیے مسجد میں آئے اذان ہو چکی تھی۔ ایک شخص نے حاضرین کو نماز کی طرف دعوت دی (نماز کی طرف دعوت اذان سے دعوت دی جا چکی تھی) حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنے شاگرد مجاہدؒ سے کہا مجھے یہاں سے لے چل نماز کی طرف اس طرح دعوت دینا بدعت ہے۔ مجھے اس بدعتی کے پاس سے لے چل۔ آپ نے وہاں نماز نہ پڑھی۔ آپ نے فرمایا۔

اخرج بنا فان ھذہ بدعۃ۔[۳]

اخرج بنا من عند ھذا المبتدع۔[۴]

---

[۱] فتح الباری جلد ۳ صلا [۲] سنن ابی داؤد جلد ۱ صلا [۳] جامع ترمذی جلد ۱ صلا

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کس چیز سے نفرت کی؟ نماز کی طرف بلانے سے۔ وہ یہ چیز اپنی ذات میں بری نہ تھی اور نہ کسی برے عمل کی دعوت تھی مگر شریعت میں نماز کی طرف بلانے کا عمل اذان ہے اور یہ عمل اذان کے علاوہ تھا صحابہ کرامؓ نے اسے برداشت نہ کیا اور کھلی کھلی بدعت سے نفرت کی اور ان کے پاس نہ ٹھہرے۔

(۴) حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے قریب ایک شخص نے چھینک ماری اور صرف الحمد للہ کہنے کی بجائے الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ کہا یہ زیادتی کی بات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام ہی تو تھی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا میں اس کا تو قائل ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام ہو لیکن حضورؐ نے ہمیں اس کی تعلیم نہیں دی کہ اس طرح الحمد للہ کے ساتھ حضورؐ پر سلام کہیں ہمیں آپ نے اس موقع پر الحمد للہ کہنے کی تعلیم دی۔ آپ نے فرمایا :-

لیس ھکذا علمنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علمنا ان نقول الحمد للہ علی کل حال۔[1]

ترجمہ : اس طرح کہنے کی تعلیم ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں دی۔ انھوں نے تو یہ تعلیم ہمیں دی ہے۔ کہ ہم اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ کہیں۔

پہلی صدی میں بدعت کی یہ مختصر سی حرکت آپ کے سامنے ہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ تو خود اس مسجد سے نکل گئے مگر حضرت علی المرتضیٰؓ نے ایک ایسے موقع پر خود اس بدعتی کو مسجد سے نکالنے کا حکم دیا وہ عشاء کی اذان کے بعد نماز کے لیے آواز دے رہا تھا۔[2]

(۵) عہد صحابہؓ کا ایک اور واقعہ لیجیے :-

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ایک جگہ دیکھتے ہیں کہ ایک شخص بلند آواز سے ذکر کر رہا ہے وہ اعلان کرتا کہ سو بار اللہ اکبر کہو سامنے بیٹھے لوگ سو مرتبہ اللہ اکبر پڑھتے ہیں۔ وہ یہ گنتی کنکریوں پر کرتے تھے، وہ پھر کہتا سو مرتبہ لا الٰہ الا اللہ پڑھو۔ وہ پھر کہتا سو بار سبحان اللہ پڑھو عجیب رونق لگائے

---

[1] جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۹۷ [2] البحرالرائق جلد ۱ صفحہ ۲۶۱

بیٹھا تھا اور لوگ اس کے کہنے کے مطابق گنتی پوری کر رہے تھے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو جب
اس کا علم ہوا حضورؐ کے سامنے کبھی یہ عمل اجتماعی صورت میں سامنے نہ آیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن
مسعودؓ نے فرمایا :۔

فعدوا سيئاتكم فانا ضامن ان لا يضيع من حسناتكم شيء ويحكم يا امة
محمد ما اسرع هلكتكم هؤلاء صحابة نبيكم متوافرون وهذه
ثيابه لم تبل وانيته لم تكسر والذي نفسي بيده انكم لعلى ملة هي
اهدى من ملة محمد او مفتتحوا باب ضلالة۔[1]

ترجمہ: تم اپنے گناہ شمار کرو میں ضمانت دیتا ہوں کہ تمہاری نیکیوں
میں کوئی کمی نہ آئے گی۔ افسوس ہے تم پر اے امت محمد کتنی جلدی تم ہلاکت
میں جاگرے ابھی تو تمہارے نبی کے صحابہؓ تم میں کثرت سے موجود ہیں اور
ابھی تو حضورؐ کے کپڑے پرانے نہیں ہوئے اور آپ کے گھروں کے برتن نہیں
ٹوٹے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے تم ایک ایسی امت
بن چکے ہو جو تمہارے خیال میں حضورؐ کی امت سے زیادہ ہدایت پر ہے
یا تم گمراہی کا ایک دروازہ کھول رہے ہو؟

یعنی تمہارا یہ ذکر جب عہد صحابہ میں نہ تھا تو کیا تم ان سے درجہ میں بڑھ گئے ہو جو دین میں
تم یہ نئی طرز لے آئے ہو؟

ایک دوسری روایت میں آپ نے صاف لفظوں میں انہیں بدعتی فرمایا علامہ شامی لکھتے ہیں:

صح عن ابن مسعودؓ انه اخرج جماعة من المسجد يهللون ويصلون على
النبي صلى الله عليه وسلم جهراً وقال لهم ما اراكم الا مبتدعين۔[2]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ نے ان لوگوں کو مسجد

---

[1] سنن دارمی صفحہ ۳۸ [2] رد المحتار جلد ۱ صفحہ [illegible]

سے نکال دیا جو مسجد میں بلند آواز سے لا الٰہ الا اللہ اور درود شریف پڑھ رہے
تھے. آپ نے انہیں کہا میں تمہیں (اس عمل میں) بدعتی ہی دیکھ رہا ہوں۔
مولانا عبدالسمیع رامپوری نے بھی انوار ساطعہ میں اسے صحیح تسلیم کیا ہے۔

ایک سوال: اگر یہ عمل بدعت قرار پاتا تو جو روایات اجتماعی حلقۂ ذکر کے بارے میں ملتی ہیں ان کا محمل پھر کیا ہوگا؟

جواب: ان حلقوں میں ہر کوئی اللہ کا ذکر اپنے طور پر کرتا تھا ایک ایک کلمہ کو مل کر نہ کہتے تھے نہ ان میں کہیں ذکر بالجہر ہوتا تھا یہاں ذکر سے مراد اللہ تعالیٰ کی شان و قدرت اور رحمت و نصرت کا بیان ہے ہو سکتا ہے کہ ایک بیان کرتا ہو اور دوسرے سنتے ہوں۔ حضرت امام احمدؒ کی روایت میں ایک حلقۂ ذکر اسی طرح ملتا ہے۔

كنا نجتمع في حلقة فنذكر الله وكان يجلس معنا فكان اذا ذكر هو وقع
حديثه من قلوبنا موقعاً لا يقع حديث غيره۔[1]

ترجمہ: ہم اجتماعی حلقہ قائم کرتے تھے پس اللہ کا ہم ذکر کرتے اور یہ قرآنی بھی
ہمارے ساتھ بیٹھتے جب آپ اللہ کا ذکر کرتے تو آپ کی باتیں ہمارے دلوں
میں اس طرح اثر کرتیں کہ ایسا کسی دوسرے کے ذکر سے نہ ہوتا تھا۔

اس میں ذکر سے مراد اللہ تعالیٰ کی صفت و ثنا اور شان و عظمت کا مجلس میں بیان کرنا ہے صحابہؓ کا اجتماعی حلقہ یہی ہوتا تھا نہ کہ ہر ایک اونچی آواز سے ذکر کرے۔

پہلی صدی کی ان پانچ شہادتوں کے بعد اب حدیث کا سمجھنا کہ جس کسی نے ہمارے اس دین میں کوئی نئی بات پیدا کی وہ مردود ہے بہت آسان ہو جاتا ہے۔ بدعتی ٹولے نے اس حدیث کی گرفت سے نکلنے کے لیے بہت ہاتھ پاؤں مارے ہیں۔ مناسب سمجھتے ہیں کہ اس حدیث کی کچھ مزید تفصیل کر دیں۔ ہو سکتا ہے کسی خوش نصیب کو بدعات سے توبہ کی توفیق حاصل ہو۔

---

[1] مسند امام احمد جلد ۱ صفحہ ۹

شرح حدیث من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد

دوسری صدی میں علماء حق فروعی اعمال میں ما لیس منہ کو ایک محاورے کے طور پر لاتے تھے۔ وہ چیز جو دین نہیں ہے کہیں دین نہ سمجھی جائے۔ امام الائمہ حضرت امام محمدؒ (۱۸۹ھ) اس سلسلے میں کہ اذان میں حی علی خیر العمل یا الصلوٰۃ خیر من النوم ایسی چیز نہیں کہ دین میں سے نہ ہو۔ آپ فرماتے ہیں:۔

ولا یجب ان یزاد فی الاذان مالم یکن منہ[1]

ترجمہ۔ اور نہ چاہیئے کہ اذان میں وہ چیز داخل کی جائے جو اس میں سے نہ ہو۔

شارحین لکھتے ہیں کہ اس میں آپ کا اس حدیث کی طرف اشارہ ہے من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد کہ دین میں وہ بات بالکل نئی جلئے جو اس میں سے نہیں ہم یہاں صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ دیکھئے ما لیس منہ یا مالم یکن منہ کس پیرائے میں دوسری حدیث میں بولا گیا ہے۔

(فائدہ) حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (۱۰۵۲ھ) لکھتے ہیں:۔

عن سعد القرظی قال کان بلال ینادی بالصبح فیقول حی علی خیر العمل فامرہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یجعل مکانہا الصلوٰۃ خیر من النوم ویترک حی علی خیر العمل رواہ ابو الشیخ[2]

ترجمہ۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ حی علی خیر العمل کو چھوڑ دیں اور اس کی جگہ الصلوٰۃ خیر من النوم کہا کریں۔

آپ پہلے اس حدیث کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں جو ہم نے یہاں سرخی میں لکھی ہے۔

ترجمہ جس نے ہمارے اس کام میں (دین میں) کوئی نئی بات نکالی (اضافہ یا تبدیلی)

---

[1] موطا امام محمد ص۸۹ [2] فتح الرحمٰن جلد ۱ ص۲۱

جس کی کتاب و سنت میں اصل نہیں وہ مردود ہے۔

احداث میں نئی احداث (جس نے کوئی نئی بات نکالی) مطلق ہے۔ اس میں وہ چیز بھی آگئی جو نئے سرے سے بنائی گئی اور وہ بھی اس میں شامل ہے جو پہلے موجود تو تھی مندوب یا مسنون تھی لیکن اب اسے ایک ایسی ہیئت دے دی گئی جو پہلے نہ تھی — یہ بھی ایک احداث ہے۔ یا اس کا التزام اس طرح کیا گیا جو پہلے نہ تھا یہ التزام بھی ایک احداث ہے ایک نئی بات پیدا کرنا ہے یا ہم نے اقتراح نہیں کیا لیکن کسی دوسری قوم نے اسے اس طرح بنایا اور اب وہ اس قوم کی وضع معہود ہونے لگی یہاں تک کہ کوئی مسلمان اسے کرے تو اسے اس قوم کا تشبہ سمجھا جانے لگے تو اس عمل کے یہ سب پیرائے اپنی جگہ احداث میں آجائیں گے۔

شریعت میں تقیید مطلق بھی احداث ہے

دین میں تقیید مطلق بھی احداث ہے اور یہ ذات شئ اور اوصاف شئ سب کو شامل ہے بریلوی علماء اسے صرف ذات سے متعلق سمجھتے ہیں کہ وہ بالکل ایک نئی بات ہو لیکن حق یہ ہے کہ من احدث مطلق ہے اور وہ ان نئی قیود اور التزامات کو بھی شامل ہے جو ہم پہلے کے کسی جائز عمل کو نہیں دے سکتے۔ کسی سطح پر یہ تقیید مطلق ہے جس سے وہ پہلے جائز عمل (کام) بھی بدعت ہو جاتا ہے اور حدیث و فقہ کے علماء نے اس کی تصریح کی ہے کہ کسی عمل کی ہیئت بدلنے سے اس کے اطلاق میں قید لگ جاتی ہے۔ اس کی مزید تائید ان الفاظ سے ہوتی ہے ما لیس منہ۔

ما لیس منہ (جو چیز دین میں نہ ہو) کی شرح

ما لیس منہ عام ہے اسے لم یکن منہ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ اس عمل کو بھی شامل ہے جو پہلے سے نہ تھا اور اس کو بھی جو پہلے مندوب اور مستحسن درجے کا تھا لیکن اب وہ ایک خاص ہیئت دیئے جانے کے باعث بدعت ہو گیا ہے۔ ایصال ثواب کو ہی لیجئے یہ اپنی

راست میں جائز ہے۔ زندوں کے نیک اعمال کا ثواب ان کے قصد سے مرحومین کو پہنچتا ہے لیکن
اسے کسی خاص دن اور تاریخ سے خاص کرنا جو تخصیص اسے شریعت نے نہیں دی ہو، ایسا عمل
بدعت ہو جائے گا مباح بھی نہ رہے گا۔ اب یہ عمل جائز نہ رہا بدعت ہو گیا۔ یہ شریعت کے مقابل آنا
کرنا ہے۔ یہ شریعت سے ہی ہو سکتا ہے کہ دینی خوبی اور ضرورت سے وہاں اگر تخصیص شرعی
سمجھی جائے تو یہ ما لیس منہ میں داخل نہ ہوگی۔ اس میں کسی دن کو دین سمجھ کر مقرر نہیں کیا جاتا کسی کام
کے لیے کوئی تاریخ مقرر کرنا۔ شادی کا دن طے کرنا۔ عام سفر کے لیے کسی وقت کی تعیین۔ یہ سب
انتظامی امور ہیں۔ یہ تعینات شرعی نہیں اور ان کو ہمیشہ عادۃً بھی نہیں کیا جاتا۔ اس تعیین اور
شرعی تعیین میں بنیادی فرق ہو گیا۔ دین کے کسی کام کو اپنی طرف سے شرعی تعیین دینا حضور اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین میں ایک نئی بات ڈالنا ہے۔ علامہ عینی (۸۵۵ھ) محدثات کے متعلق
اس طرح لکھتے ہیں:۔

الاحداث فی امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ھو اختراع شیء فی دینہ بما
لیس فیہ مما لا یوجد فی الکتاب والسنۃ۔[1]

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں "احداث" یہ ہے کہ آپ کے لائے ہوئے دین
میں کوئی اختراع کر لیا جس کا کتاب و سنت میں وجود نہ ہو۔

ایک معارضہ جو اس حدیث پر ڈالا جاتا ہے

حضرت جریر بن عبد اللہ کہتے ہیں آنحضرتؐ نے فرمایا:۔

من سن فی الاسلام سنۃ حسنۃ فعمل بھا بعدہ کتب لہ مثل اجر
من عمل بھا ولا ینقص من اجورھم شیء ومن سن فی الاسلام سنۃ
سیئۃ فعمل بھا بعدہ کتب علیہ مثل وزر من عمل بہ۔[2]

---

[1] عمدۃ القاری جلد ۱۳ صفحہ ۱۷۲ [2] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۳۲۷

ترجمہ: جس نے اسلام میں کوئی اچھی سنت قائم کی اور اس پر اس کے بعد بھی عمل ہوتا
گیا تو اسے پیچھے عمل کرنے والے کو ان تمام لوگوں کے اجر کے برابر ملے گا،
جنہوں نے اس پر عمل کیا اور ان کے اجر کچھ کم نہ ہونے پائیں گے۔ اور جس نے
اسلام میں کوئی بری راہ قائم کی اور پھر اس کے بعد بھی عمل ہوا تو اس پر ان تمام لوگوں
کے گناہوں کے برابر بوجھ ہوگا جنہوں نے اس پر عمل کیا اور ان عمل کرنے والوں
کا بوجھ بھی کم نہ ہو پائے گا۔

بریلوی کہتے ہیں اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام میں کسی اچھی بات کا اضافہ کیا جا سکتا
ہے اور یہ بدعت نہیں صرف بدعت سیئہ بری ہے۔ ہم کہتے ہیں یہاں فی الاسلام سے مراد فی المسلمین
ہے یعنی مسلمانوں میں کسی اچھی بات کا آغاز کرنا ہے یا اسلام میں کسی بات کا اضافہ کرنا نہیں ہے۔
اس کی مثال یہ ہے کہ چند حضرات جیسے مضر کے ایک حال آئے کہ وہ مساکین رہ گئے۔ انہوں نے مسلمانوں
میں ان کی مدد کے لیے آواز لگائی۔ ایک مسلمان نے جلدی کی اور انہیں کچھ دے دیا پھر سب لوگوں نے انہیں
کچھ دیا۔ اسلام میں خیرات کرنے کا حکم پہلے سے موجود تھا۔ اس پہل کرنے والے نے کسی نئے
عمل کا اضافہ نہیں کیا۔ اس نیک عمل کی ایک مجلس میں پہل کر دی تھی اور لوگوں نے اس کی پیروی
کی۔ اب اس پہل کرنے والے کو پیچھے تمام خیرات کرنے والوں کا ثواب بھی ملے گا اور ان خیرات
کرنے والوں کے اپنے ثواب میں بھی کمی واقع نہ ہوگی۔ اسی طرح مسلمانوں کو جس نے کسی برے
کام پر لگایا ہو تو اس پر عمل کرنے والوں کے گناہوں کا بار اس پر بھی ہوگا جس نے پہلے انہیں اس
گناہ کی طرف دعوت دی تھی۔

یہاں کسی نئے کام یا برے کام کے دین میں داخل کرنے کی بحث نہیں کی جا رہی۔ جن
اعمال کا اچھا یا برا ہونا شریعت میں پہلے سے طے تھا انہیں مسلمانوں میں چلانے کی بحث ہو رہی
ہے اور یہ شریعت میں کسی عمل کا اضافہ نہیں ہے نہ اس میں احداث فی الدین کی کوئی بات ہے۔
اس حدیث کو پورے سیاق کے ساتھ امام مسلم نے اس طرح صحیح مسلم میں روایت کیا ہے۔

عن جرير بن عبد الله قال جاء ناس من الاعراب الى رسول الله صلى الله عليه وسلم عليهم الصوف فرأى سوء حالهم قد اصابتهم حاجة فحث الناس على الصدقة فابطؤا عنه حتى رئي ذلك في وجهه قال ثم ان رجلا من الانصار جاء بصرة من ورق ثم جاء آخر ثم تتابعوا حتى عرف السرور في وجهه فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم من سنّ في الاسلام سنة حسنة فعمل بها بعده كتب له مثل اجر من عمل بها ولا ينقص من اجورهم شيء۔ ؎

ترجمہ: حضرت جریر بن عبداللہ کہتے ہیں دیہات کے کچھ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے وہ اچھے۔ وہ ٹاٹ لیے ہوئے تھے آپ نے ان کا یہ برا حال دیکھا۔ وہ حاجتمند ہیں آپ نے لوگوں کو صدقہ کی ترغیب دی لیکن وہ کچھ رکے رہے یہاں تک کہ اس کے آثار آپ کے چہرے پر دیکھے گئے۔ پھر ایک انصاری چاندی سے بھری ایک تھیلی لے آیا پھر کوئی اور کچھ مال لے آیا پھر سب اس راہ میں چل پڑے یہاں تک کہ آپ کے چہرے پر خوشی دیکھی گئی۔ اس وقت حضورؐ نے فرمایا جس نے اسلام میں (مسلمانوں میں) نیکی کی ایک راہ قائم کی اس کے بعد بھی اس پر عمل ہوا تو ہر عمل کرنے والے کا اجر اس کے نام بھی لکھا جائے گا۔

اس سیاق سے واضح ہے کہ یہاں من سنّ (جس نے طرح ڈالی) سے مراد کسی نئے عمل کی ایجاد نہیں اور نہ کسی نئی بات کو سنت ٹھہرانا ہے۔ یہاں اس عمل پر پہل مراد ہے جو پہلے سے [illegible] میں شریعت کا ایک مسئلہ تھا اور وہ ہے غریبوں پر خیرات کرنا اور مساکین کو صدقہ دینا۔ اسی روایت میں من سنّ فی الاسلام سنۃ سے مراد دعوت الی الہدایت ہے نہ کہ کسی نئے عمل کی ایجاد کہ اس سے جواز بدعت کی راہ نکالی جائے۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں یہ حدیث اس طرح

؎ صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۳۲۷

ان لفظوں سے روایت کی گئی ہے۔

من دعا الی الہدیٰ کان لہ من الاجر مثل اجور من تبعہ لا ینقص ذالک من اجورھم شیئا ومن دعا الی ضلالۃ کان علیہ من الاثم من مثل اٰثام من تبعہ لا ینقص ذالک من اٰثامھم شیئا۔[1]

ترجمہ: جس نے کسی اچھی بات کی طرف بلایا اسے ان تمام لوگوں کے برابر اجر ملے گا جو اس کے پیچھے چلے اور ان کے اجر سے کوئی کمی نہ کی جائے گی اور جس نے دوسروں کو کسی گمراہی پر آمادہ کیا اسے ان تمام لوگوں کے گناہ ملیں گے جنہوں نے اس کے کہنے پر وہ کیے اور ان کے اپنے گناہوں میں کوئی کمی نہ کی جائے گی۔

یہ دونوں حدیثیں اچھے کاموں کی ترغیب کے لیے ہیں نئے کاموں کے وضع کرنے کی تحریک نہیں۔ اس کا حدیث من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد سے کوئی معارضہ نہیں ہوتا ہے کہ بریلوی اس روایت (من سن فی الاسلام سنۃ حسنۃ) سے اچھی بدعات اختراع کرنے کا جواز نکالتے ہیں۔ یقین کیجئے ان کی سوچ بالکل غلط ہے۔ اس حدیث میں بدعت کی راہ نکالنے کا ہرگز کوئی سبق نہیں ہے۔

جو بدعت نہ نکالے مگر نکالنے والے کی پیروی کرے

حدیث کا یہ حکم کہ جو شخص دین میں کسی ایسی چیز کا اضافہ کرے جو دین کی نہ تھی اس کا وہ عمل مردود ہے۔ صرف انہی کو شامل نہیں جو بدعات کی ایجاد کرے جو اس کی پیروی میں چلے گو اس نے خود کوئی بدعت نہ نکالی تو وہ بھی مردود العمل ہے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث ان لفظوں سے بھی روایت کی ہے۔۔

[1] صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۴۱

من عمل عملاً ليس عليه امرنا فهو رد۔ ؎

ترجمہ: جس نے ایسا کوئی عمل کیا جس پر ہمارا حکم پہلے سے موجود نہ تھا تو اس کا وہ
عمل ناقابل قبول اور مردود ہے۔

سو جو بدعتی یہ کہے کہ میں نے تو کوئی بدعت نہیں نکالی میں تو من احدث کا کسی طرح مصداق
نہیں میں مردود العمل کیوں کر ہوں گا؟ اسے کہا جائے گا کہ تو اگر من احدث کا مصداق نہیں لیکن
تو من عمل عملاً ليس عليه امرنا کا مصداق ضرور ہے سو اس پہلو سے تو بھی مردود العمل
ہے۔ امام نووی کہتے ہیں:۔

يقول انما احدثت شيأً فيحتج عليه بالثانية التي فيها التصريح برد
كل البدع والمخترعات سواء احدثها الفاعل او سبق باحداثها۔ ؎

ترجمہ: جو یہ کہتے ہیں کہ میں نے تو کوئی چیز نئی ایجاد نہیں کی اس پر اس دوسری
حدیث سے حجت قائم کی جائے گی جس میں ہر بدعت اور خود گھڑے اعمال کے
مردود ہونے کی خبر ہے برابر ہے کہ اس نے خود اسے دین میں داخل کیا یا وہ
بدعت پہلے کسی نے (دین میں) داخل کی تھی۔

ایک اور مغالطہ جو اس حدیث پر ڈالا جاتا ہے

اس حدیث میں بدعت پیدا کرنے والے اور اس پر عمل کرنے والے دونوں
کو مردود العمل قرار دیا گیا ہے سوال یہ ہے کہ بدعت پر عمل کرنے والے عامی کا کیا قصور ہے وہ
بے چارہ بے علم ہے اسے کسی بدعتی مولوی کی بات اچھی لگی۔ اس نے اس کی پیروی میں ان بدعات کو اپنا لیا
جو اس مولوی کو پسند تھیں کیا یہ صحیح نہیں کہ اس کا بوجھ اس عامی پر نہیں اس مولوی پر ڈالا جائے گا
جس نے اسے ان بدعات پر لگایا؟

؎ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۷۷ ؎ شرح صحیح مسلم جلد ۲

حضورؐ نے فرمایا:

من افتی بغیر علم کان اثمہ علی من افتاہ او کما قال النبی صلی اللہ علیہ

وسلم رواہ ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۱۵۹ کتاب العلم۔

ترجمہ: جسے کسی مفتی نے کسی غلط مسئلے پر لگایا اس کا گناہ اس پر ہوگا جس نے

اسے اس کا جواز فراہم کیا۔

کیا یہ حدیث اس حدیث من عمل عملاً لیس علیہ امرنا فہو رد کے معارض نہیں جو ہر

عمل بدعت کو مردود ٹھہراتی ہے؟

الجواب: بغیر علم کسی مولوی کی بات پر چلنے والا تب اس گناہ سے بری الذمہ ہوتا ہے اگر اس نے کسی کو اس مولوی سے اختلاف کرتے نہ سنا ہو اگر اسے پتہ چل گیا کہ دوسرے علماء اس بدعتی مولوی کی اس بات کو بدعت کہتے ہیں تو اب اسے اس پر عمل کرنا جائز نہیں وہ مردود العمل ہی سمجھا جائے گا اور گناہ کا بار صرف اس مولوی پر نہیں اب اس پر بھی آئے گا۔

بریلوی علماء کس طرح بدعت حسنہ کے نام سے بدعات میں مبتلا ہیں

بریلوی علماء بدعات پر کبھی من حیث الثبوت غور نہیں کرتے وہ انہیں ہمیشہ من حیث الالتزام اپنی بحث میں لاتے ہیں ان کے گرد و پیش بدعت کی ایسی کشش ہے کہ اس نے ان کی ایک ایک عبادت کو اپنے ذوق بدعت سے لپیٹ کر رکھا ہے اب ان کے ہاں دین کے جتنے اعمال ہیں وہ اعمال کے صرف ڈھانچے ہیں ان میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول برحق کی اطاعت کی روح تک نہیں وہ ان کا دین تو ہیں لیکن ان میں دینداری نہیں — اعمال کی یہ بے روح لاشیں ان کے گھروں اور ان کی مسجدوں میں دن رات تڑپتی ہیں اور ان کے مولویوں کو کبھی اپنے عوام پر رحم نہیں آیا کہ وہ ان کو حق کی یہ بات کہہ دیں کہ اب یہ بدعتی اہل السنۃ والجماعۃ نہیں رہے بلکہ اہل بدعت ہوگئے ہیں۔ کہاں سنت کا نور اور کہاں بدعات کی ظلمت — حق اور باطل کبھی جمع

نہیں ہو سکتے سنت اور بدعت کبھی جمع نہیں ہو پاتیں دھوپ اور سائے کبھی ایک برتن میں نہیں پلتے حق اور باطل کا یہ تقابل شروع سے چلا آ رہا ہے۔

وما یستوی الاعمی والبصیر ولا الظلمات والنور ولا الظل ولا الحرور

وما یستوی الاحیاء والاموات. (پ ۲۲ فاطر)

ترجمہ: اور اندھا اور آنکھ والا برابر نہیں اور نہ اندھیرا اور روشنی اور نہ سایہ اور دھوپ اور نہ زندے اور مردے برابر ہو سکتے ہیں۔

ہم نے اس مسئلہ بدعت کو سمجھنے کے تمام پہلوؤں پر مقدمہ میں علمی بحث کی ہے۔ اس جلد میں ان شاء اللہ بریلویت کا رنگ اترتا جائے گا۔ اس پیش لفظ کو مقدمۃ الکتاب سمجھیں۔ آگے مقدمۃ العلم ہدیہ قارئین ہے جو موضوع پیش آمدہ کا چاروں طرف سے علمی احاطہ کیے ہوئے ہے جس میں آپ کو آپ کے ذہن میں آنے والے ہر شبہ کا جواب ملے گا۔

ہم نے اس کتاب میں بدعت کے دس اہم عنوانات کو پیش نظر رکھا ہے۔ ان کے گرد اور بھی بہت سی بدعات گھومتی ہیں، ہم نے یہاں ان ذیلی بدعات کو بھی لیا ہے۔ یہ تقریباً چالیس بدعات ہو جاتی ہیں جن پر ہم نے کچھ بحث کی ہے۔ بدعت معصیت سے اتنا قریب نہیں جتنا یہ کفر سے قریب ہے۔ کفر سے تو توبہ نصیب ہو جاتی ہے لیکن بدعت سے بہت کم خوش نصیب توبہ کر کے نکلے ہیں۔

ہمارا مقصد اس وقت ان بدعات کا رد نہیں صرف ان کا مطالعہ ہے۔ بریلوی لوگ ان بدعات میں چاروں طرف سے گھرے ہوئے ہیں۔ اس بحر ظلمات نے ان کو ہر طرف سے اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ ان کے تفصیلی مطالعہ کے بغیر مطالعہ بریلویت مکمل نہیں ہو پاتا۔ یہ چند عنوانات آپ کو اس ظلمت کدہ میں اس طرح لے جائیں گے کہ آپ کو ان کے عوام پر رحم آنے لگے گا۔ کتنے خوش نصیب وہ مسلمان ہوں گے جو اپنے ان بھائیوں کو پھر سے سنتوں کے گرد جمع کریں۔ اہل بدعت کا یہ طبقہ لائق نفرت نہیں لائق خیر خواہی ہے۔ مرض سے نفرت کی جانی چاہیئے۔

مرض سے نہیں۔

بدعات کا یہ سلسلہ بڑھ کر ہمارے سامنے کوئی خوشی کا موجب نہیں۔ بدعات سے صحابہ وتابعین وائمہ مجتہدین ہر صدی کے مجددین اور اولیاء اللہ المتقین نے بہت نفرت کی ہے۔ بدعت سے نفرت کرنے والے اہل سنت کہلاتے ہیں۔ سنت کا نور اور بدعت کی ظلمت ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ لا تستوی الحسنة ولا السیئة۔ اب آپ خود سوچیں بریلویوں کو کیسے اہل سنت کہا جا سکتا ہے۔

امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی ؒ نے اپنے صفِ اعتقاد کو بدعات سے بچنے کی ان الفاظ میں سخت تاکید فرمائی ہے۔ اس پر ہم اس پیش لفظ کو ختم کرتے ہیں ہم نے کوشش کی ہے کہ اس کتاب میں کسی فریق کی دل آزاری نہ ہو۔ نہ ہم نے بفضلہ تعالیٰ کہیں بیہودہ زبان استعمال کی ہے نہ اس وقت ان کی تردید ہمارے پیش نظر ہے۔ گو اثنائے بیان کہیں ضمناً کوئی علمی گرفت آگئی ہو اگر ایسا ہو بھی تو ہم اپنے ان بھائیوں سے معذرت خواہ ہیں۔ ہمارے پیش نظر علماء اور عوام میں بریلویت کا ایک عام تعارف کرانا ہے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی ؒ کی نصیحت

سب سے اعلیٰ نصیحت جو فرزند عزیز سلمہ اللہ تعالیٰ کو اور عام دوستوں کو کی جاتی ہے وہ یہی ہے کہ سنت سنیہ کی تابعداری کریں اور بدعت سے بچیں —— سعادت مند ہے وہ شخص جو اس دور میں متروک سنتوں میں سے کسی سنت کو زندہ کرے اور رائج بدعتوں میں سے کسی بدعت کو ختم کرے۔ اب ایسے جوانمرد کی ضرورت ہے جو سنت کی مدد کرے اور بدعت کو شکست دے بدعت کا جاری کرنا دین کی بربادی کا موجب ہے۔ اور بدعتی کی تعظیم کرنا اسلام کے گرانے کا باعث ہے من وقر صاحب بدعة فقد اعان علی ھدم الاسلام آپ نے ظاہر کا سوپرے ارادہ اور کامل ہمت سے اس طرف متوجہ ہونا چاہیے کہ سنتوں میں سے کوئی سنت جاری

ہونے کے باعث دریائے ظلمات کی طرح نظر آرہا ہے، اور سنت کا نور باوجود
غربت اور وحدت کے اس دریائے ظلمانی میں کرمک شب افروز کی طرح محسوس
ہو رہا ہے، اور بدعت کا عمل اس ظلمت کو اور بھی زیادہ کر جاتا ہے۔ سنت پر
عمل کرنا اس ظلمت کے کم ہونے اور اس نور کے زیادہ ہونے کا باعث ہے۔

اب اختیار ہے کہ خواہ کوئی بدعات کی ظلمت کو زیادہ کرے یا سنت کے نور کو
بڑھائے اور اللہ تعالیٰ کا گروہ زیادہ کرے یا شیطان کا گروہ۔ الا ان حزب اللہ
ہم المفلحون۔ الا ان حزب الشیطن ہم الخسرون۔

صوفیہ وقت بھی اگر کچھ انصاف کریں اور اسلام کے ضعف اور جھوٹ کی کثرت
کا ملاحظہ کریں تو چاہیئے کہ سنت کے ماسوا میں اپنے پیروں کی تقلید نہ کریں اور
اپنے شیوخ کا بہانہ کر کے امور مخترعہ پر عمل نہ کریں۔ اتباع سنت بے شک نجات
دینے والی ہے اور خیرات و برکات کے بخشنے والی ہے، اور غیر سنت کی اتباع
میں خطرہ ہی خطرہ ہے۔ وما علی الرسول الا البلاغ۔ قاصد پر حکم کا پہنچا دینا ہے۔ ہمارے
مشائخ کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے کہ انہوں نے اپنے تابعداروں کو امور مبتدعہ
کے بجا لانے کی ہدایت نہ کی اور سنت کی متابعت کے سوا اور کوئی راستہ نہیں
بتایا اور صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع اور عزیمت پر عمل کرنے کے سوا
کچھ ہدایت نہ فرمائی۔ اس واسطے ان بزرگوں کا کارخانہ بلند ہو گیا اور ان کے وصول کا
ایوان سب سے اعلیٰ بن گیا۔[1]

ایک اور مکتوب میں فرماتے ہیں۔

ہمارے خواجہ قدس سرہ فرماتے کہ متقدمین کے نور کو بدعات کے اندھیروں نے چھپا دیا ہے
اور طریقت مصطفویہ کی رونق کو ان نو پیدا رسوم کی کدورتوں نے برباد کر دیا ہے۔

---

[1] مکتوبات دفتر دوم صفحہ ۹۵ [illegible]

کیا ان نقشبندیوں میں غیرت ہے جو اس کے باوجود مولانا احمد رضا خان کو اپنا اعلیٰحضرت مانتے ہیں اور اپنے آپ کو بریلوی کہتے ہیں۔ یہ جماعت علی شاہ صاحب علی پوری نقشبندی اور جناب میاں شیر محمد صاحب شرقپوری نقشبندی نے کبھی مولانا احمد رضا خان کو اعلیٰحضرت کبھی نہ مانا مشائخ چشتیہ سلسلے کے حضرت مولانا محمد معین الدین اجمیری اور جناب پیر مہر علی شاہ گولڑوی بھی مولانا احمد رضا خاں سے ہمیشہ کنارہ کش رہے۔

قارئین سے درخواست ہے کہ وہ مؤلف کے لیے سلامتی قلم سوچ کے اعتدال اور اور خود اہل بدعت کے لیے علم وعمل کی اصلاح اور جذبہ خیر خواہی کی دعا فرمائیں خوش نصیب ہیں وہ اہل بدعت جو پھر سے اہل سنت کی صفوں میں آجائیں اور جہاں کا اکثریت کا زعم نہیں ہمیشہ کے لیے بدعات کے بحر ظلمات میں نہ رکھے۔

ع ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

ہم یہاں اس پیش لفظ کو ختم کرتے ہیں اور اس علمی مقدمہ کا آغاز کرتے ہیں جو اپنے موضوع کا چاروں طرف سے احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اس کے بعد ہم انشاء اللہ العزیز بے علم مسلمانوں کی عملی بدعات پر ایک ترتیب سے بحث کریں گے۔

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کے دلوں کو نور سنت سے منور کرے اور جہاں جہاں بدعت کے اندھیرے چھائے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ ان سطور کو اندھیروں کے اٹھنے کا سبب بنائے۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

مؤلف عفا اللہ عنہ

مقدمہ

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد :

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر آخرت پر روانہ ہونے سے پہلے صحابہؓ کو دو چیزوں سے تمسک کرنے کی ہدایت فرمائی اور ضمانت دی کہ جب تک وہ ان دو چیزوں سے اعتقاد کریں گے وہ کبھی گمراہ نہ ہوں گے ـــــ وہ دو چیزیں کیا کیا تھیں۔

① کتاب اللہ اور ② سنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

قرآن کے گرد امت نے پوری محنت سے حفظ و قرأت اور تفسیر کا پہرہ دیا اور اسے شریعت کا پہلا ماخذ ٹھہرایا۔ اور اس کی ہر لفظی اور معنوی تحریف سے حفاظت کی اور آج تک یہ محنت جاری ہے۔

① قرآن کریم کی ہر تحریف سے حفاظت اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی :

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون (پ ۱۴ الحجر ۹)

ترجمہ: بیشک ہم نے نصیحت نامہ اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

معاونت ان حفاظ و قراء اور مفسرین ہائے حق کی جن کی مساعی سے یہ ارادہ خداوندی پورا ہوتا آیا ہے۔

سنت کے گرد بھی امت نے پوری وفا سے پہرہ دیا اور بدعات کو اس حلقہ نور میں داخل ہونے سے پوری قوت سے روکنے لگے۔ روک تھام کے بند باندھے اور آج تک یہ محنت جاری ہے۔ بدعات سنت کے حلقہ نور میں داخل ہونے کے چور دروازے ہیں

② چور ہمیشہ اندھیرے میں واردات کرتے ہیں اور بدعات کے داعی بھی صرف جہالت کے اندھیرا میں آگے بڑھتے ہیں۔ جہاں علم کی روشنی پھیلی وہاں جہالت کے بادل خود چھٹ جاتے ہیں۔ سو بدعت کے ازالہ کے لیے براہ راست جدوجہد کی ضرورت نہیں۔ جہاں علم کی نشر و اشاعت ہوگی اور کتاب و سنت پر محنت ہوگی بدعات کے سائے خود اٹھ جائیں گے۔ بدعات کا براہ راست مقابلہ کرنا ناممکن ہے۔

(۳) شریعت اپنی بنیاد میں ایک منقولی امر ہے

شریعت اسلامی	کوئی خیالی جذباتی اور نفسیاتی

یہ کوئی عمل نہیں کہ جس کام کو جی چاہے دین کا کام کہہ دیں بلکہ یہ Reported affair منقولی امر ہے جسے ثابت کرنے کے لیے ہمیں پیچھے لوٹنا ضروری ہے ہمیں دیکھنا ہوتا ہے کہ کیا یہ دینی عمل دور اول سے چلے آرہے ہیں یا انہیں چند لوگوں نے اپنے خیالی، جذباتی، نفسیاتی یا کسی تحت خود سے اب وضع کر لیا ہے۔ اگر ان کی اصل دور اول میں پائی گئی اور پھر اختلاف ہوا تو یہ بے شک ایک علمی اختلاف ہوگا ورنہ اسے ایک مسلکی اختلاف سے زیادہ کوئی اہمیت نہ دی جاسکے گی۔

قرآن میں اختلاف کے وقت اصل کی طرف لوٹنے کی ہدایت

اختلاف کبھی جاہلی قیاس آرائیوں اور تسکین جذبات کے اضافوں سے نہیں مٹتا، ہر متنازعہ Disputed affair کو کسی امر متعین Definite & Agreed پر ہی لاکر طے کیا جاسکتا ہے اور یہ کتاب و سنت کی کسوٹی ہے جو ہر کھوٹے کھرے کا فیصلہ کر دیتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہر اختلاف آپ کی طرف لوٹایا جاسکتا تھا کہ آپ اس کا فیصلہ فرمادیں لیکن آپ کے اس دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد اب ہمارے لیے ایک ہی راہ رہ گئی ہے کہ ہر اختلاف کو کتاب و سنت کی طرف لوٹائیں اور کتاب و سنت سے جو فیصلہ ملے اس اختلاف پر فیصلہ دیں ہم اسے ہی شریعت جانیں، اور اس کے سوا جو کام بھی دین سمجھ کر کیے جارہے ہوں انہیں دین میں ایک اضافہ سمجھیں اور ان سے پوری طرح بچیں قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

فان تنازعتم فی شیء فردوه الی الله والرسول ان کنتم تؤمنون بالله
والیوم الآخر ذلك خیر واحسن تأویلا (پ۵ النساء ۵۹)

ترجمہ: سو اگر تم کسی دینی کام میں جھگڑ پڑو تو تم اسے خدا کی کتاب کی طرف اور

رسول کی سنت کی طرف لوٹاؤ اگر تم واقعی خدا اور قیامت کے دن پر یقین رکھتے
ہو۔ یہی بہتر اور بہترین انجام کا ہے۔

آنحضرت کے بعد اس آیت پر کیسے عمل ہوگا اسے روح المعانی کے ان الفاظ میں دیکھیں۔
اور اب اللہ سے مراد اس کی کتاب اور رسول سے مراد اس کی سنت سمجھیں:

فان تنازعتم ایہا المؤمنون انتم واولو الامر منکم فی امر من امور الدین فردوہ
فارجعوا فیہ (الی اللہ) ای الی کتابہ (والرسول) ای الی سنتہ[1]

ترجمہ: سو اے مومنو اگر تم اور تمہارے حکمران آپس میں دین کی کسی بات میں
مختلف ہوں تو اسے لوٹاؤ بطریق مراجعت اللہ کی طرف یعنی اس کی کتاب کی
طرف اور رسول کی طرف یعنی اس کی سنت کی طرف۔

دین ہے ہی وہ جس میں کسی اضافے کی گنجائش نہ ہو

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں واضح طور پر فرمادیا کہ یہ دین کامل ہو چکا اور اللہ تعالیٰ کی نعمت صحابہ
پر تمام ہو چکی۔ اب اس کے بعد یہ دین ایک   کے طور پر اوپر سے چلے گا اور صحابہ کے بعد
کسی کو اس میں کسی قسم کے اضافے کی اجازت نہ ہوگی صحابہ سے جو چیز ثابت ہو اسے حضور کے اذن خاص
کے تحت قبول کیا جائے گا۔ ستاروں سے ہمیشہ روشنی ہی ملے گی اندھیرا کبھی نہ ملے گا۔

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔

(پ۶ المائدہ ۳)

ترجمہ: آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی
اور اسلام کو تمہارے لیے بطور دین پسند کر لیا۔

اس آیت کے ہوتے ہوئے کیا کوئی مسلمان جرأت کر سکتا ہے کہ دین اسلام میں کسی خیال

---

[1] روح المعانی جلد ۵ ص ۶۵

پیرائے یا نیز باقی غیرے سے کوئی نئی بات لائے اور اس میں کسی قسم کا کوئی اضافہ کرے۔ صحابہؓ اپنے عمل سے خود دین میں داخل ہیں اور انہی کا دین مکمل ہوا سو وہ خود اس بحث میں داخل نہیں کہ ان کا یہ عمل دین میں سے ہے یا نہیں۔ انہی کے عمل کی تو خدا نے تکمیل کی ہے۔

حضورؐ نے امت کے لیے صحابہؓ کی بات کو بھی ساتھ رکھا ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر گروہ بندی کا انجام آگ بتلایا ہے صرف ایک گروہ کو ناجی سے نجات فرمایا وہ کون لوگ ہوں گے؟ آپ نے فرمایا:۔

ما انا علیہ واصحابی[۱] جو میرے اور میرے صحابہؓ کے رستہ پر ہوں گے۔

اور یہ بھی فرمایا:۔

من یعش منکم بعدی فسیریٰ اختلافاً کثیراً فعلیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین[۲]

ترجمہ: تم میں سے جو لوگ میرے بعد زندہ رہے وہ عنقریب بہت اختلافات دیکھیں گے سو تم میری سنت اور ہدایت پائے ہوئے خلفائے راشدینؓ کے رستہ کو لازم پکڑنا (دین میں پیدا کی گئی نئی باتوں سے بچنا)

خلفاء ہدایت پائے ہوئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو خلافت پر آنے والے ہیں وہ اپنے طور پر حضورؐ سے ہدایات پائے ہوئے ہیں یا کچھ خاص احکام لیے ہوئے ہیں۔ سو انہوں نے اپنے دور میں جو کچھ بھی کیا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انہی ہدایات کے تحت کیا ہے۔ انہیں بدعت نہیں سمجھیں ان کو اسی لیے مہدیین (اللہ کے نبی سے ہدایت پائے ہوئے) فرمایا۔ اب ان کے بعد ضابطہ ایک ہی ہے کہ دین کے نام پر پیدا کردہ ہر نیا کام بدعت ٹھہرے اور ہر بدعت رستہ اسلام سے دور کرنے والی شمار ہو۔ حضور نے خلفائے راشدینؓ کی سنت تو سب پر لازم ٹھہرائی۔ دوسرے صحابہؓ کے بارے میں کچھ وسعت رکھی وہ

صرف دائیں طرف مڑنے کو ہی ضروری سمجھے کیونکہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو
کئی دفعہ بائیں طرف مڑتے بھی دیکھا ہے۔

جب ایک کام جو اپنی ذات میں جائز ہے مگر ضروری نہیں اسے ضروری سمجھنا بھی شیطان کو اپنے نیک اعمال میں حصہ دار کرنا ہے۔ تو جو کام سرے سے شریعت میں اپنا وجود نہیں رکھتے انہیں اپنانا اور دین سمجھنا اس میں شیطان کس درجے میں حصہ دار ہوگا اس پر آپ خود غور فرمائیں۔ شریعت میں اس کی اجازت نہیں کہ کسی مستحب یا مباح کام کو بڑھا کر فرض یا واجب ٹھہرایا جائے ـــ جس طرح شرعی اعمال کے لیے ضروری ہے کہ ان کی اصل شریعت میں موجود ہو اسی طرح یہ ضروری ہے کہ اس کا درجہ بھی وہی ہو جو شریعت میں ہے اس سے کم و بیش نہ ہو۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک مرتبہ کچھ لوگوں کو دیکھا کہ مسجد میں کنکریوں پر اللہ کا ذکر کر رہے ہیں ایک شخص آواز دیتا، اتنی مرتبہ اللہ اکبر پڑھو یہ کنکریوں پر اسے پڑھنے لگتے ہیں پھر وہ کہتا سو بار لا الٰہ الا اللہ پڑھو وہ اس طرح لا الٰہ الا اللہ پڑھنے لگتے ہیں۔ پھر وہ کہتا کہ سو بار سبحان اللہ پڑھو
مسجدوں میں دائرے بنا کر یہ طریق ذکر رائج تھا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے یہ منظر دیکھا اور آپ سے یہ برداشت نہ ہو سکا آپ نے انہیں فرمایا:

فعدوا من سيئاتكم فانا ضامن ان لا يضيع من حسناتكم شيء او
مفتتحو باب ضلالة[1]

ترجمہ: تم اپنے گناہوں کو شمار کرو میں ضامن ہوں کہ تمہاری نیکیوں میں سے کوئی
نیکی ضائع نہ ہوگی (آپ نے فرمایا) کیا تم گمراہی کا دروازہ کھول رہے ہو

ويحكم يا امة محمد صلى الله عليه وسلم ما اسرع هلكتكم هؤلاء صحابة
نبيكم متوافرون[2]

ترجمہ: اے حضور کی امت تمہیں افسوس، تم کتنی جلدی ہلاکت میں جا پڑے۔ ابھی تو

---

[1] مسند دارمی جلد ۱ ص ۶۸

صحابہ کرامؓ تم میں بکثرت موجود ہیں، کیا تم ان سے اپنے ایسے اعمال کے بارے میں نہیں پوچھ سکتے تھے)۔

آپ نے قسم کھا کر فرمایا:۔

میں عبداللہ بن مسعودؓ ہوں خدائے وحدہ لاشریک لہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم نے نہایت تاریک اور سیاہ بدعت ایجاد کی ہے یا پھر تم علم میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ گئے ہو[1] (کہ جو نیکی ان کو نہیں سوجھی تم اسے پا گئے ہو)۔

علامہ شامی لکھتے ہیں:۔

صح عن ابن مسعودؓ انہ اخرج جماعۃ من المسجد یھللون ویصلون علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقال لھم ما اراکم الا مبتدعین۔[2]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے صحیح سند سے ثابت ہے کہ آپ نے ایک جماعت کو مسجد سے اس لیے نکال دیا کہ وہ لا الہ الا اللہ اور درود شریف بلند آواز سے پڑھ رہے تھے اور فرمایا میں تمہیں بدعتیوں کے سوا کچھ نہیں دیکھتا (یعنی یہ نیکی کسی خانے میں نہیں ہے)۔

کیا درود شریف پڑھنا یا کلمہ پڑھنا یا سبحان اللہ اور اللہ اکبر کہنا اپنی ذات میں کوئی بُری بات تھی؟ ہرگز نہیں۔ کیا یہ کلمات کوئی بُرے معنی رکھتے ہیں؟ نہیں۔ لیکن جب ان کلمات پر بھی بدعت کے اتنے غلاف چڑھا دیئے گئے تو یہ ذکر کرنے والے عبادت کرنے والے بنتے ہوئے گئے نظروں میں بدعتی قرار پائے۔ آپ نے انہیں حکم دیا کہ اب وہ اپنی نیکیاں نہیں گنا شمار کریں جو تمہارے ان اعمال میں پائی جا رہی ہیں۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ صحابہؓ کے عہد میں ہی بدعات کے خلاف دینی محنت شروع ہو چکی تھی اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ان کے سرخیل تھے۔ آپ نے لوگوں کو اپنے نقش قدم پر چلنے

---

[1] مجالس الابرار صفحہ ۱۲۵ [2] ردالمحتار جلد ۲ صفحہ ۳۵۰

کی دعوت دی فرمایا۔

سلامتی اسی پرانی لکیر میں ہے دین کا مکمل ہونا کافی سمجھا جائے اور بدعات پیدا کرنے سے کلی طور پر احتراز کیا جائے۔

آپ نے فرمایا۔

اتبعوا آثارنا ولا تبتدعوا فقد کفیتم۔[1]

ترجمہ: تم پچھلے دین میں بدعات پیدا نہ کرو جو دین تمہیں دیا گیا ہے وہ تمہارے لیے کافی ہے۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عمرؓ (۷۳ھ)

ایک دفعہ ایک شخص نے چھینک آنے پر الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ کہا حضرت عبداللہ بن عمرؓ وہاں موجود تھے آپ نے فرمایا میں بھی حضور پر سلام بھیجنے کا قائل ہوں لیکن سلام کا یہ جو موقع تم نے تجویز کیا ہے کہ چھینک آنے پر پڑھیں، یہ حضور اکرم کی تعلیم نہیں۔ آپ نے فرمایا۔

انا اقول الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ ولیس ھکذا علمنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نقول الحمد للہ علی کل حال[2]

ترجمہ: میں بھی کہتا ہوں الحمد للہ اور میں کہتا ہوں السلام علی رسول اللہ لیکن ہمیں حضور نے اس طرح سلام کہنا نہیں سکھایا۔ آپ نے ہمیں یہ سکھایا ہے کہ ہم ہر حال میں الحمد للہ کہیں۔

حضور پر سلام پڑھنا کوئی بری بات نہیں لیکن شریعت میں اس کا بھی کوئی موقع اور محل ہونا چاہیے اسے ہر جگہ داخل کرنا یہ وہ بدعت ہے جو حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے برداشت نہ ہو سکی اور آپ اس پر بول اٹھے۔

---

[1] الاعتصام جلد ۱ ص ۵۴ [2] ترمذی جلد ۲ ص ۹۸

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس ایک شخص کسی کا سلام لے کر آیا تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا:

مجھے سلام بھیجنے والے کی یہ شکایت پہنچی ہے کہ اس نے کوئی بدعت ایجاد کی ہے
اگر واقعی اس نے کوئی بدعت ایجاد کی ہے تو میرا سلام اس کو نہ دینا۔

آپ نے ایک دفعہ کچھ لوگوں کو مسجد میں چاشت کی نماز پڑھتے دیکھا حضرت مجاہدؒ نے آپ سے اس کے بارے میں دریافت کیا آپ نے اسے بدعت فرمایا۔

فسألناه عن صلاتهم فقال بدعة ۔ اس طرح یہ نماز پڑھنا بدعت ہے۔[1]

چاشت کی نماز فی نفسہا بدعت نہ تھی اس کی اپنی جگہ ایک اصل ہے لیکن اسے اس اجتماعی پیرایہ میں پڑھنا یہ شریعت میں موجود نہ تھا اس لیے آپ نے اسے بدعت ٹھہرایا۔

اسی طرح آپ نے ایک دفعہ دیکھا کہ ایک شخص مسجد میں اذان کے بعد پھر سے لوگوں کو نماز کی دعوت دے رہا ہے اس پر آپ نے اپنے شاگرد امام مجاہدؒ سے فرمایا:

اُخرج بنا فان هذه بدعة[2]

ترجمہ: ہمیں یہاں سے لے چلو یہاں تو بدعت ہو رہی ہے۔

ان تصریحات سے بھی معلوم ہوا کہ بدعات کے خلاف کام خود عہد صحابہؓ میں شروع ہو چکا تھا

(۳) حضرت عثمان غنیؓ (م ۳۵ھ)

جب کسی نے ختنہ کی تقریب پر بلایا حضورؐ کے زمانہ میں نکاح کے موقعہ پر تو لوگ بلائے جاتے تھے لیکن ختنہ کے موقعہ پر لوگوں کی دعوت اور بلائے جانے کا کوئی اہتمام نہ ہوتا تھا ختنہ سنت ابراہیمی ہے مگر اس تقریب سے یہ ایک نئی کا عمل تھا صحابہؓ کی تربیت یہ تھی کہ جو کام نیکی سمجھ کر کیا جائے اس کا شریعت میں ثبوت پانا چاہیے ختنہ کے وقت کی دعوت کا حضورؐ کے زمانہ میں رواج نہ تھا حضرت عثمانؓ نے اس دعوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا:

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ ص ۲۳۸ مسند جلد ۲ ص ۱۲۸ سنن ابی داؤد جلد ۱ ص ۷۹ مصنف عبد الرزاق جلد ۱ ص ۴۷۵

ما کنا لا نأتی الختان علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم ولا ندعی له۔[1]

ترجمہ: ہم لوگ عہد رسالت میں ختنوں میں نہ جایا کرتے تھے اور نہ اس کے لیے ہمیں دعوت دی جاتی تھی۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ اسی چیز کو دین اور شریعت سمجھتے تھے جو پہلے سے چلی آرہی ہو Reported affair اور ان کے ہاں ناممکن تھا کہ کسی نئی چیز کو جو دین نہیں دین سمجھ کر کیا جائے۔

④ حضرت علی المرتضیٰؓ (۴۰ھ)

شریعت کے عام قاعدہ میں سورج کے طلوع اور غروب کے وقت میں نماز پڑھنا ناجائز تھا فجر کی نماز اور عصر کی نماز کے بعد نفل پڑھنا ناجائز تھا ان کے علاوہ کسی موقعہ پر نماز نفل ممنوع نہ تھی ایک شخص نے اسی عام ضابطہ کے تحت نماز عید سے پہلے نفل پڑھنے چاہے حضرت علی مرتضیٰؓ نے اسے منع کیا۔ اس نے کہا امیر المومنین میں تو سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے نماز پڑھنے پر ہرگز سزا نہ دے گا۔ آپ نے فرمایا:

میں بالیقین جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کسی فعل پر ثواب نہ دے گا جب تک کہ اس فعل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کیا ہو یا اس کی ترغیب نہ دی ہو پس تیری یہ نماز فعل عبث ہوگی اور فعل عبث حرام ہے اور ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے اپنے رسول کی مخالفت کی وجہ سے سزا دے۔[2]

ایک دفعہ آپ نے ایک شخص کو تثویب کرتے (اذان ہو چکنے پر نماز کے لیے بلاتے) دیکھا اس پر آپ نے اسے مسجد سے نکل جانے کا حکم دیا۔

۱؎ مسند امام احمد جلد ۴ ص۲۱۷ ۲؎ مجالس الابرار ص۱۲۹ ۳؎ بحر جلد ۱ ص۲۱۱

⑤ حضرت حذیفہ بن الیمانؓ (۳۵ھ)

آپ بدعت کی بنا صحابہؓ کے بعد سے کرتے ہیں یہ جو کچھ کریں یہ بدعت نہیں ہے صحابہؓ دور اول جلوت اور مزاج شناس حضرت خاتم النبیین تھے۔ ان سے کوئی چیز بھی نظر آئے تو اسے آنحضرتؐ کے قول خاص سے مربوط کیا جائے۔ اسے بدعت نہ کہا جا سکے گا۔ ہاں جو عمل ان میں سے کسی سے ثابت نہ ہو اسے عبادت سمجھ کر کرنا یقیناً ممنوع ہوگا۔ حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں۔

كل عبادة لم يتعبد بها اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فلا تعبدوها[1]

ترجمہ ہر وہ عبادت جسے اصحاب رسولؐ نے تعبد کی درجہ نہیں دیا تم اس راہ سے خدا کو خوش کرنے کی کوشش نہ کرو۔

آپ نے یہ بھی فرمایا۔

فان الاول لم يدع للآخر مقالا فاتقوا الله يا معشر القراء خذوا بطريق من كان قبلكم[2]

فرمایا خدا کی قسم آئندہ زمانے میں بدعت پھیل جائے گی یہاں تک کہ اگر کوئی شخص بدعت کو ترک کرے گا تو لوگ اس کو کہیں گے کہ اس نے سنت ترک کر دی ہے[3] (یہ نقل نہیں رہی)۔

حضرت حذیفہؓ کی یہ پیشگوئی ہمارے اس دور میں پوری ہو چکی ہے کہ اہل بدعت علمائے دیوبند کو کہتے ہیں کہ یہ اہل سنت نہیں ہیں اہلسنت بس ہمیں ہیں جنہوں نے ایک ایک سنت کو بدعت کی آغوش میں لے رکھا ہے۔

⑥ حضرت عبداللہ بن عباسؓ (۶۸ھ)

آپ نے فرمایا۔

عليك بتقوى الله والاستقامة واتبع ولا تبتدع[3]

---

[1] الاعتصام جلد ۲ صفحہ ۳۱۲ [2] ایضاً جلد ۱ صفحہ ۹ [3] شرح السنۃ للبغوی جلد ۱ صفحہ ۲۱۴

ترجمہ. تفرقہ اور بے جماعتی کو لازم پکڑو، سنت کی اتباع کرو اور بدعت پیدا نہ کرو.

آپ نے ایک موقع پر فرمایا کہ مشرق و مغرب میں جہاں بھی کوئی بدعت پھوٹتی ہے وہ شیطان کی پیداوار ہے.

جب لوگوں میں اس کے بارے میں چہ میگوئیاں ہوتی ہیں تو وہ تحقیق کے لیے علماء کرام کے پاس آتے ہیں. یہ علماء حق کا وظیفہ ہے کہ وہ انہیں بدعات سے چھڑائیں اور سنتوں پر لگائیں سو بدعات اسی طرح بے حس بیماری بن جاتی ہیں اور وہ ناکام ہو کر رہتے ہیں.

دور اول میں بدعات کے خلاف اٹھنے والوں میں سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت علی مرتضیٰؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سر فہرست ہیں. انہوں نے دین میں داخل کی جانے والی ہر نئی بات کو علی الاعلان بدعت کہا اور کوئی مصلحت انہیں اس اظہار حق سے نہ روک سکی. جزاھم اللہ احسن الجزاء.

اس امت کا دوسرا ہزار شروع ہوا تو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ اس پہرہ داری پر آئے اور اس طرح شریعت کی حفاظت فرمائی کہ بدعت حسنہ تک کو اس خطیرۂ قدسیہ میں داخل نہ ہونے دیا ـــــ اور پھر ان کی راہ پر حضرت شاہ ولی اللہ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ اور حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ پورے عزم و ہمت سے چلے اور کتاب و سنت کے گرد حفاظت کی ایک پوری خندق کھود دی.

چودہویں صدی میں بدعات کے خلاف اٹھنے والے اکابر

اس دور آخر میں اس محاذ پر فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد محدث گنگوہیؒ حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور حضرت مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوریؒ نے اقامت سنت اور رد بدعات کی محنت کی ہے. یہاں تک کہ آج برصغیر پاک و ہند میں جہاں بھی آپ کو بدعت کی راہیں مسدود ملیں گی اس کے پیچھے آپ کو انہی حضرات کے کسی نہ کسی شاگرد یا متوسل کا ہاتھ نظر آئے گا. اب ان حضرات کی کاوشوں سے رد بدعات کی بنیاد قائم ہو چکی

ہے اس کے سب جوابات ہو چکے ہیں اور ان پر کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ آج تک کوئی ایسی بدعت
سننے میں نہ آسکے گی جس کا رد نہ ہو چکا ہو اور جس پر لکھا نہ جا چکا ہو۔ جہاں کہیں بھی کوئی بدعتی
ابھرا اللہ تعالیٰ نے ورثہ سے کسی نہ کسی وفادار سنت کو اس کے مقابل لا کھڑا کیا اور اب اہل بدعت
کے پاس سوائے ضد کے اور کوئی وجہ نہیں رہی جس کے باعث آج بھی بعض علاقوں میں بدعات
کی اندھیریاں قائم ہیں۔ تاہم ابھی اس محاذ پر اور تبلیغی کام کرنے کی ضرورت ہے۔

غلطیاں پر اڑ جانا ابو آدم کی شان نہیں

انسان فطری طور پر آدمی ہے — یعنی آدم کے مزاج والا — کہ خدا کی محبت اور طلب
قرب میں حکم دیکھے اپنی خواہش پر چل نکلے اور جوش عمل میں آگے بڑھنے لگے — اور پھر جب
اس پر اسے ٹوک دیا جائے تو توبہ اور انابت کے ساتھ جھکے اور اپنے اصل حکم پر آ جائے —
آدم مزاج وہی ہے اور آدمی اسے ہی کہتے ہیں ؎

میری افتادگی بھی میرے حق میں اس کی رحمت تھی
کہ گرتے گرتے بھی میں نے لیا دامن ہے تھام اس کا

حضرت آدم علیہ السلام درخت کے قریب اسی طلب قرب میں گئے اور وہ سمجھتے تھے کہ اس
سے دائمی قرب الٰہی پا لوں گا۔ بدعتی بھی سمجھتا ہے کہ میرے یہ اعمال بدعت حاجت خود ترقی
ہیں اور قرب الٰہی کا ذریعہ — اور وہ اس حکم کو نہیں دیکھتا کہ اس کامل دین میں اب کسی کمی بیشی کی گنجائش
نہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرما گئے ہیں من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد او کما قال
صلی اللہ علیہ وسلم۔

بریلوی کہتے ہیں حضرت آدم کا عمل اس لیے خطا ٹھہرا کہ اس پر منع وارد تھی۔ جنہیں اس سے
روکا گیا تھا سو بدعت وہی ہے جس پر منع وارد ہو۔ ہم کہتے ہیں کہ تمہارے سب نئے اعمال بدعت
جن کو تم عبادت اور نیکی سمجھ کر کرتے ہو کیا ان تمام پر من احدث فی امرنا ھذا کی منع وارد نہیں؟

وہ منع جزوی تھی اور یہ منع کلی ہے وہ منع وقتی تھی اور یہ شریعت دائمی ہے جو کسی مجموعہ تفریق سے بالا ہے اور سنت کی رکھوالی سے یہاں اسے ایک ضابطہ کے تحت رکھا گیا ہے کہ دین کامل مکمل ہو چکا اب اس میں تاقیامت کوئی کمی یا زیادتی نہ ہو سکے گی۔ دین میں کوئی نیا کام اسے دین سمجھتے ہوئے داخل نہیں کیا جا سکتا۔ اور ایسا کرنا دین میں بدعت کا دروازہ کھولنا ہے

پھر بریلوی اس بات کو کیوں بھول جاتے ہیں کہ جب آدم علیہ السلام کو اس پر متنبہ کیا گیا تو وہ اپنی بات پر اڑے نہیں، فوراً توبہ میں جھک گئے سو اب آدمی کی فطرت یہی ہے کہ اپنی غلطی پہ اڑے نہیں غلطی کو توبہ کے پانی سے دھو ڈالے۔ ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنتے تو دیکھا لیکن آدم کی توبہ و انابت کا یہ کمال ابھی اس پر نہ کھلا تھا۔ ورنہ وہ بھی سجدہ کر دیتا۔ حضرت شیخ الاسلام لکھتے ہیں:۔

> جب اس غلطی کے بعد انہوں نے توبہ و انابت اختیار کی تو ابلیس لعین کو ان کے اس کمال اور استعداد کی نجابت و شرافت کا مشاہدہ ہو گیا ہو گا۔[1]

یاد رکھیے اہل بدعت کا اپنی بدعات پر اڑنا انہیں ہرگز آدمی فطرت نہیں یہ ابلیس نے دیا۔ اپنی غلط بات پر اڑنے کا سنگ بنیاد شیطان نے رکھا تھا۔ اور اب تک شیطان مزاج لوگ اسی ضد کی لکیر کو پیٹتے چلے جا رہے ہیں۔

بدعت کی زینت اور رونق

وہ اعمال جن کی شریعت میں اصل نہیں اور لوگوں نے وہ خود بنا رکھے ہوں شیطان انہیں ایسی زینت اور رونق دیتا ہے کہ نادان لوگ ان کی چمک دمک میں کھو جاتے ہیں اور ان میں وارفتگی کے سوا ان کی کشش اور چمک میں کھنچے چلے جاتے ہیں ——— ابلیس نے تو شروع سے حضرت کے حضور یہی کہہ دیا تھا

قال رب بما اغویتنی لازینن لہم فی الارض ولاغوینہم اجمعین (الحجر)

---

[1] فوائد القرآن صفحہ ۱۹۶

عبادک منھم المخلصین۔ (پ۱۴ الحجر ع۳ آیت ۳۹)

ترجمہ: اے رب تو نے مجھے جو دوسری راہ پر ڈال دیا اب میں ان انسانوں کے لیے زمین کو آراستہ کروں گا اور ان سب کو گمراہ کروں گا سوا تیرے مخلص بندوں کے۔

ہندوؤں کے ہاں مہورت کے رنگارنگ جیسے مختلف دیوتاؤں کے بت۔ ہولی کے رنگارنگ کے چھینٹے — عیسائیت کے پھیروں سے لدے کرسمس فادر اور دیوار پر رنگی تصویریں اور جھنڈیاں کرسمس تقریبات کے چھلکتے جام — آتش پرستوں کے شعلہ دار فانوس اور لپک شعلہ بردار جلوس — شیعوں کے رنگین تعزیے اور جھنڈیوں سے لدے ذوالجناح کے جلوس — اہل بدعت کے عرسوں کی چادریں، ڈھولوں اور چمٹوں کے مخلوط اجتماعات، ملنگوں کے جلوسے اور قوالوں کے نغمے — یہ وہ رونقیں اور زینتیں ہیں جو سلف کی طرز پہ چلنے والی مسجدوں میں آپ کو کہیں نہ دکھائی دیں گی اور ان ان میں کھو کر اسلام کی فطری سادگی اور بےمس اخلاص و اعتقاد کو یکسر بھلا دیا جاتا ہے جو الٰہی تعلیم کی بنیاد تھی۔ پھر ان رونقوں کے ساتھ جب دنیا کی وجاہت اور رعب و داب بلکہ کچھ ناسمجھ تو شامل ہوں اور ملکوں کے صدر اور حکمران بھی ہوائی پایہ حاصل کرنے کے لیے اس طرف بڑھنے لگیں تو آسمانی ہدایت اور الٰہی تنظیم یکسر دم توڑ کر رہ جاتی ہے اور حق یہ ہے کہ شیطان نے جو کچھ کہا تھا اس نے کر دکھایا اور اولاد آدم کو بڑے بڑے بھلاوے دیئے۔

واذ زین لھم الشیطان اعمالھم وقال لاغالب لکم الیوم من الناس و انی جار لکم۔ (پ۱۰ الانفال ع۶)

ترجمہ: اور جس وقت خوشنما کر دیا شیطان نے ان کی نظروں میں ان کے عملوں کو اور بولا کوئی بھی غالب نہ ہوگا تم پر آج لوگوں میں سے اور میں تمہارا حمایتی ہوں

دیکھیے یہاں شیطان کس طرح ان اعمال کو زینت بنا کر دکھا رہا ہے۔ اس سے اس فریب کی گہرائی کا پتہ چلتا ہے جو شیطان ان کے لیے کھڑا کرتا ہے — بہت سے عوام اور جہلاء ان مجالس

جن کے پیچھے صرف روح ایمان کار فرما ہوتی ہے اور حق صرف اتباع رسول کے جذبہ سے انہیں عمل میں لاتا ہے۔ حاجیوں کو پانی پلانا، کھانا کپڑا دینا نیک اعمال بجائے خود جاذب اور مندوب ہیں مگر ان میں کچھ رکھ رکھاؤ اور کھانے پینے کی رونق بھی ہے جو نفس انسانی کو مغلوب کرتی ہے اس پر قرآن کریم کہتا ہے۔

أجعلتم سقاية الحاج وعمارة المسجد الحرام كمن آمن بالله واليوم الآخر وجاهد في سبيل الله لا يستوون عند الله . (پ التوبہ ۱۹)

ترجمہ کیا تم نے ٹھہرا رکھا ہے حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام کا بسانا اس کے برابر جو یقین لایا اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور لڑا اللہ کی راہ میں۔ یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے اللہ کے ہاں۔

ایصال ثواب برحق ہے مگر اسے بدعات سے ملوث کر کے کھانوں کی جو رونق بنتی ہے اور اس کے لیے بڑے جلاب اجتماعات ہوتے ہیں اور اچھے بھلے گھروں کے کھاتے پیتے لوگ یہاں مساکین کے خیراتی کھانوں پر ٹوٹتے ہیں کہ مجال ہے کوئی فقیر وہاں رسائی پا سکے تو ایسے اعمال کب ان اعمال کی برابری پا سکتے ہیں جن کو اپنا بستر بھی خود اٹھانا پڑتا ہے اور اللہ کی راہ میں اپنے خرچ پر نکلنا ہوتا ہے۔ یہ دونوں طرح کے کام بھی اللہ کے ہاں ایک درجہ کے نہیں ہو سکتے۔

بدعت کی ایک اور کشش

اہل بدعت ایسے جتنے اعمال کرتے ہیں اس امید پر کر کرتے ہیں کہ آخرت میں انہیں ان کی جزا ملے گی اور ان کے اعتقاد میں ان کی یہ طاعت اور نیاز حق ہوتی ہے۔ جنگلوں کے سادھو اور پہاڑوں کے راہب اس امید میں دنیا چھوڑتے ہیں کہ وہ خدا کو راضی کر پائیں لیکن وہ نہیں جانتے کہ وہ دنیا اور آخرت دونوں کے گھاٹے میں جا رہے ہیں۔ خدا ان خود ساختہ اعمال سے کبھی راضی نہیں ہوتا۔

الذين ضل سعيهم في الحيوة الدنيا وهم يحسبون انهم يحسنون

صنعاً (پ ١٦ : الکہف ع ١٢)

ترجمہ: جن کی کوشش دنیا میں ہی کھو گئی اور وہ سمجھتے رہے کہ خوب بنا رہے ہیں (آخرت کے لیے) اپنے کام۔

مفسر بیضاوی ان لوگوں کی مثال میں عیسائی راہبوں کو پیش کرتا ہے:

کالرھبانیة فانھم خسروا دنیاھم واخرتھم وھم یحسبون انھم یحسنون صنعا لعجبھم واعتقادھم انھم علی الحق۔[1]

ترجمہ: جیسے رہبانیت کے لوگ جو اپنی دنیا میں بھی اور اپنی آخرت میں بھی گھاٹے میں رہے ہیں اور وہ سمجھتے رہے کہ خوب نیکیاں بنا رہے ہیں اس لیے کہ وہ خوش ہیں اور یہی ان کا عقیدہ ہے کہ وہ حق پر ہیں اور ان کے ان عملوں سے خدا خوش ہو رہا ہے۔

تفسیر روح البیان میں ہے وفی الآیة اشارة الی اہل الاھواء والبدع۔ اور آگے لکھا ہے:

ولان ھؤلاء القوم یبتدعون فی العقائد ویراؤن بالاعمال فلا یعود وبال البدعة والریاء الا الیھم[2]

ترجمہ: یہ لوگ اپنے عقائد بھی نئے بنا چکے ہیں (پہلے پیغمبروں کے طریقے پر نہیں رہے) اور عملوں میں بھی وہ ریا کار ہیں سو ان کی بدعات اور ریا کا وبال خود انہی پر پڑے گا۔ دین حق کا وہ کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔

اہل بدعت کے مختلف طبقات

ان اہل بدعت میں وہ بھی ہیں جنہوں نے وہ دین جو سب انبیاء سے ایک چلا آرہا تھا اسے بدلا ترمیم و رہبانیت اور آخرت دین کے بنیادی اصولوں میں۔ انہوں نے تو جیسا کہ ہم نے تثلیث [illegible]

---

[1] تفسیر بیضاوی ص ٢٩٥ [2] روح البیان جلد ٥ ص [illegible]

کی بجائے خدا کا بیٹا اور نجات آخرت کے لیے شریعت کی بجائے صلیب مسیح کی راہ تجویز کی گویا پورا دین بدل ڈالا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد جب حضرت خاتم النبیین آئے تو آپ نے قوموں کو پھر اسی دین پر قائم کیا جو پہلے سب انبیاء کا مشترکہ سرمایہ تھا اور آپ کو کہنا پڑا کہ میں کسی نئی قسم کا رسول نہیں ہوں اسی طرح کا ایک پیغمبر ہوں جیسے پہلے پیغمبر آتے رہے ہیں میری رسالت کسی بدعی نوع کی نہیں ہے قرآن کریم میں ہے۔

قل ما کنت بدعا من الرسل۔ (پ ۲۶ الاحقاف ع ۱)

ترجمہ: آپ کہہ دیں میں کوئی نیا رسول نہیں آیا

سو عیسائی ایسے اہل بدعت تھے جن کی بدعت انہیں کفر تک لے گئی ہندو ایسے اہل بدعت ہوئے جن کی بدعت انہیں کھلے شرک تک لے آئی، وہ اپنے مندروں میں بتوں کو لے آئے کہ یہ خدا کی عبادت میں ہمارے وسیلہ ہیں یہ جن بزرگوں کے نام پر بنے ہیں وہ ہمیں خدا کے قریب کر دیں گے۔ ایک بڑے خدا پر اعتقاد رکھتے ہوئے اعتقاد سے انہوں نے مندروں میں بت لا رکھے اور اس الحاد نے انہیں عقیدہ توحید سے کلیۃً محروم کر دیا گو وہ زبانی کہتے رہیں کہ ہم ایک خدا کو مانتے ہیں۔ ہندوؤں اور عیسائیوں کی عقیدہ توحید میں بدعات انہیں کفر تک لے گئی ہیں۔

بدعت فی العقائد کے مجرم

پھر ان اہل بدعت میں وہ بھی ہیں جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں مگر بدعت فی الاعتقاد میں وہ بھی کفر کی سرحدوں کو چھو رہے ہیں ــــ ان میں وہ بھی ہیں جو انسان کو خود اپنے افعال کا خالق سمجھتے ہیں اور وہ بھی ہیں جو گناہ کبیرہ کے مرتکب کو کافر کہتے ہیں وہ بھی ہیں جو موجودہ قرآن کو محرف اور بدلا ہوا سمجھتے ہیں اور اسے مخلوق جانتے ہیں اور ان میں وہ بھی ہیں جو انبیاء و اولیاء میں خدا کا اترنا مانتے ہیں اور برملا اپنا یہ عقیدہ بیان کرتے ہیں۔

جو مستوی عرش تھا خدا ہو کر ــــ اتر پڑا وہ مدینہ میں مصطفیٰ ہو کر

یہ سب طبقے بدعت فی العقائد کے مجرم ہیں اور انہیں معتزلہ و خوارج اور شیعہ اور علویہ کے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے لیکن جو آیت ہم نے پہلے ذکر کی ہے اس میں ان کے اعمال ضائع ہو جانے کا بیان ہے۔ اب بدعت فی الاعمال کے مرتکبین بھی اسی کھاتے میں آتے ہیں۔

الذین ضل سعیہم فی الحیوٰۃ الدنیا وہم یحسبون انہم یحسنون صنعا۔ (پ ۱۶ الکہف)

یہ سب مجرم اسی آیت کے ذیل میں آتے ہیں جن کی کوششیں یہیں دھری کی دھری رہ گئیں۔ اب اگر کوئی شخص یا طبقہ اہل سنت بھی کہلائے اور اس کے عقائد معتزلہ و خوارج اور شیعہ علویہ کے سے بھی نہ ہوں پھر بھی اگر وہ ایسے اعمال طاعت کرتا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرامؓ نے نہیں کئے تو وہ بھی اس ذیل میں آتا ہے کہ وہ لوگ دنیا میں ایسے اعمال کرتے رہے کہ جنہیں صحیح سمجھتے رہے آخرت میں وہ ان کا صلہ نہ پائیں گے کیونکہ ان کے اعمال یہیں رہ گئے اور آگے نہ جا سکے۔

بدعت فی الاعمال کے رسیا

یہ لوگ بدعت فی الاعمال کے مجرم ہیں۔ یہ کسر نہ تھی کہ ان کے اعمال سنت اور صحابہؓ کے پیمانے میں نہ ڈھلے تھے۔ یہ ان کی اپنی گھڑی ہوئی بدعات تھیں۔ سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایسے لوگوں کو صریح لفظوں میں بدعتی فرمایا۔ آپ نے ایک مسجد میں لوگوں کو بلند آواز سے ذکر کرتے سنا۔ ان لوگوں نے اجتماع میں اسے ذکر کے لیے کر رکھا تھا۔ آپ نے انہیں مسجد سے نکال دیا

صحیح اعمال طاعت میں اپنے التزامات

آگے بدعت کی ایک اور قسم ہے کہ اعمال کے دائرے تو دینی ہوں جو پہلے سے چلے آتے ہیں لیکن ان کا رنگ رکھاؤ اور ظاہری اہتمام پہلے سے کچھ بدل جائے اور اس پر صحابہؓ کا عمل ثابت نہ

ہو۔ مثلاً تہجد کی نماز جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے دور میں عام طور پر گھر پڑھی جاتی تھی اب
اگر اسے اعلان اور اہتمام کے ساتھ مسجد میں پڑھا جانے لگا اور یہ کبھی کبھار کی بات بھی نہ ہو تو کیا یہ
ایک نیا عمل نہ سمجھا جائے گا؟ کسے معلوم نہیں کہ چاشت کی نماز (صلوٰۃ الضحیٰ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم
سے ثابت ہے لیکن لوگوں نے جب اسے مسجد میں اہتمام سے پڑھنا شروع کیا تو سیدنا حضرت عبداللہ
بن عمرؓ نے اس کے بدعت ہونے کا فتویٰ دیا۔ امام المفسرین حضرت مجاہدؒ ایک دفعہ حضرت عروہ
بن الزبیرؓ کے ساتھ مسجد میں گئے تو وہاں کیا دیکھا کہ ایک بڑا اجتماع ہے اور لوگ چاشت کی نماز پڑھ
رہے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ مسجد میں حضرت ام المومنینؓ کے حجرہ کی طرف بیٹھے تھے ہم نے ان
سے اس اہتمام سے مسجد میں نماز چاشت پڑھنے کے بارے میں پوچھا۔

والناس يصلون الضحى في المسجد فسألناه عن صلوتهم فقال بدعة.

ترجمہ۔ لوگ مسجد میں نماز چاشت پڑھ رہے تھے ہم نے آپ سے ان کی اس نماز کے
بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا بدعت ہے۔

نئے انتظامات سے اصل بھی باقی نہیں رہتی

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس نماز کو عموم صلوٰۃ کے تحت شمار نہ فرمایا کیونکہ یہ نماز جس خاص
اہتمام اور شان سے پڑھی جا رہی تھی اس کا ثبوت تفصیلاً درکار تھا یہ نہیں کہ بات تو اس اہتمام کی ہو
رہی ہو اور اس پر مطلق نماز پڑھنے کے دلائل پیش کر دیئے جائیں حضرت علامہ شاطبیؒ (۷۹۰ھ) نے اس
امر کی اس طرح وضاحت فرمائی ہے۔

ان الاصل اذا ثبت في الجملة لا يلزم اثباته في التفصيل فاذا ثبت
مطلق الصلوة لا يلزم منه اثبات الظهر والعصر والوتر او
غيرها حتى ينص عليه على الخصوص[1]

---

[1] الاعتصام جلد ۱ ص[illegible]

ترجمہ: پس جب اجمالی حدیث ثابت ہو جائے تو اس سے اس کی تفصیل ثابت نہیں ہوتی سو جب مطلق نماز کا ثبوت ملے تو اس سے نماز ظہر یا عصر ثابت کرنا یا نماز وتر وغیرہ ثابت کرنا نہ ہو سکے گا یہاں تک کہ اس خاص مسئلے پر کوئی خاص دلیل وارد ہو۔

اجمال کا ثبوت تفصیل کے دعوے کو مفید نہیں

آپ نے عام طور پر دیکھا ہو گا کہ جب بریلوی علماء سے دعا بعد نماز جنازہ کا حوالہ پوچھا جائے تو وہ مسئلہ کا تفصیل سے جواب دینے کی بجائے مطلق دعا کی آیتیں اور حدیثیں پڑھنی شروع کر دیتے ہیں اور اس خاص وقت (نماز جنازہ کے بعد) کی دعا پر حوالہ پیش نہ کر سکنے کی کمزوری کو ان عمومات کے تحت چھپانے کی سعی کرتے ہیں اور یہ بات ان سے چھپی نہیں ہوتی کہ سوال مطلق دعا کا نہیں ہو رہا ان سے، اس خاص وقت میں اس خاص ہیئت سے جماعت کے ساتھ دعا کرنے کا حوالہ پوچھا جا رہا ہے جو ان کے پاس کوئی نہیں ہے۔

کسے پتہ نہیں کہ تہجد کی نماز شریعت میں ایک بڑا مقام رکھتی ہے مگر اسے کھلی مسجد میں جماعت کے ساتھ قائم کرنا اور اس کے لیے اہتمام کرنا جائز نہیں، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ لکھتے ہیں:۔

نماز تہجد را بجماعت مے گزارند۔ از اطراف و جوانب ہماں وقت مردم از برائے نماز تہجد جمع مے گردند و بجمعیت تمام ادا مے نمایند و ایں عمل مکروہ است، بکراہت تحریمہ۔[1]

ترجمہ: نماز تہجد کو یہ لوگ جماعت سے ادا کرتے ہیں اطراف و جوانب سے لوگ اس وقت تہجد کی نماز کے لیے آتے ہیں اور پورے اطمینان سے نماز پڑھتے ہیں یہ عمل

---

[1] مکتوبات دفتر دوم مکتوب

مکروہ تو ہی ہے۔

اعمال کی شکلیں پہلی سی مگر اعتقاد اور ہو

اس سے آگے بدعت کا ایک یہ بھی انداز ہے کہ اعمال کے ڈھانچے، ان کی ظاہری شکلیں تو وہی ہوں جو اعمال پہلوں سے ملے ہیں لیکن ان کے ساتھ وہ خلوص و اعتقاد نہ ہو جو پہلوں کا تھا۔ یہ اس میں محض ریا، دکھاوے اور رونق کے لیے شامل ہو رہے ہوں۔ اب ان کے یہ اعمال بھی جو اپنی اصل میں ثابت تھے اسی فرق نیت سے بدعت بن جائیں گے۔

ان کے ڈھانچے گو وہی ہیں مگر ان میں وہ روح نہیں رہی جو انہیں سنت کا نام دینے سے روکتی تھی۔ اب یہ ریاکار کسی درجے میں اہل سنت کہلانے کے مستحق نہیں۔ یہ اہل بدعت کی کمزور ترین نوع ہے۔

ریاکار کے نیک اعمال ہرگز آگے نہ جا سکیں گے۔ اہل بدعت اور اہل ریا بس ایک مقام کو جا پہنچے اور حق یہ ہے کہ بدعت میں خود ریاکاری چھپی ہوتی ہے۔ آپ تفسیر روح البیان کی یہ عبارت پڑھ آئے ہیں:-

ان هؤلاء القوم مبتدعون في العقائد ويراؤون بالاعمال فلاجرم وبال البدعة والرياء الا اليهم[1]

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جو عقائد میں نئی نئی راہوں پر آ نکلے اور یہ ان کے دکھاوے کے اعمال ہیں سو بدعت اور ریا کا وبال خود انہی پر لوٹتا ہے

قرآن پاک کی رو سے ضائع ہونے والے اعمال

ہم اب وہ پوری آیت کھلی آیات کے ساتھ آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں جس کے تحت صاحب روح البیان نے مذکورہ بالا بات کہی ہے۔

---

[1] روح البیان جلد ۵ صفحہ [illegible]

قل هل ننبئكم بالاخسرين اعمالا ۝ الذين ضل سعيهم في الحيوة الدنيا وهم يحسبون انهم يحسنون صنعا ۝ اولئك الذين كفروا بايات ربهم ولقائه فحبطت اعمالهم فلا نقيم لهم يوم القيمة وزنا ۝ (پ ۱۶، الکہف)

ترجمہ: آپ کہیں کیا میں تمہیں ان کی بات بتاؤں جن کا کیا ہوا کام سب بیکار گیا یہ وہ لوگ ہیں جن کی کوششیں سب یہیں دنیا میں رہ گئیں اور وہ سمجھتے رہے کہ وہ نیکو کاری کے کام کر رہے ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جو اپنے رب کی نشانیوں اور اس سے ملنے کے منکر ہوئے سو ان کے اعمال برباد گئے ہم انہیں قیامت کے دن (ترازو میں) کوئی وزن نہ دیں گے۔

رفع تعارض

وهم يحسبون انهم يحسنون صنعا سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہ اعمال اس نیت سے بجا لاتے ہیں کہ آخرت میں انہیں ان کا صلہ ملے گا۔ مفسرین بھی یہاں ایسا ہی لکھتے ہیں۔

يعملون عملا ينفعهم في الآخرة۔[1]

ترجمہ: آیت میں مراد یہ ہے کہ وہ یہ عمل (اس خیال سے) کرتے رہے کہ یہ انہیں آخرت میں نفع دیں گے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ آخرت پر یقین رکھنے والے لوگ تھے اور وہ مانتے تھے کہ ایک دن انہیں خدا کے حضور میں پیش ہونا ہے۔ امام فخر الدین رازی (۶۰۶ھ) بھی لکھتے ہیں:

والاصل ان يقال هو الذي يأتي بالاعمال يظنها طاعات وهي في انفسها معاصي وان كانت طاعات لكنها لا تقبل منهم لاجل كفرهم فاولئك

انما اتوا بتلک الاعمال لوجه ما اکتسبوا[1]

ترجمہ: بات یہ ہے کہ وہ لوگ یہ اعمال اس گمان میں کرتے تھے کہ یہ نیکیاں ہیں اور وہ کام اپنی ذات میں گناہ تھے، اور اگر وہ نیکیاں بھی ہوں لیکن وہ ان کے کفر کے باعث لائق قبول نہ تھیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ثواب کی امید پہ یہ اعمال کرتے رہے

شیعہ مفسرین علامہ عیاشی اور طبرسی لکھتے ہیں کہ ابن کوا نے حضرت علیؓ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا تو آپ نے اس کے جملہ کفروا بایات ربھم کے بارے میں فرمایا۔

اولئک اھل الکتاب کفروا بربھم وابتدعوا فی دینھم فحبطت اعمالھم وما اھل النھر منھم ببعید[2]

ترجمہ: اس سے مراد اہل کتاب ہیں جنہوں نے اپنے رب کی کتاب کا انکار کیا اور اپنے دین میں بدعات پیدا کرلیں۔ ان کے نیک اعمال ضائع گئے اور خوارج بھی ان لوگوں سے کچھ زیادہ دور نہیں رہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے بھی یہی منقول ہے کہ اس سے مراد اہل کتاب ہیں اور ظاہر ہے کہ وہ بعثت اور آخرت کے منکر نہ تھے۔

اس کے ساتھ دوسری آیت الذین کفروا بایات ربھم ولقائہ بتاتی ہے کہ وہ خدائی آیات کے منکر تھے اور معاد کے قائل نہ تھے۔ سو یہ کھلے کافروں کا بیان ہے۔ ان لوگوں کا بیان نہیں جو دین حق کو مان کر پھر اس میں بدعت کی راہیں نکالتے ہیں۔ اس ظاہری تعارض کو رفع کرنے کے لیے مفسرین نے دوسری آیت میں تاویل کی ہے کہ یہاں یہ کفروا بایات ربھم سے مراد معاد اور آخرت کا کلی انکار نہیں۔ آیات الٰہیہ کے ان دلائل کو پس پشت کرنا ہے جو ان کی سچائی کا پتہ دیتے ہیں۔ حبطت اعمالھم بھی اسی کا قرینہ ہے کیونکہ منکرین بعثت کے اعمال نے تو وجود ہی نہ پکڑا تھا۔ یہاں ان اہل بدعت کا بیان ہے جن کے اعمال بین سنت کے موافق نہ ہونے کے باعث

---

[1] تفسیر کبیر جلد ۲۱ صفحہ ۱۷۱ [2] مجمع البیان جلد ۶ ص [illegible]

وزن نہ ہوگا۔ منکرین معاد کا تو کوئی عمل آخرت کے لیے وجود میں ہی نہیں آتا۔ وہ کوئی کام اس
اُمید سے نہیں کرتے کہ یہ عمل آگے ان کے کام آئے گا۔ سو یہاں کفروا بآیات ربھم سے
آخرت کے کھلے منکر مراد نہیں ہیں۔

حضرت مصعب بن سعدؓ (۱۰۳ھ) نے اپنے والد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم
(۵۵ھ) سے دریافت کیا کہ اس آیت میں خوارج کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں۔
یہود و نصاریٰ مراد ہیں۔ یہ دونوں بعثت اور آخرت کے منکر نہ تھے

یہود و نصاریٰ اور خوارج میں سے کوئی بھی خدا اور آخرت و معاد کا منکر نہیں۔ یہ سوال او
جواب بتاتا ہے کہ یہاں کفروا بآیات ربھم ولقائہ کو اس کے ظاہر پر نہیں رکھا گیا بلکہ اس سے
مراد وہ لوگ ہیں جو آیات الٰہی کے ان دلائل کو دل میں جگہ نہ دیتے تھے جن سے حق کا چہرہ نکھرتا ہے
اور یہی ان کا کفر تھا۔

امام بخاریؒ کتاب التفسیر میں نقل کرتے ہیں:۔

عن مصعب قال سألت ابی قال هل ننبئكم بالاخسرين اعمالا هم
الحرورية قال لا هم اليهود والنصارى[1]

ترجمہ: حضرت مصعبؓ سے مروی ہے کہ میں نے اپنے باپ سے اس آیت کے متعلق
پوچھا کیا اس میں خارجیوں کا حکم بیان کیا گیا ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں یہاں یہود
و نصاریٰ مراد ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰؓ اور مفسر جلیل حضرت ضحاک (۱۰۵ھ) سے روایت ہے کہ اس آیت میں
خوارج کا حکم بیان کیا گیا ہے

خوارج کو اپنے عملوں پر ناز تھا اور ان کے عملوں کا یہ ظاہری رکھ رکھاؤ خود آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کی ایک پیشگوئی میں بھی منقول ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے بیٹے ابو سلمہؓ اور عطاء بن یسارؒ

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۹۱

حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے اور خوارج کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے:

یخرج فی ہذہ الامۃ قوم تحقرون صلوتکم مع صلوتہم یقرأون القرآن لا یجاوز حناجرہم یمرقون من الدین کمروق السہم من الرمیۃ۔[1]

ترجمہ: اس امت میں ایک گروہ ہوگا کہ تم ان کی نمازوں کو دیکھ کر اپنی نمازوں کو کم سمجھو گے۔ وہ قرآن پڑھیں گے مگر وہ ان کی حنجرہ تک سے آگے نہ بڑھے گا۔ وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر شکار کو چھید کر آگے نکل جاتا ہے

خوارج

یہ لوگ پہلے حضرت علی المرتضیٰؓ کے گروہ میں شامل تھے پھر جنگ صفین کے آخر میں انہوں نے تحکیم کے موضوع پر حضرت علیؓ سے اختلاف کیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت شیعان علی، آپ کے ساتھی، آپ کو امور میں منصوص امام نہ سمجھتے تھے۔ ورنہ قدم قدم پر وہ آپ سے اختلاف نہ کرتے۔ جب یہ لوگ حضرت علیؓ سے علیحدہ ہوئے تو یہ خارجی کہلائے۔ یہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ دونوں کے خلاف تھے اور دونوں کو کافر سمجھتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے انسان کافر ہو جاتا ہے۔ اعمال کا ظاہری اہتمام ان کے ہاں بہت تھا۔ خارجیوں کا یہ تعارف نہیں کہ وہ صرف حضرت علی مرتضیٰؓ کو برا کہتے ہیں بلکہ حضرت معاویہؓ کو بھی وہ اسی طرح کافر سمجھتے تھے اور وہ صرف اپنے اعمال پر نازاں تھے۔ سو صرف حضرت علیؓ کو برا کہنے والے خارجی نہیں ناصبی ہوتے ہیں۔

قرآن کریم میں اعمال کی ظاہری شان و شوکت کو اسی مقام پر ذکر کیا گیا ہے سو حضرت علی مرتضیٰؓ کے نزدیک اس آیت کا مصداق یہی لوگ ہیں جو اپنے اعمال کے ظاہری رکھ رکھاؤ میں کھو گئے اور سمجھتے

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۲۴

یہ ہے کہ وہ ان اعمال کی بنا آخرت میں پائیں گے۔ یہ لوگ حقیقت میں آیات الٰہیہ کے ان دلائل کے منکر تھے جو قرآن کریم مومنین کے دلوں میں بٹھانا چاہتا ہے۔

حافظ ابن کثیر الدمشقی (۷۷۴ھ) لکھتے ہیں۔

وقال علی بن ابی طالب والضحاک وغیر واحد ھم الحروریة ومعنی ھذا عن علی ان ھذہ الآیة الکریمة تشمل الحروریة کما تشمل الیھود والنصارٰی لا انھا نزلت فی ھؤلاء علی الخصوص وانما ھی عامة فی کل من عبد اللہ علی غیر طریقة مرضیة یحسب انہ مصیب فیھا وان عملہ مقبول وھو مخطئ وعملہ مردود۔[1]

ترجمہ: حضرت علی حضرت ضحاک اور دوسرے کئی مفسرین نے اس سے خوارج ہی مراد لیے ہیں۔ حضرت علیؓ سے اس آیت شریفہ کا یہی مفہوم منقول ہے کہ یہ بات جس طرح یہود و نصاریٰ کو شامل ہے خارجیوں کو بھی شامل ہے۔ مطلب کہ یہ مراد نہیں کہ یہ آیت خاص خوارج کے متعلق اتری ہے یہ آیت ہر اس شخص کو عام ہے جو اللہ کی عبادت اس کے بتائے طریقے پر نہ کرے اپنے طریقے گھڑے اور سمجھے کہ وہ درست کر رہا ہے اور اس کا یہ عمل مقبول ہے حقیقت یہ ہے کہ وہ غلط کار ہے اور اس کا یہ بدعت کا عمل مردود ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں۔

محدث عبدالرزاق روایت کرتے ہیں ابن الکواء نے حضرت علیؓ سے پوچھا بالاخسرین اعمالا سے کون لوگ مراد ہیں۔ آپ نے فرمایا: ویلک منھم اھل حروراء (تجھے کیا ہوا یہ خوارج ہیں جن کے اعمال ضائع ہو گئے) اس کے بعد ہے۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر جلد ۳ ص

کے لیے کسی نے یہ کام کیے نہ آخرت میں ان کے صلے کی اسے کوئی امید بندھی تھی یہاں کے یہ اعمال یہیں کے لیے کیے گئے اور وہیں رہ جاتے ہیں آگے نہیں جاتے۔

③ اعمال آخرت

یہ وہ کام ہیں جن کے صلے کی انسان کو آخرت میں امید لگی ہوتی ہے۔ وہ اسی امید میں نیکیوں پر نیکیاں کرتا چلا جاتا ہے کہ ایک دن آئے گا جب وہ ان نیکیوں کی جزا پائے گا۔ آخرت کے لیے کیے گئے یہ اعمال پھر دو قسم کے ہیں۔

① — بدعات

یہ وہ اعمال ہیں جو حضورؐ اور صحابہ کرامؓ کے پیمانہ عمل میں کبھی نہ آئے تھے بلکہ لوگوں نے خود بنا لیے، اور امید پھر بھی ہے کہ یہ آخرت میں ان کے کام آئیں گے۔

② — اعمال طاعات

یہ وہ اعمال ہیں جو حضورؐ کی سنت اور صحابہ کرامؓ کے طریقے کے مطابق کیے گئے۔

اعمال گویا تین قسم کے ہوئے۔

① ایک وہ جن کی محنت یہاں اور صلہ بھی یہاں ملے گا یہ اعمال دنیا ہیں۔

② دوسرے وہ جن کی محنت یہاں (دنیا میں) اور جزاء و صلہ وہاں (آخرت میں) ملے گا یہ اعمال طاعت ہیں جو پیمانۂ سنت کے مطابق کیے گئے۔

③ تیسرے وہ اعمال ہیں جن کی محنت یہاں مگر ان کی جزاء نہ یہاں نہ وہاں — یہاں اس لیے نہیں کہ وہ کئے ہی آخرت کے لیے گئے تھے اور وہاں (آخرت میں) اس لیے نہیں کہ وہ اعمال پیمانۂ سنت پر پورے نہ اترے۔ نہ وہ صحابہؓ کے سانچے میں ڈھلے تھے بدعت کی ظلمت نے انہیں اٹھنے ہی نہ دیا تھا۔ اللہ رب العزت کے حضور تو پاک کلمے ہی اوپر اٹھتے ہیں نہ کہ خود سے اختیار کی گئیں بدعات اور ان کے شور و نغمے۔

الیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعہ۔ (پ ۲۲ فاطر ع ۲)

ترجمہ: اسی کی طرف چڑھتا ہے پاک کلام اور کام نیک اس کو اٹھا لیتا ہے۔

یعنی صرف نیک باتیں اللہ رب العزت کی طرف جاتی ہیں اور دوسرے اعمال صالحہ جو سنت کے مطابق ہوں انہیں اٹھنے میں سہارا دیتے ہیں۔ سو بدعت کے اعمال بس صرف یہیں کے یہیں رہ جائیں گے آگے نہ جا سکیں گے اور اہل بدعت بس یہیں ہاتھ ملتے رہیں گے۔ انہی کا حال یہاں بیان کیا گیا ہے۔

الذین ضل سعیہم فی الحیوۃ الدنیا وھم یحسبون انہم یحسنون صنعا۔ (پ ۱۶: الکہف ع ۱۲)

ترجمہ: وہ لوگ جن کی کوششیں یہیں دھری کی دھری رہ گئیں اور وہ سمجھتے رہے کہ وہ نیکیاں بنا رہے ہیں۔

جو عمل پیمانہ سنت پر نہ ڈھلا ہو اور اسے کار خیر اور نیکی سمجھ کر کیا جائے اس کا ثمرہ آخرت میں اندھیرے کے سوا اور کچھ نہ ہوگا یہ نور سنت ہے جس کی چمک اس جہان کی سرحدوں سے آگے بھی روشنی دے گی

اسلام دین کامل ہے اور پیمانہ سنت پر نئی پیدا ہونے والی دینی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے اصولاً بہتر ہے جیسی کہ ہے ادھر ادھر دیکھنے کی ضرورت نہیں —— حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک کے لیے اللہ کے رسول ہیں۔ آپ کے بعد کسی نئے نبی کی آمد ہے نہ آئے گا —— سو بس دین میں کسی اضافے کی گنجائش نہیں۔ نہ اس میں کسی کمی کا کوئی احتمال ہے جس نے بھی اس دین میں کوئی نئی بات داخل کی جو اس میں سے نہ تھی تو اس کا یہ عمل مردود ہے۔ آپ خود فرما گئے۔

من احدث فی امرنا ھذا مالیس منہ فھو رد۔

جو شخص دین کی کوئی بات کرتا ہے جو دین کی نہیں مالیس منہ اس پر پوری طرح منطبق ہے تو گویا اس نے اللہ تعالیٰ پر افترا نہیں کیا؟ دین کی بات تو اللہ تعالیٰ سے ہی نسبت رکھتی ہے تو اپنی

طرف سے کوئی دین کی بات بتانا افترا اور اس کے رسول پر حق پیا افترا کرنا ہے۔

ولا تقولوا لما تصف السنتكم الكذب هذا حلال وهذا حرام لتفتروا على الله الكذب (پ۱۴ النحل ع ۱۵)

ترجمہ: اور مت کہو اپنی زبانوں کے جھوٹ بنانے سے کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے تاکہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا کرو۔

حافظ ابن کثیرؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ويدخل في هذا كل من ابتدع بدعة ليس له فيها مستند شرعي۔[1]

ترجمہ: اور اس حکم میں ہر وہ شخص داخل ہے جس نے کوئی بدعت گھڑی ہے جس کے لیے کوئی سند شرعی، دلیل یا نظیر موجود نہیں۔

من احدث في امرنا هذا میں احداث عام ہے

من احدث في امرنا هذا ما ليس منه میں احداث مطلق ہے وہ ذات شیء کا ہو یا وصف شیء کا ۔۔۔ اور وہ احداث بلا واسطہ ہو یا بالواسطہ ۔۔۔ سب کا ایک حکم ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ عمل مردود ہے کرنے والے کے منہ پر مارا جائے گا کبھی قبولیت نہ پائے گا۔

اگر ذات شیء میں احداث نہیں، مثلاً مساکین کو کھانا کھلانا یہ کوئی نئی بات نہیں، مگر وصف و قید میں احداث ہے جیسے کوئی تاریخ معین کر لی یا تعین کا اعتقاد کر لیا اور اس میں زیادہ ثواب کا عقیدہ رکھ لیا تو وہ سارا عمل ایک شمار ہوگا ذات شیء اور وصف شیء میں فرق نہیں کیا جائے گا اور یہ بات کسی صاحب علم سے مخفی نہیں کہ جائز اور ناجائز کا مرکب ناجائز ہی ہوتا ہے حلال اور حرام کا مجموعہ حرام ہی ٹھہرے گا۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر جلد ۲ صفحہ

کسی میں بعض باتیں ایمان کی ہوں اور بعض کفر کی تو اسے کافر ہی سمجھا جائے گا یہ نہ کہا جائے گا کہ وہ ساٹھ فیصد مسلمان ہے اور چالیس فیصد کافر — سو جو چند سنتوں پر عمل کرے اور چند بدعتوں پر بھی عمل پیرا ہو تو اسے بدعتی ہی کہیں گے سُنّی نہ کہیں گے — مرکب لایجوز اور یجوز لایجوز ہی کا ہوتا ہے۔

احداث ذات اور وصف دونوں میں ہوتا ہے

بریلوی احداث کو صرف ذات میں محدود کرتے ہیں اسے مطلق نہیں سمجھتے اسے وصف تک عام نہیں کرتے حالانکہ یہ مطلق ہے احداث ذاتِ شئ کا ہو یا وصفِ شئ کا. یہ لفظ دونوں کو عام ہے — اذان اپنی ذات میں احداث نہیں قبرستان میں دفن سے پہلے بطور عادت اذان دینا احداث ہے. بریلوی اسے بدعت نہ کہیں گے کیونکہ اذان اپنی ذات میں ثابت ہے. لیکن اہلِ سنّت اسے بھی احداث میں داخل کریں گے. جو چیز وصفِ شئ میں کوئی تبدیلی لائے اور کوئی اسے نیکی سمجھے تو اس نے دین میں ایک نئی ایجاد کی.

ماليس منه میں بھی ما عام ہے جو ذاتِ شئ اور وصفِ شئ دونوں کو شامل ہے اہلِ بدعت اس کے عموم کو بڑی بے دردی سے توڑتے ہیں اور یہ شریعت میں ایک تغیر پیدا کرنا ہے. مولوی عبدالسمیع رامپوری نے یہ راہ اپنی طرف سے نکالی ہے:

> اس نئی بات نکالی ہوئی کا مردود ہونا موقوف ہے اس بات پر کہ مخالف ہو کتاب وسنت کے — بس یہی ہم نے دعویٰ کیا ہے [1]

یہاں مخالف ہونے سے مولوی صاحب کی مراد یہ ہے کہ اس کے خلاف کتاب وسنت کا حکم موجود ہو. مثلاً یہ کہ کوئی حدیث ہو کہ قبرستان میں دفن سے پہلے اذان نہ دی جائے.

---

[1] انوار ساطعہ صفحہ ۴۴

تب یہ قبرستان کی اذان بدعت ٹھہرے گی ورنہ یہ دفن کے وقت اذان دینا بدعت نہ ہوگا کیونکہ اس کے مخالف کوئی آیت یا حدیث موجود نہیں ہے۔ بریلوی علماء عام کہتے ملیں گے کہ اس سے کہیں منع تو نہیں کیا گیا

اگر یہ لوگ یہاں مخالفت سے اس کا کتاب و سنت میں موجود نہ ہونا مراد لیتے جو مقتضیٰ کا تقاضا تھا تو بے شک یہ لوگ بدعت سے بچ جاتے لیکن انہوں نے مخالفت سے مراد اپنی ایک من گھڑت مراد لے لی کہ کتاب و سنت میں صراحتاً یا فرعاً اس سے روکا نہ گیا ہو۔ حالانکہ حدیث میں تصریح موجود تھی کہ یہاں حدیث سے مراد غیر منقول ہے۔

من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد۔ قال ابن عیینۃ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من صنع امرا علی غیر امرنا فھو رد۔[1]

ترجمہ: جس نے ہمارے دین میں وہ کام کیا جو ہمارے کام کے علاوہ ہو (کتاب و سنت میں مذکور نہ ہو) تو وہ عمل مردود ٹھہرے گا۔

بریلوی لوگ کثر یہاں لفظ مخالف کو بھی عام رکھتے کہ یہ شریعت کے کسی حکم کے خلاف ہو نہ اس کے علاوہ ہو تو وہ ہرگز اس دلدل میں نہ گھرتے کہ یہاں گر تے تو کئی دیکھے گئے لیکن اس سے نکلنے کی توفیق کسی خوش نصیب کو ہی ملی ہے۔

جو عمل کتاب و سنت کے مخالف نہ ہو اس کا حکم

جو عمل کتاب و سنت کے کہیں خلاف نہ ہو اور کتاب و سنت میں کہیں وارد بھی نہ ہو تو سوال یہ ہے کہ اگر اس پر عمل کرنے کی اجازت بھی جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے اس کا حکم کتاب و سنت کی رو سے کیا ہوگا؟ اس کا حکم دریافت کیا جانا ضروری ہے کیونکہ ہم دین میں

---

[1] سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۲۷۹

طرح مجلس میلاد کو یہ ان کے ہاں فرض اور واجب سے بھی بڑھ جائے۔

کسی مستحب کو واجب کے درجے میں لے جانا جائز نہیں

مباح سنت واجب اور فرض یہ سب شرعی درجات ہیں۔ کسی چیز کے مستحب سنت اور واجب ہونے کا پتہ آپ کو شریعت سے ہی ملے گا کتاب و سنت ہی اس کا ماخذ ہیں۔ اسی طرح مکروہ اور حرام ہونا بھی شرعی درجہ کے حکم ہیں۔ البتہ مباح وہ چیز ہے جو نہ کتاب و سنت میں مامور ہے نہ ممنوع۔ اس پر عمل کرے تو کوئی ثواب نہیں اسے ترک کر دے تو کوئی گناہ نہیں۔ اسے نیکی سمجھ کر عمل میں نہیں لایا جاتا۔ اسے صرف ایک جائز عمل سمجھ کر کیا جاتا ہے مباح اور مستحب میں یہ جوہری فرق ہے کسی شخص کا جاپان جانا مباح ہے مگر اسے کارِ ثواب سمجھ کر کوئی نہیں کرتا۔

مستحب کو اس درجہ سے واجب کے درجہ میں لانا اور پھر اسے حق و باطل کا نشان بنانا یہ غلط ہے اور ایک شیطانی قدم ہے صحابہؓ کے ہاں اسے اضلالِ شیطان کہا جاتا تھا جب امر مستحب کو جس کی اصل شریعت میں موجود ہوتی ہے اپنے درجہ سے اوپر نہیں ٹھہرایا جا سکتا تو امر مباح کو جس کی شریعت میں سرے سے کوئی اصل نہیں واجب اور لازم کے درجہ میں لے آنا کیسے درست سمجھا جا سکتا ہے۔

ذکر ولادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک امر مستحب تھا اور یہ ہر مومن کے دل میں بستا ہے لیکن ساتویں صدی ہجری میں اسے ایک امر اجتماعی کی شکل دی گئی اور اسے ایک بادشاہ نے ایک جشن کے طور پر منایا۔ عمرو بن دحیہ کے سوا کسی عالم نے اس کا ساتھ نہ دیا۔ آٹھویں صدی کے علماء کھل کر یہ مسئلہ سامنے لائے کہ کسی مباح یا مندوب کو اس کے درجے سے اوپر نہیں لایا جا سکتا اور امت کے کسی عالم کو ایسا کرنے کا حق نہیں دیا جا سکتا۔

کسی جائز عمل کو اپنے درجہ سے اوپر کے درجہ میں لے آنا

یہاں علامہ ابراہیم حلبی (۹۵۶ھ) علامہ طیبی (۷۴۳ھ) نویں صدی کے حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) اور دسویں صدی کے علامہ ابن نجیم (۹۷۰ھ) علامہ طاہر پٹنی (۹۸۶ھ) اور ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) کی چند شہادتیں آپ کے سامنے رکھتے ہیں یہ سب حضرات اس بات پر متفق رہے ہیں کہ شریعت کے کسی حکم کو اپنے درجہ سے اوپر نہیں اٹھایا جا سکتا

۱۔ حضرت علامہ حلبی لکھتے ہیں۔

وما یفعل عقیب الصلوٰۃ فمکروہ لان الجہال یعتقدونہ سنۃ او واجبۃ وکل مباح یؤدی الیہ فمکروہ [1]

ترجمہ: اور جو نمازوں کے بعد (ذکر بالجہر) کیا جاتا ہے یہ مکروہ ہے عوام اسے سنت یا واجب سمجھنے لگے ہیں اور ہر مباح جو اس طرف لے جائے مباح نہ رہے گا مکروہ ہو جائے گا۔

اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ کسی عمل کو اپنے درجہ سے اوپر لے جانے میں عوام کی سمجھ کو اعتبار ہوگا خواص کی بات کا نہیں۔

۲۔ علامہ طیبی لکھتے ہیں۔

ان من اصر علی امر مندوب وجعلہ عزماً ولم یعمل بالرخصۃ فقد اصاب منہ الشیطان من الاضلال فکیف من اصر علی بدعۃ او منکر وجاء فی حدیث ابن مسعودؓ ان اللہ عزوجل یحب ان تؤتی

---

[1] غنیۃ المستملی ص۱۱۹

ورخصه کما یحب ان تؤتی عزائمه[۱]

ترجمہ: جس نے کسی مستحب کام کو واجب کے اہتمام سے کیا، اور اسے عزیمت جانا اور اس کے رخصت کے پہلو کو کبھی نہ لیا تو شیطان اسے بہکانے میں کامیاب ہو گیا اس کا حال کیا ہوگا جو کسی بدعت و منکر پر اس طرح اصرار کرے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ اسے پسند کرتا ہے کہ اس کی دی رخصتوں پر بھی عمل ہو جیسا کہ وہ چاہتا ہے کہ اس کے عزیمت ٹھہرائے عمل عمل میں لائے جائیں۔

۳۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:-

قال ابن المنیر فیه ان المندوبات قد تنقلب مکروهات اذا رفعت عن مرتبتها لان التیامن مستحب فی کل شیء ای من امور العبادة لکن لما خشی ابن مسعودؓ ان یعتقدوا وجوبه اشار الی کراهیته[۲]

ترجمہ: مندوبات کبھی مکروہات بن جاتے ہیں، جب انہیں ان کے مرتبہ سے اٹھا دیا جائے عبادات کی ہر بات میں دائیں طرف کو اختیار کرنا مستحب تھا لیکن جب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو اندیشہ ہوا کہ لوگ دائیں طرف مڑنے کو واجب سمجھنے لگیں گے انہوں نے اس کے مکروہ ہونے کی بات کہہ دی۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ دینی امور میں عوام کی سمجھ کا اعتبار کیا جاتا ہے کہ وہ انہیں کیا سمجھتے ہیں تو جس کے کہنے سے بات نہیں بنتی۔

۴۔ علامہ ابن نجیم ابو حنیفۃ الثانی بھی یہی کہتے ہیں:

ویلزم ان ما تردد بین بدعة وواجب اتیانه کی لا یترک کالسنة۔[۳]

ترجمہ: جب کسی مسئلے میں بدعت اور واجب شرعی ہونے کا اختلاف ہو تو

---

[۱] مرقات جلد ۲ صفحہ ۳۱ نقلاً عن الطیبی [۲] فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۲۸۶ [۳] البحر الرائق جلد ۲ صفحہ ۲۹

ضروری ہے کہ اسے چھوڑ دیا جائے جیسا کہ سنت کے باب میں یہ عمل اختیار کیا گیا تھا۔

۵۔ علامہ طاہر پٹنی بھی کہتے ہیں :۔

واستنبط منه ان المندوب ينقلب مكروها اذا خيف ان يرفع عن مرتبته۔[1]

ترجمہ۔ اس سے یہ بات مستنبط ہوتی ہے کہ مستحب بھی کبھی مکروہ کی صورت اختیار کر لیتا ہے کب؟ جب اندیشہ ہو کہ اسے اس کے مقام سے اٹھا کر رکھا جائے گا۔

۶۔ محدث کبیر ملا علی قاری بھی کہتے ہیں :۔

والبدعة ولو كانت مستحسنة لا يترتب على تركها شيء من ذلك۔[2]

ترجمہ۔ بدعت مستحسن ہو تو اس کے ترک پر کوئی مواخذہ مرتب نہ ہوگا۔

سنت اور واجب کے ترک پر مواخذہ یقیناً ہوتا ہے۔ اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ کسی مباح کو سنت اور واجب کے درجہ میں نہیں لے جایا جا سکتا اور یہ بات پہلے آچکی ہے کہ اس میں عوام کی سمجھ کا اعتبار کیا جائے گا کہ وہ اسے کسی درجہ میں لینے لگے ہیں۔ اب ساتویں شہادت علامہ شامی کی بھی لے لیجئے۔ آپ کہتے ہیں :۔

اذا تردد الحكم بين سنة وبدعة كان ترك السنة راجحا على فعل بدعة۔[3]

ترجمہ۔ جب اس میں تردد ہو کہ یہ عمل سنت ہے یا بدعت تو ترک سنت کو ارتکاب بدعت پر راجح کیا جائے گا۔

یعنی یہاں ترک سنت پر وہ مواخذہ نہ ہوگا جو بدعت کو اختیار کرنے پر ہوگا سو احتیاط اسی میں ہے کہ ایسے مواقع پر اس عمل کو چھوڑ دیا جائے جس کے بدعت ہونے کا کچھ بھی احتمال ہے۔ بدعت کا وبال اتنا بڑا بوجھ ہے کہ اس سے بچنا ہی چاہیے گو اس کے لیے کسی زیر تردد سنت کو چھوڑنا پڑے۔ اہل السنت والجماعت کا یہ مسلک علامہ شامی کے اس فتویٰ سے آپ کے سامنے آگیا ہے۔

---

[1] مجمع البحار جلد ۲ ص ۲۴۳ [2] مرقات جلد ۱ ص ۴۱ [3] رد المحتار جلد ۱ ص ۳۸۳

دورِ اوّل کے تروک بھی ان کے نہ کرنے کی سند میں

اگر یہ بات واضح ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ میں سے کسی نے یہ کام نہیں کیا تو سب ان کے اس نہ کرنے سے بھی اس کے انکار پر سند لانا جائز ہوگا شریعت میں جس طرح مسلمانوں کے لیے ہر وقت عمل سند بنائے گئے دورِ اوّل کے تروک بھی سند سمجھے جائیں گے۔ دسویں صدی کے مجدد امام ملا علی القاریؒ (۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں:۔

والمتابعة كما تكون في الفعل تكون في الترك ايضا فمن واظب على فعل لم يفعله الشارع فهو مبتدع[1]

ترجمہ: اور پیروی جس طرح کسی کام کے کرنے میں ہوتی ہے اسی طرح کسی کام کے نہ کیے جانے میں بھی پیروی ہوتی ہے سو جو شخص کسی کام کو ہمیشہ کرے اور شارع نے یہ نہ کیا ہو تو وہ بدعتی ہے۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں:

قال الامام الشاطبی الفعل منه صلی الله علیه وسلم دلیل على مطلق الاذن فيه مالم يدل دليل على غيره من قول او قرينة حال وغيرهما واما الترك فمحله في الاصل غير المأذون فيه وهو المكروه والممنوع فتركه عليه الصلوٰة والسلام دال على مرجوحية الفعل وهو اما مطلقا واما في حال[2]

ترجمہ: امام شاطبیؒ کہتے ہیں آنحضرتؐ کا کسی کام کو کرنا اس کے مطلق جائز ہونے کی دلیل ہے جب تک کہ اس کے سوا کسی دوسری بات پر آپ کے قول یا قرینہ حال یا کسی اور پیرائے سے دلیل وارد نہ ہو لیکن آپ کا کسی کام کو نہ کرنا یہ اصل میں اس کے جائز نہ ہونے کے محل میں ہے اور وہ مکروہ اور ممنوع ٹھہرے گا آپ کا اسے نہ کرنا بتلاتا ہے کہ اس

[1] مرقات جلد ۱ ص۱۳۴ [2] فتح الملہم جلد ۱ ص...

کا نہ ہونا بہتر ہے یہ مطلقاً ناجائز ہو یا کسی موقع پر جائز ہو بات وہی ہے۔

دورِ اوّل کے ترک سے منع پر استدلال

① آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رات نماز (تہجد اور وتر) پڑھتے رہتے تو پھٹے پر آپ صبح کی دو سنتوں سے سوا کچھ نہ پڑھتے تھے۔ آپ کو نفل نماز کا بہت شوق رہتا تھا لیکن اس خاص وقت میں آپ نے کوئی اور نفل نماز نہ پڑھی فقہائے احناف نے آپ کے اس نہ پڑھنے سے پڑھنے کے منع ہونے پر استدلال کیا ہے۔ ہدایہ میں ہے:۔

ویکرہ ان یتنفل بعد طلوع الفجر باکثر من رکعتی الفجر لانہ علیہ السلام لم یزد علیہما مع حرصہ علی الصلوٰۃ۔[1]

ترجمہ: فجر ہو جائے تو صرف دو سنتیں ہیں اس وقت اور نفل نماز مکروہ ہے کیونکہ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سنتوں کے سوا اور کچھ نہیں پڑھا حالانکہ آپ کو نماز پڑھنا کتنا مرغوب تھا۔

یہ فقہ کا حضور کے ایک عمل نہ کرنے سے استدلال ہے اور بات بڑی واضح ہے۔

② عیدگاہ میں نمازِ عید سے پہلے کتنا کھلا وقت ہوتا ہے اس میں نفل نماز سے اس لیے روکا گیا کہ آنحضرت نے ایسا نہیں کیا سو آپ کا اسے ترک کرنا اس کے منع ہونے پر دلیل ہو گیا۔

ولا یتنفل فی المصلی قبل صلوٰۃ العید لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یفعل ذلک مع حرصہ علی الصلوٰۃ۔[2]

ترجمہ: اور نماز عید کے بعد عیدگاہ میں نفل نہ پڑھے۔ کیونکہ آنحضرت نے کبھی ایسا نہ کیا حالانکہ آپ کو نماز پڑھنا بہت مرغوب تھا۔

کچھ لوگوں نے رجب کی ایک خاص نماز صلوٰۃ الرغائب کے نام سے وضع کی فقہاء احناف نے

---

[1] ہدایہ جلد ۱ ص ۸۵ [2] ایضاً ص ۱۵۸

ان بدعتیوں کو اسی اصول پر ان بدعتوں سے منع کیا۔ علامہ ابراہیم حلبی (۹۵۶ھ) شرح منیہ میں لکھتے ہیں۔

ان الصحابة والتابعين ومن بعدهم من الائمة المجتهدين لم ينقل عنهم هاتان الصلاتان[1]

ترجمہ: صحابہ، تابعین اور ان کے بعد جو ائمہ مجتہدین تھے ان میں سے کسی سے یہ دو نمازیں منقول نہیں ہوئیں۔

ابو محمد المقدسی سے علامہ طرطوشی نے نقل کیا:۔

لم يكن عندنا ببيت المقدس صلوة الرغائب هذه التي تصلى في رجب وشعبان واول ما احدثت في سنة ثمان واربعين واربع مائة[2]

ترجمہ: ہمارے ہاں بیت المقدس میں صلوۃ رغائب پڑھی نہ جاتی تھی جو رجب اور شعبان میں پڑھی جاتی ہے ۴۴۸ھ میں یہ سب سے پہلے پڑھی گئی۔

اب سلطان اورنگ زیب عالمگیر کے عہد کی بات بھی سن لیں فقہائے احناف نے مل کر چاروں قل پڑھنے سے اس لیے روکا ہے کہ صحابہ و تابعین سے ان کا اس طرح پڑھنا ثابت نہیں تھا۔ فتاوی عالمگیری میں اسی ترک پر ان کے منع کی بنیاد رکھی ہے۔

قراءة الكافرون الى الآخر مع الجمع مكروه لانه بدعة لم تنقل عن الصحابة ولا عن التابعين رضي الله عنهم[3]

ترجمہ: سورۃ کافرون کو آخر تک تین قل سے ملا کر اکٹھے چار قل پڑھنا جائز نہیں یہ بدعت ہے صحابہ و تابعین میں سے کسی سے اس طرح پڑھنا ثابت نہیں۔

اس قسم کی اور بھی بہت سی مثالیں فقہ حنفی میں ملیں گی جن پر عمل کو پچھلے دور کے لوگوں کو نہیں پایا گیا ہے مگر اسے اباحت عامہ کے تحت مباح نہ سمجھا گیا۔ اہل بدعت کے اس خانہ ساز اصول میں کہ جس چیز پر منع وارد نہیں اسے نیکی سمجھ کر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے ہرگز کوئی جان نہیں ہے۔ یہ ترک کا اصول

---

[1] غنیۃ المستملی ص ۴۳۴ ... [3] عالمگیری جلد ۵ ص ۳۱۶

جبکہ اشیاء میں ہر جگہ اباحت رکھی جائے جب تک کہ اس کے لیے منع کا ثبوت نہ ہو۔

دین خُدا سے ملتا ہے یا اباحت سے بنتا ہے؟

دین خدا سے ملتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اپنے پیغمبروں پر اُتار دیتے ہیں۔ وہ جو آگے بات کہتے ہیں سب خدا کی طرف سے سمجھی جاتی ہے شریعت اباحت عام سے نہیں ملتی کہ جس چیز کے لیے منع کا ثبوت نہ ہو اسے دین میں داخل کر لیے جائیں اور لوگ اسے کارِ خیر سمجھ کر عمل میں لاتے رہیں۔ ایسا ہرگز نہیں یہ تو مشرکین کا عمل تھا اباحت پرستوں نے اپنے معبودوں کو یونہی خدا کے ساتھ شریک کر لیا ہے۔

ام لھم شرکاء شرعوا لھم من الدین مالم یأذن بہ اللہ۔ (پ۲۵ الشوریٰ ۲۱)

ترجمہ: کیا ان کے کچھ اور شریک (خداوندی) ہیں جنہیں انہوں نے اپنے لیے دین ٹھہرا لیا ہے جس کی خدا نے تو انہیں اس کی اجازت نہیں دی۔

معلوم ہوا دین وہی ہے جو خدا سے آیا ہو جو چیز اس طرح Reported affair نہیں وہ اس بنا پر دین نہیں بن سکتی کہ اس کی کہیں ممانعت تو نہیں ہے کیا ان بدعات کو ان شرکاء نے دین ٹھہرا رکھا ہے۔ اگر خدا کی طرف سے یہ فیصلہ نہ ہوتا کہ ان پر اصل عذاب موت کے بعد ہوگا کہ ان خدا کے حکم کے بغیر شریعت بنا لے والوں پر اسی بات سے عذاب اتر آتا ہے کہ کس طرح اپنی خواہشات سے یہ نیا دین بنا رہے ہیں۔

حافظ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) لکھتے ہیں۔

ان الاصل فی العبادات التوقیف فلا یشرع منہا الا ما شرعہ اللہ والا دخلنا فی معنی قولہ تعالیٰ ام لھم شرکاء شرعوا لھم من الدین مالم یأذن بہ اللہ[1]

(پ۲۵ الشوریٰ ۲۱)

ترجمہ: عبادات میں اصل اس کا شریعت میں ثابت ہونا ہے سو ان میں کوئی چیز جائز

---

[1] فتاویٰ ابن تیمیہ جلد صـ

نہیں۔ مگر دیکھیے جسے اللہ تعالیٰ نے جائز ٹھہرایا ہو ایسا نہ کریں تو ہم اللہ تعالیٰ کے اس حکم میں دخل دینے والے ہوں گے۔ کیا انہوں نے اللہ کے شریک ٹھہرائے ہیں کہ راہ ڈالی انہوں نے ان کے لیے دین کی وہ جس کا خدا نے اذن نہیں دیا۔

ہر ایک کے لیے شریعت اور نیکی کی راہ خدا کی طرف سے قائم ہوئی ہے یہ کسی کے اپنے قاعدہ اباحت سے نہیں۔ قرآن کریم میں ہے:۔

لکلٍّ جعلنا منکم شرعة ومنهاجا (پ ۶، المائدہ ۴۸)

ترجمہ: تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے ایک طریقہ اور ایک منہاج قائم کیا ہے۔

افسوس کہ بریلوی پھر یہیں تک محدود نہ رہے ان کے ہاں آگے جا کر یہ اعمال صرف جائز کی حد میں مباح نہ رہے مستحب قرار دیئے گئے اور کارِ ثواب بن گئے۔

بدعات کا اسلام میں کیا حکم ہے؟

اسلام میں بدعت کی کچھ گنجائش نہیں ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی آگ میں لے جانے والی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے عمل مردود فرمایا ہے۔ اب آپ ہی سوچیں کیا اس عمل مردود کے علمبردار کل آخرت میں مردود نہ ٹھہریں گے؟ آنحضرتؐ نے فرمایا:

من احدث فی امرنا هذا ما لیس منه فهو رد۔[1]

جس شخص نے بھی ہمارے اس دین میں نئی بات پیدا کی وہ بات مردود ہے۔

معلوم ہوا جو نئی بات دین میں پیدا نہیں کی گئی جیسے بجلی کے پنکھے، دو گھڑیاں وغیرہ یہ چیزیں ہرگز مردود نہیں ہیں کیونکہ یہ دین میں پیدا کی گئی چیزیں نہیں ہیں یا دنیوی ضرورت کی ایجادات ہیں اور یہ ہر دور میں ہوتی رہتی ہیں۔ یہ تمدن کا ارتقاء ہے مسائل دین کوئی اضافہ نہیں۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۳۷۱ مسلم جلد ۲ صفحہ ۷۷

کیا بدعت گناہ ہے ؟ ہرگز نہیں

گناہ عمل کو کہتے ہیں بدعت صرف ایک عمل نہیں ، یہ ایک اعتقاد کا کام کرتا ہے بدعتی وہ کام کرتے ہوئے اسے دین سمجھتا ہے اسے ایک وقتی لذت نہیں سمجھتا بخلاف گنہگار کے کہ وہ گناہ کرتے ہوئے اسے محض ایک وقتی لذت سمجھتا ہے سو اس اعتبار سے بدعت کوئی گناہ نہیں اس کا درجہ گناہ سے کچھ اوپر اور کفر سے کچھ نیچے ہے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ (۷۲۵ھ) چشتی سلسلہ کے ایک بڑے بزرگ گزرے ہیں ، آپ فرماتے ہیں :۔

بدعت از معصیت بالاتر است و کفر از بدعت بالاتر ، بدعت بکفر نزدیک است [1]

ترجمہ ۔ بدعت گناہ سے زیادہ بڑی چیز ہے اور کفر بدعت سے بھی اگلے درجے میں ہے بدعت کفر کے بہت قریب ہے ۔

البتہ اثر کے لحاظ سے یہ کفر سے بھی زیادہ خطرناک منزل ہے ۔ حضرت امام ربانی لکھتے ہیں :۔

ضرر فساد مبتدع زیادہ از فساد صحبت کافر است [2]

ترجمہ ۔ بدعتی کے مجلس کا ضرر کافر کی صحبت کے شر سے زیادہ بڑا ہے ۔

بدعتی حضورؐ کی شفاعت سے محروم رہے گا

روی انہ علیہ السلام قال حلت شفاعتی لامتی الا صاحب بدعۃ [3]

ترجمہ ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے میری شفاعت میری امت کے لیے ہو گی مگر بدعتی میری شفاعت کا مورد نہ ہو سکے گا ۔

شفاعت کی روایات میں آپ کے امتیوں کو اس کا حقدار بتایا گیا ہے اور بدعتی بوجہ اپنی بدعات کے امت اجابت میں نہیں رہتا ۔ کما فی المرقاۃ ۔

---

[1] فوائد الفواد صـ ۱۱ [2] مکتوبات دفتر اول مکتوب ۵۴ [3] الاعتصام جلد ۱ صـ ۹۹

بدعتی کیا حضورؐ کی اُمت میں داخل رہتا ہے یا وہ اُمت سے نکل چکا

یہ صحیح ہے کہ بدعت فی الاعمال کا مرتکب اہل قبلہ سے نہیں نکلتا اور اس پر حکم کفر نہیں آتا لیکن یہ حقیقت ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت اجابت سے نکل جاتا ہے۔ امت اجابت میں وہی رہتا ہے جو حضورؐ کی متابعت میں رہے۔ بدعت پر چلنے والا حضورؐ کا تابع اور غلام کیسے رہا۔ بدعت سنت کے حکم میں نہیں آتی اور بدعتی اہل سنت میں سے نہیں رہتا۔ دسویں صدی کے محدث کبیر ملا علی القاریؒ (۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں۔

ففی التنقیح المبتدع لیس من الامۃ علی الاطلاق قال فی التوضیح المراد بالامۃ المطلقۃ اہل السنۃ والجماعۃ وہم الذین طریقتہم کطریقۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ رضی اللہ عنہم دون اہل البدع قال صاحب التلویح لان المبتدع وان کان من اہل القبلۃ فہو من امۃ الدعوۃ دون المتابعۃ کالکفار[1]

ترجمہ: تنقیح میں ہے کہ مبتدع علی الاطلاق حضورؐ کی امت میں سے نہیں۔ توضیح میں ہے کہ امت سے علی الاطلاق مراد اہل السنۃ والجماعۃ ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جن کا طریقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے مطابق ہے اور یہ دائرہ اہل بدعت کو نہیں۔ صاحب تلویح کہتے ہیں مبتدع اگرچہ اہل قبلہ میں سے ہے وہ امت دعوت میں سے ہے امت اجابت میں نہیں امت دعوت میں تو کافر بھی آجاتے ہیں۔

بدعت اور بدعتی میں فرق

گناہ اور گناہگار میں فرق ہے مرض اور مریض میں فرق ہے۔ مرض سے نفرت چاہیے مریض

[1] مرقات جلد ۱ صفحہ ۲۱۶

سے نہیں ورنہ اس کا علاج کیسے ہو سکے گا۔ بدعت اور بدعتی میں کوئی فرق نہیں جتنی نفرت بدعت سے کرو اتنی نفرت بدعتی سے بھی چاہیئے سرکار بغداد حضرت پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ (م) بدعتی کو اس درجہ بُرا سمجھتے تھے کہ اس کے بارے میں دس نصیحتیں فرمائیں۔۔

① اس سے علیک سلیک نہ رکھو۔ ⑥ اس کے جنازے میں شرکت نہ کرو۔
② اس کو از خود سلام نہ کرو۔ ⑦ اس سے ناراضگی رکھو۔
③ اس کے پاس نہ بیٹھو۔ ⑧ اس کو پناہ نہ دو
④ اس کے پاس نہ جاؤ۔ ⑨ شفقت کا کلمہ اس کے حق میں کہو۔
⑤ عید پر اسے مبارک باد نہ کہو۔ ⑩ اُسے رستہ میں دیکھو تو وہ راہ چھوڑ دو۔

یہ حاصل ہے آپ کی ان نصیحتوں کا جو آپ نے غنیۃ الطالبین ص۱۸۰ اور ص۲۰۹ پر لکھی ہیں اس کے مریض کی عیادت نہ کی جائے مر جائے تو اس کے جنازے میں شرکت نہ کی جائے۔[1]

بدعتی کو توبہ نصیب نہیں ہوتی

گنہگار کو گناہ سے توبہ کی توفیق مل جاتی ہے مگر بدعتی کو بہت کم توبہ نصیب ہوتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ گنہگار اسے گناہ سمجھ کر عمل میں لاتا رہا گناہ کی ایک لذت تھی جس کی وجہ سے وہ اس کے پیچھے پڑا ہوا تھا لیکن ذہن میں وہ اسے بُرا سمجھتا تھا۔ اس کے برعکس بدعتی بدعت کو کار خیر سمجھ کر عمل میں لا رہا ہے اس سے توبہ کا تصور بھی کبھی اس کے قریب نہیں پھٹکتا یہ وہ پہلو ہے جس سے بدعتی کو بہت کم توبہ نصیب ہوتی ہے۔

ان اللّٰہ حجز التوبۃ علی کل صاحب بدعۃ۔[1]

ترجمہ۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر صاحب بدعت کو توبہ سے روک رکھا ہے۔
(اسے یہ توفیق نہ ہوگی)

---

[1] الاعتصام جلد ۱ ص۱۴۴

بدعت کے سمجھنے کے پانچ مبادی

بدعت کی تعریف سے پہلے یہ پانچ امور ذہن میں رہیں تاکہ صحیح بات تک پہنچنے میں ہم خلافِ الفکر اور غلط بحث سے بچ سکیں۔

① بدعت کی یہ بحث تحاطب شرعی میں ہے یہ لفظ اگر کہیں تخاطب لغوی میں استعمال ہوا ہو یا تخاطب عرفی میں تو اس سے ہمیں بحث کرنا نہ ہوگا۔

② بدعت کا لفظ سنت کے بالمقابل ہے والاشیاء تعرف بضدادھا۔ یہ سنت کے بالمقابل ہے اور سنت سے مراد حضرت خاتم النبیین اور خلفائے راشدینؓ کی سنت ہے۔

③ بدعت کا موضوع تعبدی امور ہیں یعنی وہ کام جو نیکی سمجھ کر کئے جاتے ہیں دنیوی ایجادات اس کا موضوع نہیں۔ جو انسان اپنی سہولت کے لیے بناتا اور استعمال کرتا ہے۔

④ بدعت کی حد صحابہؓ کے بعد سے شروع ہوتی ہے ان کے جتنے عمل ہمارے لیے آفتاب رسالت کی ہی روشنی میں ہیں ہر وہ کام جسے صحابہ کرامؓ نے نیکی نہیں سمجھا وہ نیکی نہیں ہو سکتا۔

⑤ بدعت کا تعلق مسائل سے ہے ذرائع سے نہیں۔ مسائل کے لیے نئے ذرائع حاصل ہو سکتے ہیں۔ قرآن کریم صحیح پڑھنا دین کا مسئلہ ہے عجمی لوگ قرآن کریم صحیح پڑھ سکیں ان کے لیے قرآن کے الفاظ پر زیر زبر پیش لگانا مسائل میں سے نہیں ذرائع میں سے ہے۔ مدارس کا موجودہ نظام کلاسوں کی ترتیب یہ سب دینی تعلیم کے ذرائع میں سے ہیں خود مسائل نہیں۔

ان پانچ مباحث سے نکھر کر جو چیز بدعت ٹھہرے گی وہ بدعت شرعیہ ہے جس سے بچنا ضروری ہے۔ یہ واقعی دین میں ایک اضافہ ہے۔ اور مسلمانوں کے ذمہ ہے ہر ایسے عمل کو مردود ٹھہرائیں اور یہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے:

من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد۔ (وکذا قال صلی اللہ علیہ وسلم)

ما لیس منہ —— جو اس میں سے نہیں —— دین میں سے نہیں —— کے الفاظ توجہ طلب

فقہی مذاہب بدعات کے ذیل میں نہیں آتے

فقہ کتاب و سنت کے اصول پر استنباط کیے گئے مسائل کا نام ہے سو ان کی اصل کتاب و سنت ہی ہے۔ اس وجہ سے ان پر بدعت کا اطلاق نہیں ہو سکتا مجتہدین اپنے اپنے اجتہاد کے باعث آپس میں مختلف بھی ہیں اور ان کے فقہی مسائل مختلف ٹھہریں تو بھی ان میں سے ہر فیصلے پر عمل ہو سکے گا۔ اجتہاد سے صحیح نتیجہ پانے والے کو اللہ کے ہاں دو اجر ملیں گے اور جو صحیح نتیجہ پر نہ پہنچ سکا اس کو بھی ایک اجر ضرور ملے گا۔ اجتہاد کے ان دو طرح فیصلوں میں حق و باطل کا تقابل نہیں یہ صرف صواب اور خطا کا فاصلہ ہے۔ سو صحیح فیصلے پر نہ پہنچنے والا بھی بوجہ اجتہاد کتاب و سنت سے چلتا ہوا ہی تسلیم کیا جائے گا صحابہؓ کے آپس میں اسی درجے کے اختلافات تھے۔ ائمہ اربعہ نے اپنے اختلافات صحابہؓ و تابعینؒ سے وراثۃً پائے ہیں انہوں نے یہ اختلافات بنائے نہیں۔ سو مذاہب کو زیر بحث لانے سے پہلے صحابہؓ کے فروعی اختلافات کو ضرور سمجھ لینا چاہیے۔ اس سے مذاہب کا بوجھ ذہن میں کم ہو جاتا ہے اور واضح ہو جاتا ہے کہ اختلافات مذاہب بدعات کے ذیل میں نہیں آتے۔

جو چیز بدعت نہ ہو وہ بدعت کیسے بنتی ہے

① شریعت نے کسی عمل کو کسی دوسرے عمل سے خاص کیا ہو جیسے اذان کو نماز سے یا تو مرد کے کان سے — اب اگر کوئی شخص اسے ان متعلقات شرعیہ سے نکال کر اسے عام عبادات کے درجے میں لاتا ہے یا اس میں کوئی اضافہ کرتا ہے تو اب یہ عمل سنت نہ رہے گا بدعت ہو جائے گا۔

② اسلام کی کسی نیکی کو ایسے وقت سے خاص کر دینا جس کے لیے شریعت میں کوئی اصل وارد نہ ہو اور یہ اس عمل کو اس وقت سے خاص کرنے والا مجتہد بھی نہیں کہ اس نے کسی قدر کی علت کو پا لیا ہو بلکہ مطلق مقلد ہے تو اس کا یہ عمل استنباط نہیں ایجاد سمجھا جائے گا کیونکہ استنباط کرنا مجتہد کا کام تھا اس کے لیے صرف تقلید ہے۔ افسوس کہ بدعتی علماء یونہی مجتہد کا روپ دھار لیتے ہیں۔

③ نیک اعمال ریاکارانہ طور پر پھیلانا

ان اعمال کا صحیح حکم تو یہ ہے کہ یہ حرام ہیں قرآن شریف پڑھنا درود شریف پڑھنا نوافل پڑھنا اور ذکر و اذکار اگر محض دکھاوے کے لیے ہوں تو یہ عمل حرام ہیں۔ لیکن ان دکھاوے کی مجلسوں اور تداعی محفلوں کو اگر ساتھ دین بھی سمجھا جانے لگے تو یہ اعمال ساتھ بدعات بھی بن جائیں گے علماء نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر میلاد اور آپ کے فضل و نسب کے بیان کو مستحب لکھا ہے۔ لیکن اسے بھی اگر آپ کے یوم پیدائش سے خاص کیا جائے اور اسے بیان و عمل کی بجائے پر اہتمام کر کے منایا جائے تو اب یہ مستحب نہ رہے گا۔ (دیکھئے فتاویٰ رشیدیہ جلد ۱ ص ۔۔ براہین قاطعہ ص)

④ دین کے تقاضوں کو نئے حالات میں نئی شکل دینا

حالات مسائل پیدا کرتے ہیں مگر جواب پہلی شریعت سے ہی لینا ہوتا ہے حضورؐ سے محبت شریعت کا ایک بنیادی تقاضا ہے۔ کوئی شخص اس وقت تک کامل الایمان نہیں ہو سکتا جب تک آپ کی محبت اس کے دل میں سب سے زیادہ نہ ہو لیکن اس اظہار محبت کے لیے اگر وہ ایسی باتیں بنا لے جو صحابہؓ کے دور میں نہ تھیں مثلاً جیسے محفل میں مٹھائی رکھ کر کہنا کہ اب حضورؐ یہاں آ گئے ہیں اور پھر اچانک آپ کی تعظیم کے لیے اٹھ کھڑے ہونا اور پھر پوری مجلس میں شور ہو جانا کہ حضورؐ تشریف لے آئے ہیں تو اس کی اظہار محبت کی یہ ادائیں اس نئی شکل میں ہرگز دین نہ بن سکیں گی بدعات سمجھی جائیں گی۔

⑤ اپنے پیروں کے مشرب کو فقہ کے درجہ میں لینا

پیران کرام اپنے مریدوں کے روحانی امراض کو دور کرنے کے لیے ان کے حسب حال کوئی عمل یا وظیفہ لازم ٹھہراتے ہیں یہ لازم کرنا بطور علاج ہوتا ہے اس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہوتی —— ان کے اس مشرب کو مذہب سمجھ لینا اور انہیں اس ترتیب اور تعین سے دین سمجھنا یہ اپنے پیروں کے عمل کو تشریعی حیثیت دینا ہے۔ جب لوگ اپنے پیروں کے عمل کو امام ابو حنیفہؒ کے فیصلوں کے درجے پر لینے لگیں تو یہ بدعت کی صورت ہو جائے گی۔

حضورؐ کے وقت کی قائم شدہ سنتوں میں اگر کسی اضافے کی گنجائش ہے تو وہ صرف عمل راشدین ہے اور وہ بھی از خود نہیں حضورؐ فرما گئے ہیں کہ ان کی سنت کے لیے ثبوت اور سند بنایا ہے اور حضورؐ کا کہنا خود اسلام ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ کوئی اضافہ نہیں۔ ایک خلیفہ عادل ہے جو عمل میں سنت قائمہ کا قسیم ہے مگر اس کی اصل حجیت محکم اور سنت قائمہ میں اس کو کیوں نہ ہر عمل میں وہ ان کے برابر کا مانتا ہے

ان تفصیلات سے آپ کے سامنے بدعت شرعیہ کی حقیقت کچھ واضح ہو گئی ہوگی لیکن مناسب ہوگا اگر ہم اس موضوع کو ان تین مختلف عنوانوں سے بھی سمجھنے کی کوشش کریں۔

① - نعمت البدعۃ ② -- بدعت حسنہ ③ -- بدعت شرعیہ

ان حوالوں سے بدعت شرعی کی حقیقت اور کھل کر آپ کے سامنے آجائے گی وھو المستعان وعلیہ التکلان۔

① نعمت البدعۃ کا مفہوم

کسی چھوٹی سنتوں کو دوبارہ لانا یا زندہ کرنا یہ حقیقت میں کوئی اضافہ نہیں بات وہی ہے جو پہلے بھی موجود تھی اسے پھر سے لانا کوئی نئی چیز نہیں یہ صرف صورۃً نئی بات ہے۔

مثال: حضورؐ نے تراویح کی نماز مسجد میں جماعت کے ساتھ پڑھی۔ پھر کسی مصلحت کے لیے چھوڑ دی۔ صحابہ کرامؓ اپنے طور پر مسجد میں چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں تراویح پڑھتے رہے۔ حضرت عمرؓ نے اس بکھری ہوئی سنت کو سب کو ایک جماعت سے تراویح پڑھنا پھر سے قائم کر دیا۔ یہ کسی طرح بدعت نہیں۔ البتہ وقت کے لحاظ سے یہ ایک نئی بات ہے جو پہلے سے ہے۔ اسے نعمت البدعۃ کہہ سکتے ہیں تاہم شرعی حیثیت سے اسے سنت کہا جائے گا بدعت نہیں۔

نعمت البدعۃ کسی چھوٹی ہوئی سنت کو دوبارہ قائم کرنے کا نام ہے پھر اس میں بھی حضرت عمرؓ کی

واحتیاط ملاحظہ ہو کہ اس پر بھی صحابہؓ سے مشورہ کیا اور جب تک سب نے بر سے اتفاق نہیں کیا آپ نے اس مٹی ہوئی سنت کو پھر سے قائم نہیں کیا جب سب نے اتفاق کر لیا تو اب اسے اجماع صحابہؓ کا درجہ بھی حاصل ہو گیا جو اپنی جگہ خود حجت ہے۔

الغرض جو چیز سرے سے موجود ہی نہ ہو نہ کسی نے پہلوں میں سے اسے کیا ہو اسے وجود میں لانا فی الحقیقت ایک اضافہ ہے اور اس کامل دین میں اب کسی اضافے کی ہرگز گنجائش نہیں ہے۔

② بدعت حسنہ کا مفہوم

بدعت حسنہ بدعت سیئہ کا مقابل تصور ہے۔ اگر کسی جگہ کوئی بدعت سیئہ قائم ہو تو اسے ہٹا کر اس کی جگہ کسی اور بدعت کو لے آنا بدعت حسنہ ہے یہ اپنی ذات میں تو بدعت ہے جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں لیکن اپنی مصلحت کے لحاظ سے یہ حسنہ ہے کیونکہ اس نے ایک برائی کو ختم کیا ہے یا کرتا ہے۔

مثال: مصر میں فاطمی حکومت نے اذان میں اپنے لیے سلام کا اضافہ کر رکھا تھا مؤذن زور سے کہتا السلام علی الملک الظاہر لوگ اس سے مانوس ہو چکے تھے سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے جب ان پر فتح پائی تو اس نے اسے بدل کر السلام علی رسول اللہ کر دیا تاکہ اس جملے کے خلاف کوئی پھر نے جملے کو پھر سے لانے کا خواب بھی نہ دیکھ سکے سلطان نے نہ چاہا کہ اس بدعت کو یکسر ختم کر کے وہ وہاں کوئی شورش برپا کرے۔ آنحضرت پر سلام اپنی ذات میں کوئی بری بات نہ تھی اسے اذان میں لے آنا صرف ایک وقتی مصلحت کے لیے تھا ایک بدعت سیئہ کے خاتمہ کے لیے تھا اور جب وہ دور بیت جاتا تو پھر اذان کو اس سلام بدعت سے خالی کر لیا گیا اور سب وہی اذان رہ گئی جو حضرت بلالؓ دیتے تھے بدعت حسنہ میں حسن اپنی ذات سے نہیں محض اس کے تقابل کی وجہ سے ہے ورنہ بدعت کیا اور حسن کیا

بزرگانِ دین کا بدعتِ حسنہ سے اجتناب

(۱) بزرگانِ دین بدعتِ حسنہ سے بھی اسی طرح بچتے تھے جس طرح بدعتِ شرعی سے۔ یہ تو صرف جہال کی رعایت کے لیے کچھ دیر چھوڑ دی جاتی ہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے سامنے کچھ لوگ بڑے اہتمام سے مسجد میں نماز چاشت پڑھ رہے تھے آپ نے فرمایا یہ بدعت ہے۔ مولانا احمد رضا خاں کے پیشرو مولانا عبدالسمیع رامپوری لکھتے ہیں:۔

مجیب کی اس سے مراد بدعتِ حسنہ تھی[1]

اب دیکھئے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کیا خود اس بدعتِ حسنہ میں شامل ہو سکے؟ حضرت مجاہدؒ (۱۰۴ھ) فرماتے ہیں آپ ایک طرف حضرت ام المومنینؓ کے حجرے کے پاس بیٹھے رہے اور نماز چاشت پڑھنے والے اپنی نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ کا خود اس کارِ خیر میں شامل نہ ہونا بتاتا ہے کہ وہ بچے رہے کیونکہ بدعتِ حسنہ سے بھی ہمیشہ کنارہ کش رہے ہیں۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں جب تک تم بدعتِ حسنہ سے بھی اسی طرح نہ بچے جیسے بدعتِ سیئہ سے بچا جاتا ہے، انسان کو روحِ سنیت کی خوشبو تک نصیب نہ ہوگی۔ پھر یہی ایک روایت نہیں جس میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کسی عمل کو برملا بدعت کہا ہو۔ آپ نے ایک دفعہ اذان کے بعد کسی کو لوگوں کو نماز کے لیے بلاتے سنا۔ آپ نے اس تثویب کو کھلے طور پر بدعت فرمایا۔ آپ نے حضرت مجاہدؒ سے کہا مجھے یہاں سے لے چل یہاں تو بدعت چل رہی ہے۔ آپ نے یوں فرمایا:۔

اخرج بنا فان ھذہ بدعۃ[2]

ترجمہ: ہمیں یہاں سے لے چل کیونکہ یہ عمل بدعت ہے۔

اب کیا یہاں بھی بدعت سے بدعتِ حسنہ مراد ہوگی۔ ایسا ہی ہو تو کیا آپ اس بدعتِ حسنہ کے

---

[1] دیکھئے انوار ساطعہ صفحہ ۱۷۳ [2] سنن ابی داؤد جلد ۱ صفحہ ۷۹

قبول کرنے والے تھے یا اس سے نفرت کر کے دین سے نکل جانے والے ٹھہرے — اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ جب آپ کسی چیز کو بدعت کہیں تو آپ کے نزدیک وہ بدعت قابل اجتناب ہوتی ہے مولانا صاحب بسیوں سے بدعت حسنہ ٹھہراتے رہیں تو یہ ان کے من کی بات ہے۔ اہل علم تو اسے ہرگز قبول نہ کریں گے۔ ہاں کوئی بات اگر تعلیماً ہو تو یاد رہے کہ وہ حسنہ ہے بدعت ہی نہیں۔

(۴) حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ بھی بدعت حسنہ سے اجتناب کی تلقین فرماتے ہیں آپ کہتے ہیں فقیر کسی بدعت میں حسن نہیں دیکھتا۔ نہ اس میں کسی قسم کی نورانیت محسوس کرتا ہے۔ نور صرف سنت میں ہے اور بدعت میں اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ اگر کوئی کام سنت سمجھ کر کیا جائے اور وہ سنت کے پیمانے میں نہ ڈھلا ہو اور کام کرنے والا اسے ثواب کا کام سمجھ کر کر رہا ہے تو وہ یقیناً بدعت ہے۔

(۳) بدعت شرعیہ

یہ وہ کام ہے جسے شریعت نے بدعت ٹھہرایا ہے۔ بدعت کے بارے میں احادیث کی وارد تمام وعیدیں سب اسی بدعت پر وارد ہوئی ہیں اس کی تعریف یہ ہے:۔

وہ کام جو کتاب و سنت میں نہ ہو اور نہ اسے کبھی صحابہؓ نے کیا ہو اسے دین کا کام سمجھ کر کرنا اور کار ثواب سمجھنا یہ بدعت شرعیہ ہے۔

(۱) —— دنیوی کام اور نئی نئی دنیوی ایجادات سب اس سے نکل گئے انہیں کوئی دین سمجھ کر نہیں کرتا۔

(۲) —— مسجدوں میں گھڑی اور پنکھے لگانا ایک ضرورت ہے دین نہیں۔ یہ ذرائع ہیں مسائل نہیں۔

(۳) —— مدارس میں نصاب کی تقسیم کلاسوں کی ترتیب، درسہ حدیث اور امتحانات یہ سب امور ذرائع میں سے ہیں خود دین نہیں۔

(۴) —— وقت کے تدریجی اور دینی تقاضوں کے لیے مجالس و اجتماعات بھی ذرائع میں سے ہیں خود دین نہیں دین کی رو سے جو چودہ سو سال پہلے سے مکمل ہو چکا ہے اس میں کبھی کوئی اضافہ نہ ہو سکے گا۔

ہے۔ دنیوی امور میں ہماری مرضی اور اختیار چل سکتے ہیں لیکن تعبدی امور میں توقیف شرط ہے۔ دنیوی
امور میں نظر مصلحت پر ہوتی ہے۔ تعبدی امور میں نظر ثواب پر ہوتی ہے۔ دنیوی امور جائز اور ناجائز میں
بٹتے ہیں تعبدی امور طاعات اور بدعات دو قسم کے ہو سکتے ہیں طاعات کے عمل میں لانے والے
اہل سنت کہلائیں گے اور بدعات پر عمل کرنے والے اہل بدعت شمار ہوں گے۔

مولانا احمد رضا خاں کا دین و مذہب

مولانا احمد رضا خاں نے جب یہ سوچ کر اپنے جیسوں کو دیکھا کہ شریعت کا اتباع حتی الامکان کیا
گیا ہے۔ دین و مذہب کو ہر فرض سے بڑا فرض جانیں۔ مولانا احمد رضا خاں کا وہ خاص دین و مذہب کیا تھا
جس کی وہ آخر دم تک اس اہتمام سے وصیت کرتے رہے؟ وہ یہ کہ جن کاموں پر شریعت میں منع وارد
نہیں (نہ ان کا حکم ہے اور نہ ان سے منع کیا گیا ہے) وہ سب کام نیکی کہہ کر کئے جائز ہیں۔ مولانا احمد رضا
خاں لکھتے ہیں:-

۱۔ مجلس میلاد ۲۔ قیام ۳۔ فاتحہ ۴۔ وغیرہ سب مسائل اسی اصل سے طے ہو جاتے ہیں۔[1]

خان صاحب نے یہاں کھلے طور پر تصریح فرما دی ہے کہ جن مسائل میں ان کے پاس صحابہ کرامؓ اور
ائمہ مجتہدین کا کچھ منقول نہیں ہے۔ نہ حدیث و فقہ میں ان کی کوئی روایت نہ پائی گئی۔ اب ان مسائل کے لیے ہم
بریلویوں کے پاس صرف یہی ایک راہ ہے کہ وہاں سے کہیں منع نہیں کیا گیا۔ اب انہیں دین سمجھ کر ان پر عمل کرنا
جائز ہے۔ اس اصل سے استخراج کرتے ہوئے مفتی احمد یار خاں گجراتی لکھتے ہیں:-

بلکہ میلاد شریف وغیرہ کا ثبوت نہ ہونا (اس کے) جائز ہونے کی علامت ہے۔[2]

پھر آگے جا کر یہ صرف جائز کی حد تک نہیں کار ثواب بھی بن گیا۔ حالانکہ کسی عمل پر مستحب یا کار خیر
ہونے کا حکم صرف شریعت لگا سکتی ہے۔ ہم اپنی طرف سے کسی کام کو شریعت کا کام نہیں بنا سکتے مگر دیکھیے
مفتی صاحب اس میں کتنے بہکے ہیں اور کیسے صریح الفاظ میں اس کا کار ثواب ہونا ثابت کرتے ہیں۔

(میلاد شریف) اس لیے (جائز) کہ شریعت نے اس کو منع نہ کیا اور ہر ملک کے عام

---

[1] انوار الانتباہ ص [illegible] [2] جاء الحق ص [illegible] [3] رد المحتار جلد [illegible]

ثواب نہ ہو گا ہرگز نہیں ـــــ صحابہ بدعت کے کاموں کو نیکیاں سمجھ کر اور کارِ ثواب سمجھ کر عمل میں لاتے میں اس امید سے کہ آخرت میں انہیں ان کا اجر ملے گا ـــ سو یہ مسئلہ اباحت کا موضوع نہیں رہتا استحباب اور سنیت کا موضوع بن جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ کسی چیز کا مستحب یا سنت ہونا شرع سے پہچانا جاتا ہے نہ کہ اس اصل سے کہ اس پر کوئی منع تو وارد نہیں ہوئی ـــ یاد رکھیے اس اصل کا کوئی تعلق طاعات اور عبادات سے نہیں ہے

اصل ہر چیز میں اباحت ہے اس کی مراد اور منشاء

اللہ تعالیٰ نے یہ سب چیزیں پیدا کیں اور ان میں جو دنیوی منافع رکھے ان سب میں اصل حِل اور اباحت ہے اور ان میں حرام وہی چیزیں ہیں جنہیں شارع علیہ السلام نے حرام قرار دیا ہو ـــ ورنہ خدا کی تمام زمین اور آسمان سے ملی تمام نعمتیں بنو آدم کے لیے اصلاً حلال ہیں۔ اس موقف کے قائلین اپنے اس موقف پر قرآن کریم کی ان آیات سے استدلال کرتے ہیں۔

① ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعاً۔ (پ۱ البقرہ ع۳)

ترجمہ: وہ ہے جس نے پیدا کیا تمہارے لیے جو کچھ ہے زمین میں۔

② وسخر لکم ما فی السموات وما فی الارض جمیعاً منہ۔ (پ۲۵ الجاثیہ ع۲)

ترجمہ: اور اللہ نے تمہارے کام لگا دیا جو کچھ بھی ہے آسمانوں میں اور جو ہے زمین میں سب اسی کی طرف سے ہے

③ الم تروا ان اللہ سخر لکم ما فی السموات وما فی الارض واسبغ علیکم نعمہ ظاہرۃ وباطنۃ۔ (پ۲۱ لقمان ع۳)

ترجمہ: اور اللہ نے تمہارے کام لگایا جو کچھ بھی ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور پوری کر دیں تم پر نعمتیں کھلی اور چھپی۔

ان آیات کا حاصل یہ ہے کہ یہاں کی تمام چیزیں اور نعمتیں اسی طرح انسان کے لیے بنائی گئی

یہ بھی کوئی بات ہے کہ جو چیز معلوم نہ ہو اسے از خود وضع کر لو، اور پھر اسے کار خیر کا درجہ بھی دے دو۔ ہاں ضرورت ہے کہ شریعت نے اس سے منع تو نہیں کیا ـــ کیا کسی مذہب میں مسائل اس طرح بھی حل ہوئے ہیں؟ بریلویوں نے دین کو کیا بازیچۂ اطفال بنا رکھا ہے کہ ان سے جب بھی ان کے کسی دینی عمل کی سند پوچھو تو یہ اشارہ پوچھتے ہیں: بتاؤ اس سے کہیں منع کیا گیا ہے؟

بدعت عشق زمیرت کہ ایمان چہ بود ابلیسیت

فہم حدیث سے یہ لوگ ویسے ہی عاری ہوتے ہیں۔ سوال رہا سب کی بحث کو سمجھنا۔ ان کے بس کا روگ نہیں۔ اور متکلم کی نیت معلوم کرنا چاہیں۔ یہ وہ لوگ نہیں۔ عجیب قوم سے پالا پڑا ہے۔

ایک دفعہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے سامنے کسی شخص کو چھینک آئی۔ اس نے الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ کہا۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے فرمایا میرا عقیدہ بھی یہی ہے کہ سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام ہو۔ اور سلام بھیجنا درود کے منع نہیں۔ لیکن اس موقع پر حضورؐ نے ہمیں ایسا کہنا نہیں سکھایا۔ ہمیں یہی بتایا ہے کہ ہم اس موقع پر الحمد للہ علی کل حال ہی کہا کریں۔[1]

آپ کے اس منع کرنے کی علت یہ تھی کہ ایسے مسائل میں جو کچھ ماثور ہے اس پر عمل کرنا چاہیے اپنی طرف سے اس میں کچھ گھٹانا یا بڑھانا نہ چاہیے۔ یہ نہیں کہ حضورؐ کے اس موقع پر اپنا ذکر کرنے سے منع کیا ہوا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی روک پر غور فرمائیں۔ وہ کہہ رہے ہیں کہ اس موقع پر والسلام علی رسول اللہ کہنا حضورؐ کی تعلیم نہیں ہے۔ مگر بریلوی کہتے ہیں جیسا کہ مولوی عبد السمیع صاحب نے انوار ساطعہ میں لکھا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے اس لیے منع کیا تھا کہ اس پر منع وارد ہو چکی ہے۔[2]

---

[1] مشکوٰۃ صفحہ ۴۰۶ عن الترمذی و اسنادہ صحیح [2] در مختار کتاب الذبائح میں ایک روایت یہ ملی گئی ہے موطنان لا اذکر فیہما عند العطاس و عند الذبح۔ دو موقعوں پر میرا ذکر نہ ہو ایک چھینک کے وقت دوسرے ذبح کے وقت ـــ اسے خواہ مخواہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی روایت قرار دیا اور کہا کہ

جیسے اللہ رب العزت نے شریعت بتایا، مگر نہ راگر ہم اپنی طرف سے مسئلے بتائیں کہ شریعت نے منع تو نہیں کیا، ہم قرآن کی اس آیت کا مصداق بن جائیں گے۔

ام لهم شرکاء شرعوا لهم من الدین ما لم یاذن به اللہ۔ (پ۲۵، الشوریٰ ۲۱)

ترجمہ کیا کہ انہوں نے (اللہ کے) شریک ٹھہرا رکھے ہیں جنہوں نے ان کے لیے دین کی وہ راہ ڈال دی ہے جو اللہ نے نہیں بتائی۔

معلوم ہوا اپنی طرف سے دین کی کوئی راہ تجویز کرنا اور صرف یہ دیکھنا کہ کہیں اس سے منع تو نہیں کیا گیا، درحقیقت اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا ہے۔ عبادات اور نیکی کے کام سب توقیفی ہیں کہ وہ غیر وحی ہے جن کے خیر ہونے کا پتہ ہمیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول برحق سے ملے ہم اپنی خواہشات اور اپنی صوابدید سے کوئی مستحب نہیں بنا سکتے گو وہ درجہ مستحب کا ہی کیوں نہ ہو۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کے سب نام توقیفی ہیں، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو کوئی راہ عبادت مقرر کرنے یا اختیار کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔

شیخ یوسف قرضاوی اصل اشیاء و منافع میں حلت اور اباحت کے قائل ہیں۔ ان کا موقف توقف کا نہیں۔ اپنے اس موقف پر انہوں نے قرآن و حدیث سے دلائل پیش کئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں اصل اشیاء میں اباحت اشیا تک محدود نہیں، یہ ان افعال و تصرفات کو بھی شامل ہے جو بطور عادت عمل میں آتے ہیں۔ آپ اس اباحت کی بحث میں لکھتے ہیں:

بل یشمل الافعال والتصرفات التی لیست من امور العبادة وهی التی نسمیها العادات او المعاملات فالاصل فیها عدم التحریم وعدم التقیید الا ما حرمه الشارع والزمه وقوله تعالیٰ وقد فصل لکم ما حرم علیکم عام فی الاشیاء والافعال۔[1]

ترجمہ بلکہ یہ اباحت افعال و تصرفات جو عبادت کے امور میں سے نہیں اور یہ وہ ہیں جنہیں

---

[1] الحلال والحرام ص

بدعت سے اجتناب کرنے کے اعتقادی فوائد

تشریع کا قوی ترین ماخذ نبوت ہے اور ادنیٰ ترین درجہ بدعت ہے۔ بدعت سے مراد وہ چیز دین بنائی جاتی ہے جو دین نہیں ہوتی ــــ نبوت سے دین کا قیام اور کتاب و سنت سے اس کا استحکام ہوتا ہے کتاب و سنت سے جو استنباط ہوتا ہے وہ بھی انہی کے حکم میں ہے فرق ہے تو صرف یہ کہ کتاب و سنت میں خطا کا احتمال نہیں ہوتا اور اجتہاد و استنباط میں یہ ہوتا ہے تاہم مجتہد مخطی کو بھی ایک اجر کا مستحق سمجھنا چاہیئے

تشریع کا کمزور ترین درجہ بدعت ہے اور اس کے ذریعہ کسی چیز کو شرعاً دین بنانا مقصود ہے اور یہ عمل شرعاً مردود ہوگا اس سے حضور نے بہت اظہار ناراضگی کیا ہے ــــ اس کا عادی اور داعی لعنت کا مستحق ہو جاتا ہے اور اس کی نحوست سے اس کا کوئی نیک عمل قبول ہونے نہیں پاتا۔ بدعت سے پرہیز کرنے اور اجتناب کرنے کے بہت سے فوائد ہیں۔ ان میں سے پانچ یہاں ذکر کرتے ہیں

① عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کی ضمانت

حضور خاتم النبیین کے بعد جب ذرا بدعت کی بھی گنجائش نہیں تو نئی نبوت کی کس طرح گنجائش ہوگی جو شخص حضرت خاتم النبیین کی نسبت کا اس طرح وفادار ہوگا کہ وہ دین میں کسی نئی چیز کو برداشت نہ کرے وہ کسی نبوت کو کیسے برداشت کرے گا ــــ کبھی نہیں

حضرت خاتم النبیین کے بعد اگر کسی اور نبی کے آنے کی گنجائش ہوتی تو جس طرح شریعت میں سنت و بدعت کی بحثیں چلی ہیں اور علمائے محدثین نے ان کی بڑی تحقیق فرمائی ہے سو ہم کہتے ہیں یہ بحث بھی چلی ہوتی کہ اسلام میں بدعت تو نہیں مگر نئی نبوت ہے اور یہ مباحث اس ترتیب سے چلے ہوتے۔

سنت ــــ بدعت ــــ نئی نبوت

سو جو شخص بدعت کو بھی ہاتھ لگنے نہ دے گا وہ کبھی نئی نبوت کے جال میں نہ پھنسے گا۔ یاد رکھیے بدعت سے کلی اجتناب عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ و بقا کی ضمانت ہے۔

② شیعی اثرات سے بچنے کی کلی حفاظت

شیعہ مذہب کے دو حصے ہیں۔

۱۔ عقائد اور ۲۔ اعمال

عقائد صرف علماء کو معلوم ہوتے ہیں عوام ان کے اعمال سے ان کو پہچانتے ہیں۔ اعمال میں شیعہ مذہب کی بنا ہی خلاف سنت پر ہے۔ ان کے ہاں سنت کا لفظ اہل سنت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

شیعہ مذہب میں بڑے دلکش عوام کے دکھاوے ہیں جس طرح عیسائیوں کے بڑے دن منانے کے نام ہیں جلوس عزاداری، دلدل، گھوڑا نکالنا، کپڑے پہنے تعزیے، پنجہ اور رجب کے کونڈے، قاسم کی مہندی، سیاہ لباس یہ وہ اعمال ہیں جو دین محمدی میں کبھی نہ تھے۔ اب جس شخص کے دل میں بدعت سے نفرت ہو گی وہ بھلا ان سیاہ اعمال کے قریب بھی کہیں جھانک سکے گا۔ پھر کبھی نہ ہو گا کہ وہ ادھر سے ان کے عقائد کی دلدل میں جا پہنچے۔ یقین کیجیے بدعت سے اجتناب شیعہ اثرات سے بچنے کا ایک قوی ذریعہ ہے۔

③ تسلسل امت میں رہنے کی ضمانت

بدعت سے بچنے والا نہ صرف دین کے نام پر نئے جاری ہونے والے نئے اعمال سے پرہیز کرے گا بلکہ وہ کسی نئے مسلک کا خریدار یا مبلغ بھی نہ بنے گا۔ امت کا یہ قافلہ پورے چودہ سو سال سے ایک تسلسل سے چلا آ رہا ہے۔ تابعین نے صحابہ پر اعتماد کیا اور تبع تابعین نے تابعین پر ——— اور اب تک دین کا یہ قافلہ اسی اعتماد سے چلا آ رہا ہے۔

ہندوستان میں ایک ایک ترک حنفیہ کی ہوا چلی اور دیکھتے دیکھتے نیچری، ڈکری، چکڑالوی اور مختلف عنوانوں کے غیر مقلد اپنے اپنے فرقے کھڑے کر کے سامنے آگئے

عام لوگوں کے بس میں نہ تھا کہ ان کے علمی مباحث سے عہدہ برآ ہوں سو جو لوگ ان نئے فرقوں میں آنے سے بچے رہے وہ وہی تھے جو دین میں تسلسل امت کے قائل اور سلف پر اعتماد کرنے والے تھے اور سنت نے انہیں یہ مقام بخشا تھا کہ وہ سبیل المومنین سے باہر نہ نکلیں — بدعت صرف اعمال میں ہی نہیں عقیدہ میں فرقہ بندی میں بھی ہوتی ہے فروعی اختلافات پر جماعت بندی کرنا بدعت ہے صحابہؓ کا یہ طریق نہ تھا۔

④ صحابہ پر تنقید کرنے سے کلی حفاظت

خیر القرون کے آخر میں اہل حق میں یہ مسئلہ طے پاگیا تھا کہ صحابہؓ پر تنقید کرنا جائز نہیں۔ ان میں باہم جو اختلافات و مشاجرات ہوئے ان سے زبان بند رکھنی چاہیئے اور قلم کو روکنا چاہیئے۔ یہی مذہب اہل سنت تھا

اب محض شیعہ کو خوش کرنے کے لیے یا خیرہ جواب دینے کے لیے یا عام ووٹ حاصل کرنے کے لیے صحابہؓ پر تنقید کا دروازہ کھولنا اور کھلے بندوں اس غلط عقیدے کی تبلیغ کرنا کہ دین کا ہرگز یہ تقاضا نہیں کہ صحابہؓ کی غلطی کو غلطی نہ کہا جائے یقیناً ایک اعتقادی بدعت ہے۔ یہ فتنے جیسے کہ اس آخر دور میں تو سچ پھر سے ابھرے ہیں

اب جو شخص عام اعمال میں بدعت سے پرہیز کرے گا وہ عقائد کے باب میں اتنی کھلی بدعت کا کبھی شکار نہ ہو سکے گا۔

⑤ خاندانِ رسالت سے عقیدت و محبت

اہل السنۃ والجماعۃ کی تقریباً تمام کتب حدیث میں حضرت عباسؓ، حضرت علی المرتضیٰؓ اور حضرات

حسنین کریمینؓ کے فضائل و مناقب کے باب میں احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ یہ حضرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخر دم تک مقرب و محبوب رہے۔

بعد کے ہونے والے سیاسی واقعات اور ریاست کے اختلافات میں واقعات کا جو رخ بھی ہو انہیں حلقہ رسالت کے اعتماد اور قرب رسالت کے امتیاز سے جدا نہیں کیا جا سکتا اور اسی پر اب تک اہل سنت والجماعت کا اعتقاد رہا ہے۔

اب ان مذکورہ اختلافات کی اس طرح شرح کرنا جس سے ان حضرات کے دامن تقدس پر دھبے نظر آنے لگیں یقیناً نہ صرف یہ ایک جسارت ہوگی اور تاریخ امت میں یہ بھی ایک بدعت ہے۔

آل بتول کی تعظیم و محبت کا مسئلہ

یہ بھی ان کی تعظیم ہی ہے کہ آئندہ آنے والے انہیں اپنا پیر و جانیں اور خود اپنے لیے نئی راہیں نہ تراشیں۔ سب نہ ہرگز ایسی بدعت بھی رائج کر دیں کہ اہل بیت سے محبت گروہ بندی سے کی جائے۔

اہل بیت سے محبت ضروریات مذہب اہل سنت میں سے ہے یہ کتاب و سنت اور سیرت صحابہ کی مجموعی آواز ہے اسے گروہی تعصب میں رکھنا خود اہل بیت سے انصاف نہیں۔ اہل سنت جس طرح صحابہ کے عقیدت مند ہیں اسی طرح حضورؐ کی ذریت طاہرہ سے عقیدت و محبت رکھتے ہیں ان میں تفریق پیدا کرنا بدعت ہے جو نہ صحابہؓ سے ملی نہ حسنین کریمینؓ سے سو جو شخص ان دونوں میں گروہ بندی کرے گا وہ ہرگز کتاب و سنت پر عمل پیرا نہ سمجھا جائے گا۔ دونوں طبقوں سے عقیدت و محبت راہ سنت ہے اور ان میں گروہ بندی راہ بدعت۔

جس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ایمان کا جزو لازم ہے آپ کے صحابہ اور اہل بیت سے بھی عقیدت و محبت لازم ہے یہ آسمان ہدایت کے ستارے اور باغ رسالت کے پھول ہیں۔ مومن ان سے عقیدت و محبت ایمان کی روشنی میں رکھے گی اور مومنین کرام ان کی پیروی میں جنت میں ایک روحانی سکون محسوس کریں گے کوئی مومن ان سے آگے بڑھنے کا دعوے دار نہ ہوگا بدعت کیا ہے؟ سنت سے آگے بڑھنا اور ایسی چیز کو دین میں داخل کرنا جو صحابہ اور اہل بیت کرام کے زمانہ میں نہ تھی

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم یہاں اس مسئلہ میں علماء دیوبند کا نقطہ نظر بھی پیش کردیں۔ دیوبند کے سابق مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی فرماتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و محبت کا ساری کائنات سے زائد ہونا جزو ایمان بلکہ مدار ایمان ہے اور اس کے لیے لازم ہے کہ جس کو جس قدر نسبت قریبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اس کی تعظیم و محبت بھی اسی پیمانے سے واجب و لازم ہوگی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انسان کی صلبی اولاد کو سب سے زیادہ نسبت قرب حاصل ہے اس لیے ان کی محبت بلاشبہ جزو ایمان ہے۔۔۔ خلاصہ یہ کہ حب اہلبیت صلی اللہ علیہ وسلم کا مسئلہ امت میں کبھی زیر اختلاف نہیں رہا۔ باجماع و اتفاق ان کی محبت و عظمت لازم ہے۔ اختلافات وہاں پیدا ہوتے ہیں جہاں دوسروں کی عظمت پر حملہ کیا جاتا ہے ورنہ آل رسول کی حیثیت سے عام سادات خواہ ان کا سلسلہ نسب کتنا ہی بعید بھی ہو ان کی عظمت و محبت عین سعادت و اجر و ثواب ہے (معارف القرآن جلد ۷ صہ ۶۹)

نہایت افسوس ہے کہ بعض لوگ اپنے تئیں تاریخی مطالعہ سے اچانک کسی مادی حیرت میں جا گرتے ہیں اور وہ بعض اکابر اہلبیت کے بارے میں ایسا بھی بے ادبی سے نہیں چوکتے۔ ناصبیت کے اس جال میں زیادہ وہی لوگ آتے ہیں جو نئی راہ اختیار کرنے میں کوئی باک نہیں سمجھتے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ پہلے علماء اس تحقیق کو نہیں چھو سکے جو ہم نے خلف کر پائے ہیں۔ یہ بھی ایک اعتقادی بدعت ہے۔

"ناصبیت کے اس جال میں زیادہ تر وہی لوگ آتے ہیں جو نئی راہ اختیار کرنے میں کوئی باک نہ سمجھتے تھے۔ یہ لوگ برملا کہتے ہیں کہ پہلے علماء اس تحقیق کو نہیں چھو سکے جو ہم نے خلف کر پاتے ہیں سو یہ ایک اعتقادی بدعت ہے جو ان دنوں خاندان رسالت کے خلاف اٹھ رہی ہے

جو شخص سنت سے محبت اور بدعت سے نفرت کرے گا عنقریب اللہ تعالیٰ اسے صف صالحین کے ساتھ رکھیں گے اور یہ وہ دولت ہے جس پر بدعت کی تمام دولتوں کو قربان کیا جا سکتا ہے۔

ایجاد بدعت افتراء علی الرسول کا دوسرا نام ہے

شریعت صرف نقل و روایت کے واسطے سے پہچانی جاتی ہے اور شریعت کا منبع پیغمبر کی ذات ہے جس سے اللہ رب العزت کی مرضیات اور نامرضیات کا پتہ چلتا ہے اب اگر کوئی دین میں کوئی ایسی چیز داخل کرتا ہے جو حضور اور صحابہ کے دین کی نہیں تو وہ حقیقت میں افتراء علی الرسول کا مجرم ہے کہ بات تو دین میں کہیں موجود نہیں نہ کتاب و سنت میں نہ مجتہد کے اجتہاد میں مگر وہ اسے دین بنا رہا ہے

بدعت کو اچھا جاننا رسالت پر خیانت کا الزام ہے

حضرت امام مالک (م ۱۷۹ھ) فرماتے ہیں

من ابتدع فی الاسلام بدعة یراها حسنة فقد زعم ان محمداً صلی اللہ علیہ وسلم خان الرسالة لان اللہ تعالیٰ یقول الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا فما لم یکن یومئذ دینا فلا یکون الیوم دینا ۱؎

ترجمہ جس نے اسلام میں کوئی نئی بات نکالی اور وہ اسے نیکی سمجھنے لگا تو گویا اس نے گمان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کے احکام پہنچانے میں (معاذ اللہ) خیانت کی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کہہ دیا کہ میں نے آج تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو دین چن لیا سو جو چیز اس دن دین نہ تھی آج بھی دین نہیں ہو سکتی۔

بدعتی کو سنی کہنے کا گناہ

اب یہ جانتے ہوئے کہ فلاں فلاں اعمال بدعت ہیں اور ان کے کرنے والے بدعتی ہیں پھر

۱؎ الاعتصام للشاطبی جلد ۱ ص ۴۹

کیونکہ (وہابی) انہیں سنی کہتا ہے تو کیا اس نے ان تمام بدعات کو سنت نہ کہا اور یہ کہنا کیا، قولاً وعملاً
اور ان کو نہیں ...... افسوس کہ یہ لوگ اصلاً بدعتی نہ تھے وہ ان بدعتیوں کو سنی کہہ کر خود اس الزام
کے ملزم ہو گئے جو مولانا احمد رضا خاں بریلوی صاحب سے چلا آرہا تھا ...... یاد رکھیے بدعتی کو سنی
کہنا سخت گناہ ہے۔

بدعت بہ نسبت گناہ کفر کے زیادہ قریب ہے

سلسلہ چشتیہ کے خواجہ نظام الدین اولیاء (۷۲۵ھ) فرماتے ہیں:

بدعت از معصیت بالاتر است و کفر از بدعت بالاتر۔ بدعت بکفر نزدیک است[1]

ترجمہ: بدعت گناہ سے کہیں زیادہ خطرناک چیز ہے اور کفر بدعت سے بھی کہیں آگے ہے۔ بدعت کفر کے بہت قریب ہے۔

بدعتی اور کافر میں کس کی صحبت اہلسنت کے لیے زیادہ خطرناک ہے

مومن اور کافر میں فاصلے قطعی ہیں۔ مومن آسانی سے کفر میں نہیں جاتا کچھ تکلف ہوتی۔ اور بدعتی کے ساتھ ان میں فاصلے تھوڑے ہیں۔ دونوں ایک جیسے ہیں وابستگی کے مدعی ہیں اور ان میں اشتباہ بہت جلد راہ پا جاتا ہے۔ سنی کے پاس سے گزرنے والا گو تقدیر سنی کے پاس جس رہا مگر اس کے سینہ کو بدعت کی گرد سے کوئی عکس دکھائی دے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ خطرہ ہے بدعتی کا سلوک ہو گا اتنی جلدی وہ ایک دوسرے کا اثر قبول کریں گے۔ اب یہ نہیں کہ بدعتی پر سنت کے آثار ملیں، سنی پر کچھ بدعت کے چھینٹے ضرور پڑیں گے۔ حضرت مجدد الف ثانی ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

مفسدہ صحبت مبتدع زیادہ از فساد صحبت کافر است[2]

ترجمہ: بدعتی کی صحبت کافر کی صحبت سے زیادہ برے اثرات رکھتی ہے

[1] فوائد الفواد [2] مکتوبات دفتر اول مکتوب ۵۴

بدعت جہالت کے سائے میں پلتی ہے

کفر کبھی علم کے سایہ میں بھی پرورش پا لیتا ہے قادیانیت اور اعتقادی ناصبیت کی کفری پیداوار ہیں لیکن بدعت ہمیشہ جہالت کے سائے میں پلتی ہے اسے کبھی علم کا سہارا نہیں ملتا۔

بدعت کو عالم مثال میں دیکھئے

یہاں وہ چیزیں جو محض حقائق اور معانی ہیں محسوسات میں نہیں آتیں۔ اللہ تعالیٰ نے عالم مثال میں انہیں ان کے مناسب شکلیں دے رکھی ہیں علم کو دودھ کی شکل میں دیکھا گیا ہے۔ قرآن کو موحض کوثر کی شکل میں دیکھا جا سکے گا۔ اسلام کو حضرت عمرؓ کی شکل میں جلوہ گر کیا جائے گا اسی طرح بدعات کو جن بندگوں نے کسی مثالی صورت میں دیکھا انہیں ظلمات اور اندھیروں کے سوا کچھ نہیں پایا سو بدعت میں اندھیرا ہی اندھیرا ہے اور سنت میں روشنی ہی روشنی ہے۔ سنت کے مطابق کیے گئے اعمال کا نور ساتھ ساتھ چلے گا اور بدعت کے اندھیروں میں چلنے والے پل صراط سے کامیاب پار نہ ہو سکیں گے۔

پل صراط پر چڑھنے سے پہلے مومنین کے ساتھ ان کا نور ایمان ہوگا۔ یہ ایک تیز روشنی ہوگی ایمان ایک معنوی چیز ہے یہ روشنی کی صورت میں جلوہ گر ہوگا۔ مومن کے نیک اعمال اسکی اپنی طرف جمع ہوتے رہے وہ بھی ایک نور کی صورت پائیں گے۔ شیخ الاسلام لکھتے ہیں۔

میدان حشر سے جس وقت پل صراط پر جائیں گے سخت اندھیرا ہوگا تب اپنے ایمان اور عمل صالح کی روشنی ساتھ ہوگی شاید ایمان کی روشنی جس کا محل قلب ہے آگے ہو اور عمل صالح کی داہنے کیونکہ نیک اعمال داہنی طرف جمع ہوتے ہیں۔

یوم تری المومنین والمومنات یسعیٰ نورھم بین ایدیھم وبایمانھم بشرٰکم الیوم جنت تجری من تحتھا الانھٰر خالدین فیھا ذٰلک ھو الفوز العظیم (الحدید)

(ترجمہ) جس دن تو دیکھے ایمان والے مردوں کو اور ایمان والی عورتوں کو ان کے آگے آگے روشنی دوڑتے چلے گی اور ان کے داہنے ۔۔۔ یہ ہے بڑی مراد ملنی۔

معلوم ہوا کہ ایمان جو ایک معنوی چیز ہے اور اعمال جو اعراض میں سے ہیں اس دن ایک حسی صورت دی جائے گی۔ اس دن معانی بھی اجسام بن جائیں گے

بدعت عالم مثال میں کیا ہوگی؟ ایک اندھیرا۔ اور بدعتیوں کے لیے اندھیرا ہی اندھیرا ہوں گے۔ حضرت امام ربانی نے بدعت کو عالم مثال میں کیا دیکھا؟ ایک اندھیرا۔ اسے ان کے اپنے الفاظ میں دیکھئے۔

یہ فقیر ان بدعات میں سے کسی بدعت میں حسن اور نورانیت نہیں دیکھتا اور ان میں اندھیرے اور کدورت کے سوا کچھ محسوس نہیں کرتا۔

(مکتوبات شریف دفتر اول ص ۲۱۰)

کیا اب کسی نقشبندی مجددی سے ہو سکتا ہے کہ وہ کسی بدعت کو بدعت حسنہ کہہ کر اس کے اندر کسی حسن اور نورانیت کا دعوے کرے۔ بدعت عالم مثال میں ایک اندھیرے کے سوا کچھ نہیں۔ اور بدعات بدعتی بے نصیب پر اندھیروں کے اوپر اندھیرے چڑھے ہیں یہاں گو اسے ان کا خطرہ محسوس نہ ہو لیکن پل صراط پر آ کے اسے پتہ چل جائے گا کہ علمائے دیوبند کیسے مخلص خیر خواہ تھے جو اسے دنیا میں بدعات سے روکتے تھے۔ سنت وہ شاہراہ نور ہے جو خوش قسمت لوگوں کو پل صراط عبور کرائے گی۔

بدعت کی اہل بدعت کے لیے اضافی آفات

ہر شخص خود کسی بدعت پر عمل نہیں کرتا لیکن اس کے دوستوں کا حلقہ بہت وسیع ہے اور ان میں کوئی بدعتی بھی ہو تو اس کے دل تک آتے بھی ہو جاتے ہیں۔ ان کو اپنے نزدیک بٹھانے سے بھی اس کی سنت میں اگرچہ اس نے بدعت پیدا کرنے والے پر اثر پڑتی ہے۔

① بدعتی کو پناہ دینے کی آفت

حضرت علی رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں جس نے مدینہ منورہ میں کوئی بدعت ایجاد کی یا اس نے وہاں کسی بدعتی کو پناہ دی اس پر اللہ تعالیٰ فرشتوں اور صالحین امت کی لعنت اترتی ہے۔

فمن احدث فیہا حدثا او اوی محدثا فعلیہ لعنۃ اللہ والملئکۃ والناس اجمعین[1]

ترجمہ جس نے مدینہ میں کوئی نئی چیز پیدا کی یا کسی بدعتی کو پناہ دی سو اس پر اللہ کی لعنت، تمام فرشتوں کی اور سب لوگوں کی۔

مدینہ منورہ کی تخصیص اس لیے ہے کہ جب اتنے اشرف مقام میں بھی بدعتی لعنت سے نہیں بچ سکا تو دیگر جگہوں میں جہاں پہلے ہی بڑی ظلمتیں ہوں وہاں بدعتی کس طرح بحر ظلمات میں ڈوبنے سے بچ سکے گا۔ حافظ ابن بطال لکھتے ہیں :۔

خصت المدینۃ بالذکر لشرفہا لکونہا مھبط الوحی و موطن الرسول علیہ الصلوٰۃ والسلام ومنہا انتشر الدین فی اقطار الارض[2]

ترجمہ۔ مدینہ کو خاص طور پر اس لیے ذکر کیا کہ وہ جگہ وحی کی فرودگاہ رہی اور موطن رسول رہی اور وہیں سے تمام اطراف عالم میں دین پھیلا۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۸۴ [2] فتح الباری جلد ۱۳ صفحہ ۲۴۳

④ بدعتی کی کوئی دوسری نیکی بھی قبولیت نہیں پاتی

بدعت کی اضافی آفات میں یہ آفت سب سے بڑی ہے کہ اس کی وجہ سے اس کے دوسرے نیک اعمال بھی اللہ کے ہاں قبولیت نہیں پاتے۔ ایک بدعت کی وجہ سے زندگی کے سارے سرمایہ اعمال کو ضائع کر دینا اس سے زیادہ نقصان کا اور کیا سودا ہو سکتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا یقبل اللہ منہ صرفا ولا عدلا رواہ البخاری۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس کا کوئی فرض اور نفل قبول نہیں فرماتے۔

حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں حضورؐ نے فرمایا:

لا یقبل اللہ لصاحب بدعۃ صوما ولا صلوٰۃ ولا صدقۃ ولا حجا ولا عمرۃ ولا جہادا ولا صرفا ولا عدلا۔[1]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ بدعتی کا نہ روزہ قبول کرتے ہیں نہ نماز نہ زکوٰۃ نہ حج نہ عمرہ اور نہ جہاد اور نہ اس کی کوئی فرضی عبادت اور نہ کوئی نفلی عبادت۔

بدعتی تو ایک طرف رہا اس سے دوستی رکھنے والے کے بھی نیک اعمال ضائع کر دیئے جاتے ہیں۔ حضرت فضیل بن عیاض (۱۸۷ھ) فرماتے ہیں:

---

[1] سنن ابن ماجہ صفحہ ۶ [2] تلبیس صفحہ ۱۸۲

③ بدعتی کے اکرام سے توہینِ اسلام کا جرم بنتا ہے

ایک شخص بدعتی نہیں لیکن جب اس کے بدعتی دوست اس کے پاس آتے ہیں وہ ان کا اکرام کرتا ہے انہیں عزت سے اپنے پاس بٹھاتا ہے اب یہ خود گو بدعت کا مرتکب نہیں ہوا لیکن اس نے اسلام کی کھڑی دیوار گرانے میں اس بدعتی کی مدد کی اور اعانت جرم میں وہ بھی مجرم ہو گیا۔ حضرت ابراہیم بن میسرہؒ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا

من وقر صاحب بدعة فقد اعان على هدم الاسلام۔[1]

ترجمہ جس نے کسی بدعتی کی توقیر کی اس نے اسلام کو گرانے میں مدد کی۔

علامہ طیبی (۷۴۳ھ) اس کی شرح میں لکھتے ہیں۔

وذلك لان المبتدع مخالف للسنة ومائل عن الاستقامة لان معاونة نقيض الشئ معاونة لدفع ذلك الشئ وكان من حق الظاهر ان يقال من وقر المبتدع فقد استخف السنة ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ فاذا كان حال الموقر هذا فما بال حال المبتدع[2]

علامہ شامی (۱۲۵۲ھ) بھی لکھتے ہیں

ان الشرع يأمر بزجره واهانته فاذا وقره بما هو مثله من هذا كالضرب والقتل صار فوقه صدا عن العمل بشرع الاسلام واقبالا على ما يضاده وينافيه[3]

ترجمہ بیشک شریعت اسے جھڑکنے کا حکم دیتی ہے اس کی توہین اور تذلیل اس سے زیادہ جا سکتی ہے اس کی پٹائی ہو یا اسے جان سے مارا جائے جب اس کی توقیر شرعِ اسلام پر عمل کرنے میں رکاوٹ بنے گی یہ وہ کام ہے جو شریعت کی ضد ہو گا اور اس کے خلاف ہو گا

---

[1] مشکوٰۃ ص ۳۱ [2] شرح الطیبی جلد ۱ صفحہ ۳۸

④ بدعتی کے سوءِ خاتمہ کا اندیشہ

انسان پر موت کے وقت عجیب و غریب واردات ہوتی ہیں۔ ابھی روح قبض نہیں ہوتی کہ اگلے جہان کے کچھ پردے اُٹھ جاتے ہیں۔ بدعتی اپنے جن نظریات وعقائد کو سرمایۂ نجات سمجھتا تھا پردہ اُٹھنے سے وہ اسے اپنے سیاہ اعمال دکھائی دیتے ہیں۔ اتنے میں شیطان نے اپنی واردات کی کہ آگے تجھے پتہ چلے گا کہ تو توحید و رسالت کے اقرار میں بھی غلطی پر ہی رہا۔ ذہن پہلے شکست خوردہ تھا اب اسے اپنی قطعیات میں بھی شک ہو گیا۔ بدعات کے سیاہ سائے اس کے عقائد اسلام کو بھی لے ڈوبے۔ اتنے میں ملک الموت نے روح قبض کر لی۔ یہ اس بدعتی کا سوءِ خاتمہ کیوں ہوا؟ بدعات میں زندگی گزارنے کے باعث بدعات اسے خاتمہ بالخیر سے بھی محروم کر گئیں۔

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا

علامہ شاطبی (۷۹۰ھ) لکھتے ہیں:۔

واما انه يخاف على صاحبها سوء الخاتمة والعياذ بالله فلان صاحبها مرتكب اثماً وعاص لله تعالىٰ حتماً۔۔۔۔ ومن مات مصراً على المعصية فيخاف عليه فربما اذا كشف الغطاء وعاين علامات الأخرة استفزه الشيطان وغلبه على قلبه حتى يموت على التغيير والتبديل۔[1]

ترجمہ: بدعتی کے سوءِ خاتمہ کا کھٹکا رہتا ہے۔ اللہ اس سے بچائے۔ بدعتی بیشک بدعت سے گناہ کا مرتکب ہوتا ہے اور حتمی طور پر اللہ کا نافرمان ہے۔۔۔۔ اور جو شخص گناہ پر مصر رہتے مرا اس پر سوءِ خاتمہ کا ڈر ہے کیا دفع ہو سکتا ہے کہ جب آخرت کا پردہ اُٹھے اور وہ آخرت کی علامات دیکھے شیطان اسے آ لے اور اس کے دل پر غلبہ پالے یہاں تک کہ وہ اسی تغییر اور تبدیل (عقائد) پر دم دے۔

---

[1] کتاب الاعتصام ص۱۴۲

مستفتۃ فی المعصیۃ انہا طاعۃ حیث حسن ما قبحہ الشارع ... فہو قد قبح ما حسنہ الشارع ومن کان ہکذا فحقیق بالقرب من سوء الخاتمۃ الا ما شاء اللہ وقد قال اللہ تعالیٰ فی جملۃ من ذم افامنوا مکر اللہ فلا یامن مکر اللہ الا القوم الخاسرون. (پ ۹ الاعراف ۹۹)

ترجمہ: وہ شخص گناہ کو سمجھ رہا ہے کہ یہ نیکی ہے وہ اس چیز میں حسن دیکھ رہا ہے جس کو شارع علیہ السلام نے قبیح جانا سو اس نے اسے قبیح جانا جسے شارع نے اچھا کہا تھا۔ پس جس شخص کا یہ حال ہو وہ سو خاتمہ (برے انجام) کے بہت قریب آ لگا مگر وہ جسے خدا بچا لے۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں میں جن کی مذمت کی گئی فرمایا کیا یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی تدبیر سے بے خوف ہو چکے ہیں۔ سو اللہ کی تدبیر سے وہی بے خوف ہوتے ہیں جو خسارہ پانے والے ہوں۔

⑤ بدعات پر جو عالم خاموشی اختیار کرے اس کا انجام

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اذا حدثت فی امتی البدع وشتم اصحابی فلیظہر العالم علمہ فمن لم یفعل فعلیہ لعنۃ اللہ والملئکۃ والناس اجمعین۔ [1]

ترجمہ: جب میری امت میں بدعتیں نکلیں اور میرے صحابہ کو برا کہا جانے لگے تو عالم کو اپنا علم سامنے لانا چاہیئے جو ایسا نہ کرے گا اس پر اللہ کی لعنت، فرشتوں کی اور سب لوگوں کی۔

اس حدیث میں صحابہ کا ذکر ہوتا ہے کہ یہاں بدعت فی العقائد کے مجرموں کا پتا دیا جا رہا ہے لیکن حضور کی دوسری حدیث من احدث فی امرنا ھذا عام ہے جو بدعت فی العقائد اور بدعت فی الاعمال دونوں طرح کی بدعات کو شامل ہے اور اس روایت کا پہلا جز اذا حدثت فی امتی البدع بھی ہر دو طرح کی بدعات کو شامل ہے۔

---

[1] کتاب الاعتصام جلد ۱ ص ۸۵

سے

یہاں بدعات کو سب صحابہؓ سے جوڑ کر بیان کیا گیا ہے۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ اہل بدعت اپنے اعمال بدعت میں صحابہؓ سے ضرور منحرف ہوں گے۔ اگر وہ صحابہؓ کو اپنے لیے معیار سمجھتے تو کبھی بدعات کے گڑھے میں نہ گرتے۔ خارجی ہوں یا رافضی یا عام بدعتی کسی کو حوض کوثر پر پہنچنا نصیب نہ ہوگا۔ حافظ ابن عبدالبر (۴۶۳ھ) لکھتے ہیں:

كل من احدث في الدين فهو من المطرودين عن الحوض كالخوارج والروافض وسائر اهل الاهواء۔[1]

② بدعتی حوض کوثر سے محروم واپس جائیں گے

حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں حضورؐ نے فرمایا:

اتدرون ما الكوثر؟ فقلنا الله ورسوله اعلم قال فانه نهر وعدنيه ربي عز وجل عليه خير كثير هو حوض ترد عليه امتي يوم القيامة آنيته عدد النجوم فيختلج العبد منهم فاقول رب انه من امتي فيقال ما تدري ما احدثوا بعدك۔[2]

ترجمہ: تم جانتے ہو کوثر کیا ہے؟ ہم نے کہا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ ایک نہر ہے جس کا میرے رب عزوجل نے مجھ سے وعدہ کیا ہوا ہے۔ اس میں خیر کثیر ہے (اسی لیے اسے کوثر کہا گیا) اور وہ ایک حوض ہے جس پر میری امت قیامت کے دن وارد ہوگی۔ اس کے آبخورے ستاروں کی گنتی کے ہوں گے۔ ان لوگوں میں کچھ لوگ پیچھے دھکیلے جائیں گے میں کہوں گا کہ یہ تو میرے امتی ہیں مجھے کہا جائے گا آپ نہیں جانتے انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا۔

نوٹ: جن روایات میں امتی کی بجائے اصحابی کا لفظ آتا ہے وہاں بھی مراد امتی ہی ہوں گے نہ کہ حضورؐ کے عہد کے لوگ۔ یہ روایت اس روایت کی وضاحت کر دیتی ہے۔

---

[1] شرح صحیح مسلم للنووی جلد ۱ صہ ۱۲۷ [2] صحیح مسلم جلد ۱ صہ ۱۷۲

⑦ بدعتیوں کا آخرت میں مسخ اشکال

بدعتی جس طرح دین کا حلیہ بگاڑتے ہیں کہ دین کی وہ شکل باقی نہیں رہتی جو صحابہؓ اور ائمہؒ کے دور میں اس کی تھی۔ اللہ تعالیٰ اس کی سزا میں ان کی شکلیں آخرت میں بدل دیں گے ان کا مسخ اشکال جانوروں کی صورت میں ہوگا۔ جہنم کی سزا تو ان کو ان کی بدعات پر ملے گی لیکن ان کی شکلیں دین کی شکل کو بگاڑنے کی وجہ سے بگڑیں گی۔ مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں :۔

> بدمذہب کتا ہے یا نہیں؟ ہاں ضرور ہے بلکہ کتے سے بھی بدتر اور ناپاک تر ہے کتا فاسق نہیں ہے اور یہ اصل دین و مذہب میں فاسق ہے کتے پر عذاب نہیں اور یہ عذاب شدید کا مستحق ہے۔ میری نہ مانو سید المرسلین کی حدیث مانو۔ ابو حاتم خزاعی حضرت ابو امامہ باہلی سے راوی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اصحاب البدع کلاب اهل النار۔ بدعتی دوزخیوں کے کتے ہیں[۱]

⑧ ایک بدعت اور کئی بدعتوں کو کھینچتی ہے

بھلائی پر ایک نیکی کا آنا ایک نیکی کا آنا نہیں یہ سمجھ لیجئے کہ اب اور بھی نیکیاں آئیں گی۔ جس طرح ایک نیکی دوسری نیکی کو کھینچتی ہے ایک بدی دوسری بدی کو کھینچتی ہے۔ نیکی صرف نیکی ہی کے لیے نہیں کی جاتی کبھی استقامت قائم رکھنے کے لیے بھی کی جاتی ہے یہ ایک اپنی غرض ہے کہ میری نیکیاں اپنی جگہ قائم رہیں کہیں ضائع نہ ہو جائیں اور اس میں اللہ کی رضا کی بھی طلب ہوتی ہے۔

> ومثل الذین ینفقون اموالهم ابتغاء مرضات الله وتثبیتا من انفسهم کمثل جنة بربوة اصابها وابل۔ (پ البقرہ ۲۶۵)

① جو اپنے اموال اللہ کی رضا کے لیے اور ② اپنے دلوں کو مضبوط کیے خرچ کرتے ہیں۔ بدعتی کو بدعت کا یہ وبال ملتا ہے کہ اسے استقامت نصیب نہیں ہوتی وہ تثبیت سے محروم رہتا ہے۔

---

[۱] ملفوظات ص ۲۱۷، احکام شریعت حصہ دوم ص ۱۲ – یہ حدیث جامع صغیر جلد ۱ ص ۴۴ میں موجود ہے۔

⑨ ہر بدعت اپنے ساتھ کچھ سنتوں کو مٹاتی ہے

بدعتی پر بدعت کا یہ وبال آتا ہے کہ وہ سنتیں جن پر وہ پہلے عمل پیرا تھا وہ بھی ایک ایک کر کے اس سے چھین لی جاتی ہیں۔

اعلیٰ اور ادنیٰ کے اختلاط میں نتیجہ ہمیشہ ادنیٰ کے تابع ہوتا ہے۔ ایک شربت پورا میٹھا ہو اور دوسرا کم میٹھا (پھیکے کے قریب قریب) اگر جب دونوں کو ملا دیں تو مجموعہ پھیکے پن کی طرف جائے گا، جو شخص اپنے آپ کو سنی کہے اور پھر بدعات میں پڑے تو اس اختلاط سے نورِ سنت اٹھتا جائے گا اور سنتیں ایک ایک کر کے اس سے چھنتی جائیں گی۔

⑩ دین سراپا اتباع ہے بدعت اس کے خلاف ایک بغاوت ہے

دین سراپا اتباع اور پیروی کا نام ہے بدعت اسی فکر کے خلاف ایک بغاوت ہے جو بریلویوں نے محبت کے عنوان سے برپا کر رکھی ہے سوال یہ ہے کہ کیا بغاوت محبت کے عنوان سے بھی برپا ہو سکتی ہے؟ کہتے ہیں کیوں نہیں۔ کیا عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ کی عقیدت اور وارفتگی میں ان کے اصل دین سے بغاوت نہیں کر رکھی؟ اور کیا اثنا عشریوں نے اہل بیت کی عقیدت اور محبت کے نام پر حضرت علی المرتضیٰ کی محبت سے عملی بغاوت نہیں کی؟ مولانا احمد رضا خان لکھتے ہیں کہ جس طرح کبھی عداوت کی راہ سے آتا ہے کبھی محبت کی راہ سے بھی آتا ہے۔ بریلویوں کی بدعات کچھ اسی سلسلہ کی مختلف کڑیاں ہیں جنہوں نے بریلویوں کو راہِ سنت سے بہت دور کفر کی سرحد کے قریب لا کھڑا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ان بھائیوں کو شرک کی دلدل سے نکالے گو ایسے لوگ بہت کم ہیں جنہیں اس دلدل سے کبھی سلامتی نصیب ہوا۔ مولانا احمد رضا خان لکھتے ہیں:

> نصرانی اور یہودی کافر دونوں ہیں کہ ایک گروہ خدا کی محبت میں اور دوسرے عداوت میں۔ قرآن عظیم میں یہودیوں کو مغضوب علیہم اور نصاریٰ کو ضالین فرمایا

یہی وجہ ہے کہ آج روئے زمین پر کوئی یہودی ایک گاؤں کا بھی حاکم نہیں بخلاف
نصاریٰ کے کہ ان کی سلطنت ظاہر ہے۔ اور بعینہٖ یہی مثال روافض و وہابیہ کی
ہے کہ روافض مثل نصاریٰ کے محبت میں کافر ہوئے اور وہابیہ مثل یہود کے
عداوت میں۔ چنانچہ روافض کی حکومت ایران کا تخت موجود ہے اور وہابیہ کی
کہیں ایک شہر بھی نہیں[1]

بریلوی عام لوگوں میں یہی تاثر دیتے ہیں کہ انہیں حضور سے بہت زیادہ محبت ہے اور حقیقت یہ ہے لیکن وہ یہ نہیں سمجھتے کہ اس محبت سے یہ ضروری نہیں کہ وہ کفر و شرک سے کچھ زیادہ فاصلے پر ہوں۔ حق کی میزان کتاب و سنت ہیں یہودیوں کی انبیاء کرام سے کتنی محبت کیوں نہ ہو قرآن کریم قطعی بیان ہے کہ مشرک کبھی بخشا نہ جائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت تبھی تسلیم ہوگی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کی محبت دل و دماغ میں پیوست ہو اور بدعات سے اس طرح نفرت ہو جیسے نفیس طبائع کے لوگ مکھی کے کھانے پر بیٹھنے سے متنفر ہوتے ہیں ان کے لیے شریعت طبیعت بنی ہوتی ہے۔

بدعت کے یہ نقصانات جو ہم نے عرض کیے ان نقصانات کے علاوہ ہیں جو بدعتی کو آخرت میں دیکھنے پڑیں گے۔ بدعتی کا خاتمہ ایمان پر ہونا خطرے سے خالی نہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے محرومی یہ دوسری بدنصیبی ہے جس سے بدعتی آخرت میں دوچار ہوگا اور حوض کوثر سے اسے پیچھے ہٹا دیا جائے گا۔

رہی یہ بات کہ مولانا احمد رضا خان کی پیشگوئی کہ وہابیہ کی کہیں ایک شہر پر بھی نہیں ہو سکتی غلط نکلی۔ یہ اس وقت ہمارا موضوع نہیں۔ مرزا غلام احمد کی پیشگوئیاں تو اس سے بھی زیادہ جھوٹی نکلیں۔ وہ مدعی نبوت تھا اور یہ تو ابھی مجدد ہی بنے تھے۔

سه د یکم حسرات فی بطون المقابر

---

[1] احکام شریعت حصہ دوم ص ۲۲

بدعت کے وبال سے نکلنے کی ایک راہ

کسی شخص کو کسی درجے میں بدعت میں گھرا دیکھیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اب اس کی کسی طرح بخشش ہو سکے گی؟ اس کے جواب میں آپ کو اس بدعت کی تاریخ معلوم کرنی چاہیے۔ اس کا موجد اگر مجتہد درجے کا ہے اور اس نے اجتہاد کو امت کے قرون تک کیا ہو اور اس کی کسی تاویل سے اس بدعت کی راہ کھولی ہو تو ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مجتہد کو آخرت میں معافی مل جائے اور اسی طرح اس شخص کو بھی جو اس کی تقلید میں اس راہ پر چلا ہو ـــــ غیر مجتہد اور تقلید کے سوا بدعت کے وبال سے بچ نکلنے کی اور کوئی راہ نہیں ہے بدعت کے وبال سے نکلنے کی صرف ایک ہی راہ ہے ـــــ وہ یہ کہ بدعتی مجتہد درجے کا ہو اور کسی دلیل سے اس نے اس بدعت کو مستحسن سمجھا ہو یا وہ بدعتی کسی مجتہد کی تقلید سے بدعت میں جا پھنسا ہو۔

یہ راہ تقلید بڑی نعمت ہے کہ شاید اس بدعتی کو بدعت کے وبال سے بچا لے اور آخرت میں اس کی بخشش ہو جائے۔ حافظ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) لکھتے ہیں:

وقد یکون من فعل البدع متأولاً مجتهداً او مقلداً کان له اجر علی حسن قصده وعلی عمله من حیث ما فیه من المشروع وکان ما فیه من المبتدع مغفوراً له اذا کان فی اجتهاده او تقلیده من المعذورین[1]

ترجمہ: اور اس میں کچھ شک نہیں کہ جس شخص نے بدعات پر تاویل کی راہ سے عمل کیا اور وہ اس میں مجتہد کا مقام رکھتا ہو یا وہ کسی ایسے مجتہد کا مقلد ہو جس نے بدعت کی وہ راہ نکالی تو اسے اپنی نیت اور عمل کے مطابق جتنا ان اعمال بدعت کے حصہ مشروع پر اجر ملے گا اور حصہ بدعت پر اس کی مغفرت ہو سکے گی بشرطیکہ وہ اپنے اجتہاد یا تقلید میں معذورین میں سے ہو۔

---

[1] طرق الوصول الی علم المامول ص ۳۲ طبع مصر

یہ اسی طرح ہے جیسے دوسرے اجتہادی مسائل میں غلطی اور خطا کے وبال سے بچنے کی راہ صرف یہ ہے کہ کسی مجتہد کی پیروی میں کسی نادرست فیصلے پر عمل پیرا ہو۔ ورنہ کسی کے غلطی کے اس وبال سے بچ نکلنے کی کوئی راہ نہیں۔ آخرت میں یہ لوگ حسرت سے کہیں گے — لو کنا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحاب السعیر۔ (پ ۲۹: الملک آیت ۱۰)

بعض اگر مجتہد متاول یا مقلد ہونے کی راہ سے ان بدعات پر آیا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان بدعات کو گوارا کیا جائے یا اس سے لوگوں کو دھوکا دیا جائے یا سے۔ مرشروع ہے نہ چلا جائے — یہ رعایت جو حافظ ابن تیمیہؒ نے بیان کی ہے وہ بدعتی کے حق میں ہے بدعت کے حق میں نہیں اور بدعتی کے حق میں بھی صرف اس بحث میں کہ اس کی مغفرت ہو سکے گی یا نہ؛ یہ نہیں کہ اب اس کا شمار بدعتیوں میں سے نہیں۔

پہلے لوگوں میں سے کسی سے اگر کوئی بدعت صادر ہوئی تو ہمیں اس راہ میں معذور سمجھنا چاہیے یہ نہیں کہ اس کے اس عمل کو بہانہ بنا کر ان کی اس بدعت کو سند جواز مہیا کی جائے جو لوگ اپنے بزرگوں کے عمل کو سند بنا کر بدعات کا دروازہ کھولنا چاہتے ہیں۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے ان پر سخت نکیر فرمائی ہے۔

افسوس کہ ہمارے بریلوی عوام امام ابن تیمیہؒ کی بیان کردہ اس راہ سے بھی آخرت میں بدعت کے وبال سے نہ بچ سکیں گے کیونکہ وہ بقول خویش حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مقلد ہیں کسی ملنگ یا پیلی نام کے نہیں — اور وہ بریلوی جو امام ابوحنیفہؒ کی بجائے مولانا احمد رضا خاں کو امام مانتے ہیں انہیں بھی اس راہ سے جو حافظ ابن تیمیہؒ نے بتائی ہے کوئی فائدہ نہ پہنچے گا کیونکہ مولانا احمد رضا خاں مجتہد کے درجے کے نہ تھے۔ حضرت مولانا مرتضیٰ حسن نے علم کے میدان میں انہیں بارہا پچھاڑا تھا اور وہ کبھی ان کے سامنے ٹھہر نہ سکے تھے۔ مولانا معین الدین اجمیریؒ نے ان کے خلاف القول الاظہر لکھ کر ان کی علمیت کو طشت از بام کر دیا تھا۔

بدعت سے نفرت پیدا کرنے کی راہ

بدعت سے نفرت پیدا کرنے کے لیے سنتوں سے محبت ضروری ہے اور سنت سے محبت کی راہ آپ کو بزرگوں کی صحبت سے ملے گی نہ کہ گیارہویں کی مجالس سے۔

بندۂ مومن کو چاہیئے کہ بزرگانِ دین نے جن شمائل آنحضرت کا جو ذکر کیا ہے اسے بار بار پڑھے اور ان بزرگوں کی صحبت سے اپنے دل میں سنت کا نور اتارے۔ یہی وہ راہ ہے جس سے ہر ولی کو گزرنا پڑا ہے۔ اور اس مجاہدے کے بغیر کوئی ساحلِ ولایت پر نہیں اترتا۔

حضورؐ کی محبت کو سنتوں کی محبت لازم ہے

محب کی نظر میں محبوب کی ہر ادا محبوب ہوتی ہے اور جس چیز کو بھی اس سے نسبت پائی ہو وہ محب کی نظر میں محبوب ہوگی۔ اس امت کے لیے حضورؐ کے صحابہؓ اور اہلبیتؓ سے محبت کیوں ضروری ہے؟ یہ اس لیے کہ وہ حضورؐ کی نسبت پائے ہوئے ہیں۔ اب ان کی ادائیں بھی محبوب کی اداؤں کے ساتھ محب کے لیے جاذبِ نظر ہوں گی۔

اسلام میں حضورؐ کی محبت سب بنی نوعِ انسان کی محبت سے اقدم و اولیٰ ہے۔ دل کی کیفیت کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں۔ ظاہر میں آپ سے محبت کرنے والا اسے سمجھا جا سکتا ہے جسے آپ کی سنتوں سے پیار ہو، آپ کے صحابہؓ اور اہلبیت کی سنتوں سے پیار ہو اور ان کے طریقوں کے ماسوا دین کے نام پر کیا جانے والا ہر عمل اسے بدعت نظر آئے۔ بدعت سے پیار کرنے والا کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا محب نہیں ہو سکتا۔ جھوٹ اور دھوکا دوسری بات ہے۔

انگلینڈ میں عام آنے والے دین سے بے خبر تھے

یہاں (انگلینڈ میں) جو مسلمان ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش سے آئے ہیں ان میں زیادہ تر

متوسط طبقہ کے لوگ ہیں جو فیکٹریوں میں کام کرتے ہیں اور جن لوگوں نے یہاں کاروبار اور تجارت کی راہیں اختیار کی ہیں ان میں بھی غالب اکثریت دین سے ناواقف لوگوں کی ہے۔ یہی ناخواندگی اور درماندگی ان لوگوں کے پاس جو دولت ہے اس نے ان کو اپنے معاشرے میں نمایاں کر رکھا ہے ورنہ وہ جو ہیں یہ کسی سے مخفی نہیں۔ علم دین سے دلچسپی رکھنے والے لوگ یہاں بہت کم ہیں۔ یہ لوگ اس لیے نمایاں نہیں کہ وہ واقعی بڑے ہیں بلکہ صرف اس لیے کہ ان کے پاس دولت ہے۔ گو انہوں نے آگ لگا کر بنائی ہو۔

ان لوگوں نے اپنی دینی ضروریات پوری کرنے کے لیے (جیسے امامت، نکاح خوانی، ختم خوانی اور جنازہ وغیرہ) زیادہ تر بریلوی علماء منگائے۔ ان کا مقصد یہی تھا کہ مذہب کے نام پر ان کی یہ چند رسمیں باقی رہیں۔ دینی شعور نہ انہیں خود تھا اور نہ انہیں ایسے علماء کی ضرورت تھی جو انہیں یہ ذوق آگہی دے سکیں۔

دعوت کی کامیاب دینی محنت

تبلیغی جماعت نے یہاں الحمدللہ کچھ دینی شعور قائم کیا ہے اور آج مسجدوں میں جہاں نمازی ملیں گے وہاں اس محنت کا بنیادی دخل ہوگا۔ تاہم یہاں بھی ایک دعوت عمل ہے۔ دین کو علمی راہ سے جاننے اور سنت و بدعت کے فرق کو پہچاننے میں ان حلقوں میں بھی علمی محنت کی ضرورت ہے۔ یہاں جو دینی مدارس اور دارالعلوم کھلے ہیں ان میں بھی صرف نصابی کتابوں پر محنت کی جاتی ہے۔ ذہن سازی ان طلبہ کی بھی نہیں ہوتی۔ مگر امتحان میں پاس ہونے پر انہیں سند فضیلت دی جاتی ہے۔

ان حالات میں انگلینڈ، سکاٹ لینڈ، آئرلینڈ اور ویلز کی ایشیائی آبادیاں پاکستان سے آنے والے بدعتی پیروں اور پیشہ ور مولویوں کا اکثر ترجیحی ہدف ہیں جن کی دولت پر شرکی غنڈے اس طرح پڑتے ہیں جس طرح گدھ مردار پر پڑتے ہیں۔ مسلمانوں میں اختلاف پیدا کرنا اور جہاں پہلے سے اختلاف ہے اسے بڑھانا ۔۔ بے حیائی کے اس ماحول میں تعویذات کا کاروبار اور جنات نکالنے کے بہانے گھر در گھسنا مریدوں کے گھروں پر واردات یہ وہ اسباب ہیں جنہوں نے ان مسلمانوں کو علم دین

کے گرد جمع ہونے کے بہت کم مواقع دیتے ہیں

ان حالات میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مطالعہ بریلویت میں کچھ ان اہم بدعات کا تنقیدی جائزہ لیا جائے جو بریلویت کے امتیازی خطوط سمجھی جاتی ہیں اور وہ انہی سے پہچانے جاتے ہیں۔ اہل سنت کو عملاً ان نئے اختیار کردہ اعمال نے دو حصوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔

گجرات (ہند) کے اہل سنت علماء دیوبند نے اپنے حلقوں میں بے شک کچھ دینی محنتیں کیں اور ان کے ہاں تبلیغی نصاب بے شک پڑھا جاتا رہا لیکن پاکستان کے عام لوگ زیادہ تر بریلوی رسموں کا شکار رہے اور انہیں سنت اور بدعت میں فرق معلوم کرنے کے لیے مناسب وقت نہ مل سکا۔ اور یہ ان کے بریلوی علماء کو ان پر کچھ رحم آیا۔

عقائد کا اختلاف بے شک اب بہت سرد پڑ چکا ہے یہاں کے سنجیدہ طبقوں کا اب اب عام تاثر یہ ہے کہ یہ مولانا احمد رضا خاں کے جھوٹے الزامات تھے جو انہوں نے علماء دیوبند پر لگائے تھے اور انہیں درود و سلام کا منکر اور حضور کی شان کا بے ادب کہا گیا تھا یہ لوگ کی شبہات کے بادل بہت حد تک چھٹ چکے ہیں۔ اب یہ صرف چند عملی بدعات ہیں جن پر غور کرنے کی ضرورت ہے

عام جاہل لوگ بھی اب اتنا دینی شعور پا چکے ہیں کہ طبائع سلیمہ ان شرکیہ عقائد کو قبول نہیں کرتیں جنہیں ہم جلد پنجم میں شرکیہ عنوان سے آپ کے سامنے لا چکے ہیں۔ بہت کم بریلوی ہوں گے جو آج اپنی دنیوی حاجات قبروں سے مانگتے ہوں گے۔

ویسے تو ان لوگوں کے ہاں بدعات کی ایک لمبی فلم ہے جو سنیت کے نام سے چل رہی ہے تاہم وہ بدعات جنہیں ان لوگوں نے اپنے علیحدہ فرقہ ہونے کا سنگ میل ٹھہرا رکھا ہے وہ کچھ تریب ہیں ہم یہاں ان پر علیحدہ علیحدہ بحث کریں گے ان میں بھی ہمارا مقصد صرف مطالعہ بریلویت ہے رد بریلویت نہیں حقیقت حال خدا اور کھلنے دیں پھر پتہ چلے گا کہ یہ حضرات اس دور اختلاف میں کہاں سے کہاں پہنچ رہے ہیں۔ اعاذنا اللہ من ھذہ الخرافات۔

مختصر نقشہ بدعات

جن کے تحت پچاس بدعات کی ایک لمبی قطار چل رہی ہے

① کلمہ شریف کے گرد لائی گئیں بدعات

② اذان و اقامت کے گرد کی بدعات

③ نماز کے گرد لائی گئیں بدعات

④ صلوٰۃ و سلام کے گرد لائی گئیں بدعات

⑤ قبروں کے گرد لائی گئیں بدعات

⑥ ایصال ثواب کے گرد لائی گئیں بدعات

⑦ گیارہویں کے لیے تاریخ اور کھانوں کے التزامات

⑧ بارہویں کے سالانہ جلوس کے تکلفات

⑨ دو عیدوں کے ساتھ تیسری عید کا اضافہ۔ عید میلاد النبی

⑩ مساجد میں محافل نعت اور عورتوں کی آمد اور خوشامد

ان دس بڑی بدعات کے گرد ان کی متعدد فروع ہیں۔ پچاس بدعات کی ایک لمبی قطار دیکھنے سے مطالعہ بریلویت کا یہ باب مکمل ہو جائے گا۔ واللہ ھو الموفق لما یحبہ و یرضی بہ

افتتاحیہ

بحر الظلمات من امواج البدعات

والحمد لله والسلام على عباده الذين اصطفى. اما بعد فقد قال الله تعالى او كظلمات
في بحر لجي يغشاه موج من فوقه موج من فوقه سحاب ظلمات بعضها فوق بعض اذا
اخرج يده لم يكد يراها ومن لم يجعل الله له نورا فما له من نور وقال رسول الله صلى
الله عليه وسلم من احدث في امرنا هذا ما ليس منه فهو رد او كما قال النبي صلى الله عليه
وسلم (رواہ البخاری جلد ا صفحہ ۳۷۱)

بدعات کا تعلق بے علم لوگوں سے زیادہ ہوتا ہے وہ اپنی بے علمی کے باعث اندھیروں میں
ہیں بڑے علماء سے دور رہتے ہیں انہیں کن طریقوں سے تربیت دی جاتی ہے۔ ممکن ہے کہ کتاب و
سنت کی کوئی خوشبو تک انہیں نصیب ہو۔ ان کے مولوی تو شاید اپنے لیے کوئی تاویل کر لیتے ہوں
گے کہ وہ ان اعمال کو صرف ایک عمل مباح ہی جانتے ہیں نہ کہ کوئی عمل خیر۔ وہ انہیں سنت یا واجب
نہیں سمجھتے۔ لیکن ان کے عوام بدعات کے بحر ظلمات میں ایسے گھرے ہیں کہ جب کوئی شخص ان سے
ذرا بھی کھینچنے کی کوشش کرے تو ان کے مولوی پھر انہیں واپس گھسیٹ لاتے ہیں عوام کا کوئی علمی
پس منظر نہیں ہوتا۔ نہ وہ اپنے مولویوں کی کچھ جانچ پڑتال کر سکتے ہیں نہ ان کی عورتیں گھروں میں بیٹھی
کبھی ان مسائل کو جاننے کی کوشش کرتی ہیں۔ ان حالات میں دنیا پرست شکم پرور مولویوں پر
یہ بات بہت آسان ہو جاتی ہے کہ جب چاہیں کسی عمل کو جذبات کا رنگ دے دیں اور اپنے
پیروؤں کو ہمیشہ کے لیے طرح طرح کے کھانوں پر لگا دیں۔ کبھی کوئی کھانا پکے۔ اور کبھی کوئی۔ بزرگوں
کے نام پر مختلف ذائقوں کو شہرت دے کر انہوں نے پیٹ کے لیے ہر روز نئی بہار پیدا کر رکھی ہے
ان کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ کوئی مسجد ایسی نہ رہے جس میں سالانہ بڑی گیارہویں نہ ہوتی ہو۔

عوام بے چارے اس اصل بدعات میں اتنے گھیرے جا چکے ہیں کہ ان کو کسی طرح ان دلدلوں سے نکلنا نصیب نہیں ہوتا یہاں تک کہ پھر ان میں اور ان رسموں کے نہ ماننے والوں میں اتنا بڑا بھی فاصلہ قائم ہو جاتا ہے کہ یہ بے چارے عوام اپنا گھر اپنی اذان اپنی نماز اور اپنی مسجدوں تک کو دوسروں سے جدا کر لیتے ہیں۔ انگریزوں کی ہندوستان میں سیاسی پالیسی تھی کہ جہاں تک ہو سکے مسلمانوں میں تفرقہ عمل میں لاؤ اور اپنی حکومت کے دن بڑھاتے چلے جاؤ۔ اسی پالیسی سے وہ سوا سو سال تک حکومت کر گئے۔

انگریزوں کی اس سیاسی پالیسی کے نتیجہ میں ہندوستان کے سواد اعظم اہل سنت دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو گئے۔ ان کی اجتماعی حیثیت جاتی رہی۔ شیعہ اپنی جگہ خوش ہوئے کہ چلو اہل سنت میں بھی ہمارے کچھ ساتھی پیدا ہو گئے۔ یہاں تک روزنامہ زمیندار نے خبر دی ہے

شیعہ بریلوی سے گلے مل رہا ہے آج | لکھنؤ میں ہے دونوں کا قارورہ مل گیا
کندھا دیا جنازۂ ملت کو ایک نے | اور ایک جا کے قبر پہ پتھر کی سل گیا

سمجھ دار مسلمان اور تعلیم یافتہ لوگ ان مولویوں پر فرقہ بندی کا الزام دھرتے رہے اور یہ مولوی اندر ہی اندر خوش ہوتے رہے کہ چلو کچھ بھی ہو عوام کے گھروں سے ان کی پورے سال کی روٹیوں کا سامان ہو گیا ہے اور اس دوران میں کچھ اور لوگ بھی تو مریں گے ان کے تیجے دسویں اور چالیسویں جب اپنی باری میں آئیں گے اور پھر کوئی اور بھی تو مرے گا تو یہ کھانوں اور ختموں کا تسلسل کبھی نہ ٹوٹے گا۔

جو لوگ ان کے ساتھ شامل نہ ہوں ان کی کیا گت بنتی ہے یہ ان لوگوں سے پوچھو جو اہل بدعت کی مسجدوں کے قریب رہتے ہیں اور ان کے مولویوں سے شب و روز سنتے ہیں کہ یہ ایمان نعمت اور حلووں کے جلوے ان بدنصیبوں کی قسمت میں کہاں — یہ گیارہویں کو نہیں مانتے — پھر ان کی مسجدوں میں ندا لغیر اللہ کے نعرے گونجتے ہیں اور پولیس رپورٹر انگریز ڈپٹی کمشنر کو اطلاع دیتا ہے کہ مولانا فضل رسول کو گیارہ روپیہ یومیہ کا دیا گیا وظیفہ غذائیہ بند ہو گیا

ع مجلس نے ڈسیں پائی جب لقمے پہ شاد ہے
صبر مطمئن ہے کر کہ شا نگل گئی

بانی مذہب مولانا احمد رضا خان نے اپنی وفات سے دو گھنٹے سترہ منٹ پہلے نہایت عمدہ اور لذیذ کھانوں کی ایک مرغن فہرست مرتب فرمائی۔ یہ اعلیٰ حضرت کا زندگی کا آخری زمانہ تھا جس کی مدد سے ان کے مریدوں کے لیے سال بھر کے کھانوں کی ایک لائن لگ گئی مولانا احمد رضا خاں نے تو بیٹھتے میں صرف دو تین بار ان کھانوں کی طلب کی تھی لیکن اہل بدعت کے یہ مولوی صاحبان ہیں کہ ان کا تسلسل کہیں ختم نہیں ہوتا

ہمارے معاشرے کے مسلمان بدعات کے اتنے رسیا ہو چکے ہیں کہ کھانے پینے کی مخلوط اور عقیدوں کی محفلوں کے سوا نہیں کہیں رونق نظر نہیں آتی۔ اور مسجدیں بھی وہی بارونق سمجھی جاتی ہیں جہاں یہ سب کچھ ہوتا ہے جو بدعت کو آپ جہاں دیکھ پائیں آپ کو دور سے ہی اہل حق اور علماء بدعت میں واضح فرق معلوم ہو جائے گا۔ سنت کا نور بدعت کی ظلمت میں کبھی گم نہیں ہوتا

ان حالات میں ہم نے ضروری سمجھا کہ اس گروہ کی کچھ ہم بدعات بطور تقابلی مطالعہ قوم کے سامنے لائی جائیں۔ ہو سکتا ہے کہ ان اہل بدعت میں ہماری اس کوشش اور خلوص سے کچھ لوگوں پر سنت کا نور پھر سے آ چمکے اور وہ اس مختصر علمی شعور سے پھر سے اہل سنت کے دائرے میں آ جائیں جس کی دعوت برصغیر پاک و ہند میں علماء دیوبند ایک مدت سے دیتے چلے آ رہے ہیں۔

بدعت پر تفصیلی علمی بحث اور اس کے خطرناک نتائج آپ پچھلے مقدمہ میں پڑھ آئے ہیں۔ اب ایک نظر مطالعہ بدعات پر بھی کر لیجئے۔ یہ ایک بحر ظلمات ہے جس کا مطالعہ کرنا بھی نفیس طبیعتوں پر ایک بوجھ گراں ہے لیکن مرض کی تشخیص کے لیے معالج کو بہت کچھ دیکھنا پڑتا ہے کتاب و سنت سے صرف نسخہ شفا ملتا ہے لیکن آیات شفا کو کہاں منطبق کرنا ہے اس میں قارئین کرام کو خود عزم و ہمت سے کام لینے کی ضرورت ہے

ظلمات بعضها فوق بعض کی یہ دلسوز داستان یہیں ختم نہیں ہو جاتی۔ دنیا کے مختلف ممالک

میں اہل بدعت کی اپنی اپنی بدعات ہیں ہم یہاں صرف ان بدعات پر گفتگو کریں گے جو برصغیر پاک وہند میں انگریزی عملداری کے دوران میں عمل میں آئیں۔ بدعت ہمیشہ علاقائی رہتی ہے یہ صرف سنت ہے جو آفاقی ہے۔ اللہ تعالیٰ بدعت کو کبھی آفاقی درجہ میں آنے نہیں دیتے۔ اس کی لہریں اٹھتی ہے رہیں یا جھکتی رہے جب یہ ہاتھ نکالے تو نہیں لگتا کہ وہ اسے خود دیکھ پائے اور جسے اللہ ہی روشنی نہ دے کون ہے اسے روشنی دینے والا۔

او کظلمات فی بحر لجی یغشاہ موج من فوقہ سحاب ظلمات بعضہا
فوق بعض اذا اخرج یدہ لم یکد یراہا ومن لم یجعل اللہ لہ نورا
فما لہ من نور۔ (پ۱۸ النور ۴۰)

ترجمہ: یا جیسے اندھیرے گہرے دریا میں۔ چڑھی آتی ہے اس پر ایک لہر اس پر ایک اور لہر۔ اس کے اوپر بادل۔ اندھیرے ہیں ایک پر ایک جب نکالے اپنا ہاتھ لگتا نہیں کہ وہ اسے سوجھے۔ اور جسے اللہ نے ہی نہ دی روشنی اس کے واسطے کہیں روشنی نہیں ہے۔

بدعات سنن نبوت کے گرد کانٹوں کی ایک باڑ ہے اور دین محمدی میں ایک اضافہ ہے۔ اسلام کی بنیاد پانچ ارکان پر ہے کلمہ، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج۔ شیطان تحریف دین کے لیے زیادہ انہی کے گرد گھومتا ہے

۱۔ کلمہ پڑھنا ایک بڑی نعمت ہے بریلویوں نے کچھ بدعات اس کے گرد جمع کردیں ۲۔ نماز دین کا ستون ہے انہوں نے کچھ بدعات اذان اور نماز میں ڈال دیں۔ ۳۔ زکوٰۃ صدقات وخیرات کو تیجے دسویں اور چالیسویں سے وا قدار کیا گیا۔ ۴۔ ماہانہ گیارہویں اور سالانہ بڑی گیارہویں کو اپنے جلوس میں زکوٰۃ سے زیادہ اہم بنا دیا ہے۔ رمضان کے آخری عشرہ میں ضرورت سے زیادہ چراغاں کیا اور نفل نمازیں تداعی سے زیادہ پڑھنا شروع کر دیں اور انہیں اعمال اسلام بنا دیا ۵۔ حج کے موقعہ پر ائمہ حرمین کے پیچھے نماز نہ پڑھنا اور جمعہ کے دن ظہر پڑھنا اپنا جماعتی نشان بنالیا۔

عید میلاد کے نام سے دو عیدوں میں ایک تیسری عید کا اضافہ کیا۔ عرسوں کے نام سے قبروں پر میلے لگائے۔ بہشتی دروازوں سے گزر لینے کے رستے نکالے۔ اور امام جعفر صادق کے نام سے ماہ رجب کے کونڈے آسمان کے فرشتوں سے بچ بچ کر ڈھونڈے۔ ان جیسی اور کئی بدعات ان کے علاوہ ہیں جنہیں جاہل مسلمان نیکی اور عبادت سمجھ کر بجا لاتے ہیں اور انہیں اپنے ہاں کار خیر کہتے ہیں۔

اہل سنت مسلمانوں کو چاہیئے کہ ان اعمال کو فقہ حنفی کی روشنی میں دیکھیں۔ علمائے اہل بدعت اپنے اس نئے مذہب کو فقہ حنفی سے کبھی پیش نہیں کرتے نہ کر سکتے ہیں۔ وہ صرف عمومات قرآن اور تخیل بازی سے کام لیتے ہوئے وہ ان پر وہ احادیث پیش کرتے ہیں جو سرے سے موجود نہیں ہوتیں یا ضعیف ہوتی ہیں جو عقائد کے باب میں قابل قبول نہیں ہوتیں۔ اگر یہ لوگ فقہ حنفی کی روشنی میں کتاب و سنت میں اترتے تو یہاں انہیں کسی بدعت کی گنجائش نہ ملتی۔

برصغیر پاک و ہند کا شجرۂ بدعات کلمہ کے گرد چند اندھیرے چھوڑتا ہے اور پھر ہر بدعت کو چھوتے ہوئے ایصال ثواب کے گرد چند گہرے اندھیرے چھوڑ کر گم ہو جاتا ہے ہم اسے اسی ترتیب سے ذکر کریں گے۔

۱۔ کلمہ پڑھنے میں بدعت کی راہیں	٦۔ اہل میت کے ہاں کھانوں کی دعوتیں
۲۔ اذان و اقامت میں لائی گئیں بدعات	۷۔ ندائے غیر اللہ برائے طلب حاجات
۳۔ نمازوں میں لائی گئیں بدعات	۸۔ ایصال ثواب کی تاریخوں کا التزام
۴۔ درود شریف کے گرد لائی گئی بدعات	۹۔ غیر مسلموں کے تہواروں کا کھانا کھانا گلے دن
۵۔ قبروں پر کی جانے والی بدعات	۱۰۔ میلاد النبی کی تقریب بصورت عید

وہ کون سی طہارت ہے جہاں بدعات کا اندھیرا نہیں پہنچا۔ آپ اسے بعنوان بغاوت دیکھتے جائیں اور اس قوم کی قسمت پر آنسو بہاتے جائیں جس نے نہ صرف تقسیمِ امت کا جرم کیا ہے بلکہ درمیان میں تکفیر کی بہت اونچی دیوار کھڑی کر دی ہے اور یہ لوگ بحرِ ظلمات میں اس قدر کھو کر رہ گئے کہ کوئی کنارے پر آتا دکھائی نہیں دیتا۔

ان کنت لا تدری فتلک مصیبۃ

وان کنت تدری فالمصیبۃ اعظم

یہ بدعات چونکہ آپس میں مربوط ہیں اس لیے بسا اوقات آپ کو ایک بدعت کی ظلمت دوسری میں بھی دکھائی دے گی وہاں ہم پھر علم کی روشنی لائیں گے جسے ہم پہلے اندھیروں میں دکھا چکے۔ اس لیے بعض مقامات پر تکرار حوالجات ضروری معلوم ہوئے محدثین کے مسلک پر ایک حدیث بعض اوقات کئی کئی ابواب میں لانی پڑتی ہے۔ ہم اس پر اپنے قارئین کرام سے معذرت خواہ ہیں۔

اب آپ اس شجرہ بدعات پر ایک نظر ڈالیں اور دیکھیں کہ ایک ایک بدعت کے سرے آگے کہاں کہاں جا کر چھوٹے ہیں۔ نیکی نیکی کو جنم دیتی ہے جیسے فرمایا ان الصلوٰۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر اور بدی اپنے گرد چاروں طرف سے اندھیروں کی باڑ کھینچتی ہے جس پر بریلوی مولویوں کے سوا کوئی بھی مسکراتا نہیں دیکھا گیا۔ آئیے اس بحرِ ظلمات میں اتریے اور بدعت کی اس پیچ پس موجوں پر بریلوی مولویوں کی تلاطم خیز موجیں ملاحظہ فرمائیں۔

بدعات بظاہر چھوٹے چھوٹے اعمال ہیں اور بظاہر یہ ایک معمولی غلطی معلوم ہوتی ہے لیکن اس حقیقت سے کبھی صرف نظر نہ کی جائے کہ بدعت معصیت سے اتنی قریب نہیں جتنی یہ کفر کے قریب ہے ۔۔۔ بدعات کا یہ طوفان اگر کسی قوم پر اٹھ آئے تو اس گروہ کے ایک ایک فرد کا ایمان پر خاتمہ ہونا نہایت خطرے میں پڑ جاتا ہے۔

سو اہل بدعت کا یہ طبقہ لائق نفرت نہیں لائق خیر خواہی ہے۔ بزرگوں کا کہنا ہے نفرت مرض سے کی جائے مریض سے نہیں اس سے جتنی ہمدردی کی جائے کم ہے ہم ان لوگوں کو جنہیں جو مرض ہے نفرت کرتے ہیں اور اختلاف کو اور بڑھاتے ہیں باہمی اختلاف میں تفرقہ بڑھانے والے نادان عوام کو اور زیادہ اندھیروں میں دھکیلتے ہیں۔

اے مالک حقیقی ان بے علم مسلمانوں کی ان ظالم علماء سے حفاظت فرما۔ جنہیں ہدایت دے یہ نہیں جانتے اور یہ علماء کیا جو دراصل ان کے درپے ایمان ہیں اور ان پر ذرا رحم نہیں کھاتے۔

ہمیں افسوس ہے کہ ہمارے اہلحدیث دوست (باصطلاح جدید) شرک و بدعت کے اس طوفان میں ہمارا ساتھ نہیں دے رہے۔ ان کی ساری توانائیاں اس پر لگ رہی ہیں کہ فروعی مسائل پر صحابہؓ میں بھی اختلاف رہے ان میں حق و باطل کے فاصلے کھڑے کر دیں محدثین نے تو ایسا نہیں کیا تھا۔ اہل سنت کے ہاں اہلحدیث کی یہ کوشش ایک دینی شیعیت ہے۔ اہل سنت صحابہؓ کے کسی طبقے کو باطل پر نہیں کہہ سکتے اگر وہ اس میں ان کی پیروی نہ کریں۔

ساتھ دینا تو درکنار یہ لوگ الٹا شیخ محمد بن عبدالوہابؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کو کوستے ہیں کہ انہوں نے شرک و بدعت کے خلاف کیوں یہ جہاد کیا مشہور اہلحدیث عالم علامہ وحید الزمان لکھتے ہیں۔

> ہمارے بعض متاخرین نے شرک کے معاملہ میں بڑا تشدد و تنگی کر رکھا ہے اور اسلام کا دائرہ بہت تنگ کر دیا ہے کہ امور مکروہہ یا محرمہ کو بھی شرک قرار دے دیا ہے۔ [۱]

---

[۱] ہدیۃ المہدی ص ۲۶

اسلام کے دائرے کو اس طرح وسیع کرنا کہ اس میں کسی درجہ کا مشرک بھی سمو جائے اس کی ہمیں کتاب و سنت سے کوئی راہ نہیں ملتی کاش کہ ہمارے اہلحدیث دوست شیخ محمد بن عبدالوہاب اور شاہ اسماعیل شہید کی اس طرح مخالفت نہ کرتے اور انہیں متشدد قرار نہ دیتے

اہل بدعت کی یہ ظلمتیں آپ کو ان کے کلمہ پڑھنے کے گرد بھی ہر طرف چھائی ملیں گی ان کی نمازوں پر بھی آپ کو ہر طرف بدعتوں کے اندھیرے نظر آئیں گے ۔۔۔ حرمین شریفین میں داخل ہو کر بھی ان کے دلوں کی ظلمتیں نہیں دھلتیں اور وہ دھلیں بھی کیونکر جب یہ وہاں جا کر بھی جمعہ نہیں پڑھتے اور برملا کہتے ہیں کہ ائمہ حرمین کے پیچھے ہماری نماز نہیں ہوتی۔

ہم ان کی کل بدعات کا احاطہ تو نہیں کر سکیں گے تاہم ان کی عام اختیار کردہ چالیس کے قریب بدعات کا ہم تحقیقی جائزہ لیں گے۔ امید ہے مطالعہ بریلویت کی چھٹی جلد بریلویوں کی ان بدعات کو کسی حد تک ضرور بے نقاب کرے گی جس طرح اس کی پانچویں جلد نے ان کے عقائد خمسہ کو ضروری حد تک خوب کھول دیا ہے۔

مطالعہ بدعات میں ہم نے ان کی کتابوں کو جو انہوں نے اپنے نظریات کی حمایت میں لکھی ہیں بہ نظر غائر دیکھا ہے اور ان کے دلائل کو بھی غیر جانبدارانہ نظر سے دیکھنے کی کوشش کی ہے مگر افسوس کہ ہمیں ان کتابوں میں اندھیرے کے سوا کچھ نہیں ملا ۔۔۔ تاہم بعض کتابوں کے نام یہاں بھی لکھ دیتے ہیں قارئین کرام کی نظر میں بدعات کی حمایت میں ان سے بہتر کوئی کتاب گزری ہو تو ہمیں اس سے مطلع کر کے ممنون فرمائیں تاکہ ہم اسے بھی دیکھ پائیں۔

بدعات کی حمایت میں جو کتابیں بریلویوں نے تفریق امت کے لیے لکھیں

۱۔ سیف الجبار علی اعداء الابرار ۲۔ بوارق المحمدیہ علی الطائفۃ الشیطانیۃ النجدیہ

۳۔ تصحیح المسائل یہ حضرت شیخ محمد اسحق محدث دہلوی کے رد میں لکھی گئی

۴۔ نصرۃ المسلمین ۵۔ حق الیقین

علمائے اہلسنت کی کاروائی

علمائے اہل بدعت کی کتاب و سنت کی اس تحریف کے خلاف اکابر علمائے اہلسنت اٹھے حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ اور شیخ الاسلام حضرت مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوریؒ اور شیخ الحدیث مولانا عبدالغنی شاہجہانپوریؒ مؤلف الجنۃ لاہل السنۃ، مولانا محمد منظور نعمانیؒ مؤلف سیف یمانی بر مکائد فرقہ رضاخانی اور فتح بریلی کا دلکش نظارہ، مولانا سید فردوس شاہ قصوری مؤلف چراغ سنت اور شیخ الحدیث مولانا سرفراز احمد خان صفدر مؤلف راہ سنت نے توحید و سنت کی حمایت میں اتنا کام کیا کہ علماء اہل بدعت کا کہیں کوئی علمی وزن محسوس نہ کیا گیا اور نہ یہ اس قابل رہے

ہم اہل بدعت کی انگریزی حکومت کی سیاسی خدمات سے، ان کے علمائے حق اہل سنت و جماعت پر افتراءات سے، ان پر مذہب اور شیعیت کے اثرات پر پیچھے بہت کچھ لکھ آئے ہیں یہاں ہم صرف ان کی عملی بدعات پر کچھ تنقیدی تبصرہ کریں گے۔ یہ مطالعہ بریلویت ہے رد بریلویت نہیں ہے تاہم یہ حقیقت از خود واضح ہو جائے گی کہ یہ لوگ کس طرح اہل سنت سے نکل کر مذاہب کی دنیا میں اپنا ایک علیحدہ خیمہ لگا چکے ہیں۔

اہل بدعت کے علماء میں ۱۔ مولانا فضل رسول بدایونی (ھ) ۲۔ مولانا عبدالسمیع رامپوری (ھ) ۳۔ قاضی فضل احمد گورداسپوری (ھ) اور ۴۔ مولانا احمد رضا خان بریلوی (ھ) ان کے اکابر ہیں بدعات کو عملی سند اور شہادت بہم پہنچانے اور علمائے دیوبند سے اختلاف تکفیر تک لے جانے میں مولانا احمد رضا خان نے تاریخی کردار ادا کیا ہے۔ وہ ہی اس نئے مذہب کے بانی سمجھے جاتے ہیں۔ انہوں نے اپنی وصیت میں اپنے مذہب پر چلنے کی تلقین کی ہے اور اسی نسبت سے انہیں بریلویوں کا اعلیٰ حضرت کہا جاتا ہے۔ مولانا عبدالسمیع رامپوری تکفیر عقائد کی حمایت میں اتنے آگے نہیں گئے جتنے وہ بدعات میں آگے بڑھے ہیں۔ انوار ساطعہ انہی کی تالیف ہے۔ مولانا احمد رضا خاں انہیں اپنا بڑا بھائی لکھتے ہیں۔ ان کا علمائے دیوبند سے تکفیر کی حد تک اختلاف

رہا تھا — ان کے دوسرے دور کے نمائندوں میں پہلے مولانا نعیم الدین مراد آبادی ہیں دوسرے مولانا حشمت علی لکھنوی۔ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان میں مولانا احمد رضا خان کی روح حلول کر آئی تھی انہیں یہ لوگ مظہر اعلیٰ حضرت کہتے ہیں۔ ان کے تیسرے نام مفتی احمد یار خان گجراتی رہے اور چوتھے مولانا محمد عمر اچھروی ہوئے۔ ان کے ان اور آخری نمائندوں نے بدعات کی حمایت میں جاء الحق اور مقیاس حنفیت جیسی کتابیں لکھ کر بدعات کی گرتی ہوئی دیوار کو سہارا دینے کی کوشش کی ہے لیکن افسوس کہ یہ سارا سمندر کا جھاگ اسی طرح بہہ گیا جس طرح بہہ گئے یہ انگریز کے دور میں۔ کما قال فاما الزبد فیذہب جفاء

ان بزرگوں کی تالیفات میں ان کے علمی گالیوں، الزامات کی تحریفات، اور عقائد کے اختلافات کو چھوڑ کر یہاں صرف ان کی اپنی عملی بدعات کی نشاندہی کریں گے جن کو انہوں نے اپنا مشن بنا رکھا ہے۔ آپ انہیں کسی علمی میدان میں دیکھیں تو انہیں آپ کو یک زبان و بیان جھاگ کے سوا اور کچھ نظر نہ آئے گا۔ ہم نے بھی ان کی کتابوں پر ایک تنقیدی نظر کی ہے اور صحیح ہے کہ ہمیں ان سے مطالعہ بریلویت میں کافی مدد ملی ہے

بدعات کی ان سیاہ گھٹاؤں کے باوجود ہمیں ان کے عوام سے پوری ہمدردی ہے وہ بیچارے جانتے نہیں۔ اور ان کے علماء ان پر کسی طرح کا رحم نہیں کھاتے۔ ان کی پوری تحریک ان کو شرک و بدعت میں دھکیلنے میں چل رہی ہے۔

اے الٰہ حقیقی ان بے چارے مسلمانوں کو ان علماء سے حفاظت فرما اور اپنی طرف سے ان کے دلوں میں توحید و سنت کا نور اتار دے تاکہ ہم سب ایک ہو کر پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے عنوان سے دنیا میں ایک باوقار قومی سطح پر جمع ہو سکیں ۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے — نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کاشغر

ان ارید الا الاصلاح وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

مؤلف عفا اللہ عنہ

بدعات کا بحرِ ظلمات

سنت سے بھٹکے کہاں جا اٹکے

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد:

اسلام کے ارکان پنجگانہ میں کلمہ پہلا رکن ہے اہل بدعت نے اسے بھی مشق اور تشخصات سے نہیں بچنے دیا شاید اسے وہ کوئی اہمیت دیتے ہیں۔ وہ دور جا چکا جب دنیا میں کلمہ کو ایک اسلامی اصطلاح تھی اور کلمے کا ہر حلقہ اسلامی میں ایک احترام تھا۔ افسوس ہے کہ اس نئے دور میں اہل بدعت نے، جیسے دوسرے میں کلمے کی یہ آبرو بھی رہنے نہیں دی بلکہ مسلمانوں پر بھی کفر کے تیر اس بے دردی سے پھینکے کہ شرافت اور دیانت سر پیٹ کر رہ گئیں یہاں پہلے ہم کلمہ کے مضمون اور حقوق پر چند سطور لکھتے ہیں اس کے بعد ہم ان کانٹوں کی نشاندہی کریں گے جو اہل بدعت نے کلمے کے گرد پھیلا رکھے ہیں۔

کلمہ شریف پاک کلمہ ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار اور صرف اس ایک کے لائق عبادت ہونے کا اظہار ہے۔ مکہ میں قریش میں پیدا ہونے والے عبدالمطلب کے پوتے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار اور اس دور میں آپ کی ہی رسالت کے کافی اور وافی ہونے کا عقیدہ لپٹا ہوا ہے۔ جس مسلمان کا آخری کلام یہ کلمہ ہو وہ خوش نصیب جنت میں جانے کے لائق ہو جاتا ہے۔

اس کلمے کے اقرار پر بشرطیکہ اس سے اس اقرار کے خلاف کوئی بات صادر نہ ہو دنیا کے بھی بہت سے احکام مرتب ہوتے ہیں جیسے نکاح، اخوت، وراثت اور نماز جنازہ کا مسلمانوں پر فرض کفایہ ہونا وغیرہ اور آخرت میں بھی انسان اس کلمہ کی بدولت اللہ تعالیٰ کی بادشاہی میں داخل ہوتا ہے۔

اس کلمہ کو اقرار شہادتین بھی کہتے ہیں یہ عقیدہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے الفاظ سے بھی اور کلمہ شہادت کے الفاظ سے بھی بیان ہوتا ہے اس اقرار میں آنے والے کو مومن اور

مسلم کسی لفظ سے بھی ذکر کیا جاسکتا ہے یہ دیانت پر مبنی ہے۔ اس میں کسی کے اندر سے بحث نہیں ہوتی جب تک کہ اس کے اندر کی بات اس اقرار کے خلاف اس سے خود ظاہر نہ ہو جائے۔ سو یہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ فلاں شخص مسلم تو ہے مگر مومن نہیں ہے یا مومن تو ہے مگر مسلم نہیں ہے۔ دین کامل ہونے کے بعد اب ان میں کوئی فرق نہ کیا جائے گا۔ ہاں ایمان اور اسلام کی تعریف علیحدہ علیحدہ کی جائے تو ایمان میں عقائد اور اسلام میں اعمال کا پہلو غالب ہوگا۔ تاہم یہ بات صاف ہے کہ کہ اعمال خیر کا وجود بدوں ایمان کے متقوم نہیں پاتا۔

عربی میں جس طرح سبحان اللہ کہنے کو تسبیح کہتے ہیں لا الہ الا اللہ پڑھنے کو تہلیل کہتے ہیں اور اللہ اکبر کہنے کو تکبیر کہتے ہیں تسبیح ہو یا تہلیل یا تکبیر یہ سب اذکار ہیں اور اعمال ہیں۔ مگر ان کے پیچھے اللہ رب العزت کے پاک ہونے لائق عبادت ہونے اور ذات کبریا ہونے کا عقیدہ کارفرما رہتا ہے۔

کلمہ اسلام میں کتنی روشن اور شفاف سچائی ہے مگر افسوس کہ لوگوں نے اس میں بھی بہت سی بدعات کی راہیں نکال رکھی ہیں ہم یہاں ان میں سے بعض کی نشاندہی کیے دیتے ہیں یہ بے علم مسلمانوں کی عملی بدعات ہیں اور ان کے پیچھے اہل بدعت کے وہ عقائد ہیں جنکی نشاندہی ہم جلد پنجم میں کر آئے ہیں۔

کلمہ میں بدعت کی راہیں

کلمہ میں اقرار شہادتین ہے:۔

۱۔ ایک صرف ایک معبود کی شہادت ہے

۲۔ اور دوسری اس دور کے صرف ایک رسول کی بات ہے۔

اس میں کسی تیسری شہادت کا ذکر نہیں نہ اصول اسلام کی روشنی میں ہمیں کسی اور شہادت کی ضرورت ہے۔ بدعت فی الشہادت کے مجرم اٹھے اور انہوں نے کلمہ میں ایک تیسری شہادت کی

طرح داخل کر دی

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ۔

ہماری اذان میں بھی دو ہی شہادتیں ہیں۔

۱۔ اشہد ان لا الٰہ الا اللہ۔

۲۔ اشہد ان محمداً رسول اللہ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اذان میں یہ دو ہی شہادتیں تھیں عراق میں کچھ لوگ اٹھے اور انہوں نے ایک تیسری شہادت بھی اذان میں داخل کر دی۔

۳۔ اشہد ان علیاً ولی اللہ۔

آگے اذان کی بحث میں ہم اس پر ان شاء اللہ کچھ حوالے پیش کر سکیں گے۔

کلمہ ایک نہایت پاک کلمہ ہے اس میں اپنے عقیدے کا اظہار ہے ہم اسے کسی وقت بھی پڑھ سکتے ہیں یہ افضل ترین ذکر ہے کتاب و سنت میں اسے مطلق کہا گیا ہے اسے اپنی طرف سے کسی خاص وقت، کسی خاص ہیئت یا کسی دوسرے عمل کے ساتھ خاص کرنا یہ دین میں ایک زیادتی ہے اس زیادتی کو بدعت کہتے ہیں شریعت کے احکام کی حدود و قیود بھی شریعت سے ہی ملنی چاہیئے ہمیں اپنی طرف سے کسی مطلق کو مقید کرنے کا حق نہیں کلمہ پڑھنے کو چند اوقات سے خاص کر لینا اس پر شرعی دلیل درکار ہے

۱۔ فرض نمازوں کے بعد سب نمازیوں کا بلند آواز سے کلمہ پڑھنا۔

۲۔ جنازہ کے ساتھ بلند آواز سے کلمہ پڑھنا، کلمہ شہادت کلمہ شہادت کی آوازیں لگانا

۳۔ نکاح کے وقت دلہن اور دولہا سے کلمے پڑھانا۔

۴۔ غسل کرنے کے بعد کلمہ پڑھنا۔

ان سب تخصیصات کے لیے دلیل درکار ہے۔

جب بریلوی علماء ان سب تخصیصات پر دلیل پیش کرنے سے عاجز آجاتے ہیں تو وہ

اباحت عامہ کا سہارا لیتے ہیں کہ کتاب و سنت میں جہاں کہیں اس سے منع نہیں کیا گیا اور وہ نہیں
جانتے کہ وہ اس استدلال سے اہل سنت کی لائن سے نکل کر معتزلہ کی صف میں جا چکے ہیں۔

کوئی عمل اپنی اصل میں مسنون ہی کیوں نہ ہو کتاب و سنت میں وہ بیان مذکور ہو لیکن اس
کی بھی جب ہیئت بدلے اس میں تکلفات آ شامل ہوں تو وہ مسنون نہیں بدعت ہو جائے گا گو کہ وہ
اپنی ذات میں کتنا پاک اور طیب ہو اسے اپنی تخصیصات سے خاص کرنا کیوں اسے بدعت کے
درجہ میں لے آئے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کشفاً اطلاع ہوئی کہ جعفرؓ بن ابی طالب غزوہ موتہ میں
شہید ہو گئے ہیں تو آپ نے اپنے گھر والوں کو کہا کہ جعفرؓ کے گھر والوں کے لیے کھانا تیار کرو۔
وہ ایسے حال میں ہیں کہ ان میں پکانے کی ہمت نہیں، اب ظاہر ہے کہ اہل میت کے ہاں ایسے
حال میں کھانا پہنچانا مسنون ہے لیکن لوگوں نے جب اس سنت کو بھی فخر و مباہات اور دکھلاوے
میں ڈھال لیا اور لوگ اسے بطریق دعوت کھانے لگے نہ گھر والوں کی تخصیص رہی نہ احساس ہمدردی
باقی رہا تو پھر علماء نے اسے مسنون کہنے کی بجائے بدعت کا نام دیا۔ اس سے پتہ چلا کہ بدعت کسی
نئی چیز کو ذاتاً پیدا کرنے میں محدود نہیں جو چیز ذاتاً پہلے موجود ہے اسے وصفاً نئی ہیئت دینی
کسی وقت کی تخصیص دینی یا اسے اس کے درجہ سے، مثلاً مباح کو واجب تک لے جانا۔ یہ
اوصاف عمل بھی اسے مندوب و سنت سے نکال کر بدعات میں داخل کر دیتے ہیں۔

مذکورہ واقعہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا ارشاد تھا۔

ان آل جعفر قد شغلوا بشان میتہم فاصنعوا لہم طعاماً

محدثین نے اسے اس وقت تک سنت جانا جب تک اس عمل کی پہلی ہیئت قائم رہی۔
جب لوگ اپنے رواج میں اسے ایک نئی ہیئت پر لے آئے محدثین نے اسے برملا بدعت کہا
کہ اب یہ عمل وصفاً ایک نئی ہیئت میں آگیا ہے۔ امام ابو عبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ الربعی (۲۷۳ھ)
سنن میں مندرجہ بالا حدیث روایت کرنے کے بعد لکھتے ہیں:-

قال ابو عبد اللہ فما زالت سنة حتى كان حديثا فترك۔ [1]

ترجمہ: یہ عمل برابر سنت سمجھا جاتا رہا یہاں تک کہ یہ ایک نئی شکل میں آ گیا پس اسے ترک کر دیا گیا۔

اس سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ بدعت یہی نہیں کہ دین میں کوئی نیا عمل لایا جائے پہلے سے جو عمل دین میں موجود تھا اسے بھی اگر وہ منافی صورت دی جائے تو وہ عمل اپنی اصل کی بنا پر باقی نہ رکھا جائے گا اسے بدعت کہہ دیا جائے گا محدثین نے یہ قاعدہ اپنی طرف سے نہیں گھڑا صحابہؓ کی سوچ بھی یہی تھی حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کا نماز ضحیٰ کو بدعت کہنا حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسے گھر میں پڑھنا ثابت ہے اسی قاعدہ سے تھا۔ امام نوویؒ کا درج ذیل بیان ہم پہلے درج کر آئے ہیں کہتے ہیں :-

واما ما صح عن ابن عمر انه قال في الضحى هي بدعة فمحمول على ان صلاتها في المسجد والتظاهر بها كما كانوا يفعلونه بدعة لا ان اصلها في البيوت ونحوها مذموم او يقال قوله بدعة اى المواظبة عليها لان النبي صلى الله عليه وسلم لم يواظب عليها خشية ان تفرض۔ [2]

ترجمہ: اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے نماز چاشت کے بارے میں جو صحیح طور پر ثابت ہے کہ وہ اسے بدعت کہتے تھے سو اسے اس پر محمول کیا جائے گا کہ اسے مسجد میں پڑھا جائے اور کھلے طور پر پڑھا جائے جیسا کہ لوگ اس زمانہ میں کرنے لگے تھے یہ بدعت ہے یہ مطلب نہیں کہ اس کا گھروں میں پڑھنا بھی مذموم ٹھہرے یا حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے اسے بدعت کہنے کو اس کی مواظبت (ہمیشگی کی پابندی) پر محمول کیا جائے۔ اس کی مواظبت اس لیے نہ کی گئی کہ کہیں یہ نماز فرض نہ ہو جائے۔

سنت کے گرد کن راہوں سے بدعات کے کانٹے بکھیرے گئے ہیں ان میں یہ چند اعمال بطور نمونہ ہدیہ قارئین ہیں۔

---

[1] سنن ابن ماجہ صفحہ ۱۱۲ [2] شرح صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۴۹

① پیروں کے پیچھے مریدوں کا کلمہ پڑھتے ہوئے چلنا
② فرض نماز کے بعد بلند آواز سے اکٹھا کلمہ پڑھنا
③ نکاح کے وقت دولہا اور دلہن کو کلمے پڑھانا۔
④ جنازے کے پیچھے کلمے کا ورد کرتے ہوئے چلنا
⑤ اپنی طرف توجہ دلانے کے لیے کلمے کا استعمال

اب یہاں ہم ان کی کچھ تفصیل کیے دیتے ہیں اس کے ضمن میں اور بھی بہت سے مسائل سمجھ میں آجائیں گے۔

کلمہ پڑھنے میں بدعت کی راہیں

کلمہ شریف نہایت پاک کلمہ ہے جس مسلمان کا آخری کلام یہ کلمہ ہو۔ وہ یقیناً جنتی ہے۔ یہ وہ پاک اقرار ہے جس پر دنیا کے بھی بہت سے احکام مرتب ہوتے ہیں اور آخرت میں انسان اس سے خدا کی بادشاہی میں داخل ہوتا ہے۔

لیکن کلمہ پڑھنے کو کسی خاص وقت یا کسی خاص ہیئت یا کسی خاص عمل سے خاص کر لینا یہ اپنی طرف سے ایجاد بندہ ہے۔ شریعت کے احکام کی حدود و قیود بھی شریعت سے ہی ملنی چاہئیں نہ کہ انسان ان اعمال میں سے کسی عمل کو اپنی مرضی سے کسی وقت کے ساتھ خاص کر لے۔ اس تخصیص وقت پر بھی شرعی دلیل درکار ہے۔

① پیروں کے پیچھے مریدوں کا کلمہ پڑھتے ہوئے چلنا

بریلوی پیر باہر نکلیں گے یا بازار میں چلیں گے تو صاف پہچانے جاتے ہیں کہ یہ بریلوی ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ کوئی اور مخلوق آسمان سے نکل آئی ہے۔ سر پر سفید دو پٹہ ہوتا ہے۔ راستہ چلتے حضرت کی وزدیدہ نگاہیں ساتھ ساتھ چلنے والے مریدوں کی خدایانہ ادا اور کلمے کی دھیمی دھیمی صدا

مجال ہے کوئی کسی سے ایسی بات کہہ سکے۔ روزنامہ جنگ لندن میں ایک پیر صاحب جنہیں بعد میں گیارہ سال قید کی سزا ہوئی تھی، جیح ان کے چیلے کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچتا ہے۔

اپنی گرفتاری سے قبل ان کا شمار برطانیہ میں رہنے والے ان پیروں و مشائخ میں ہوتا تھا جو اپنے عقیدتوں مریدوں کے ساتھ چلتے ہوئے فخر محسوس کرتے ہیں اور لوگ عقیدت و احترام کا اظہار ان کے ہاتھ چوم کر اور پاؤں کو چھو کر کرتے ہیں۔ لہ

برصغیر پاک و ہند میں یہ رسم سکھوں سے چلی تھی وہ اپنی مذہبی کتاب گرنتھ صاحب کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے ہیں تو اس طرح کہ آگے آگے گرنتھ بردار چلتے ہیں اور ان کے پیچھے دوسرے سکھ اشلوک پڑھتے چلتے ہیں۔ بریلویوں نے بھی اچھے خاصے پیر کو گرنتھ بنایا ہوتا ہے کہ اس کے پیچھے کلمہ پڑھتے جاتے ہیں۔ یہ مقدس ہستی کہاں سے کہاں جارہی ہے اور آج کن مریدنیا کے ہاں واردات ہونے والی ہے یہ بات پیر صاحب کے سترکی عموم میں داخل ہوتی ہے۔ تاہم مسلمان کی اسلامی غیرت اسے کچھ اچھا نہیں سمجھتی کہ آگے آگے آدمی ہو اور اس کے پیچھے پاک کلمات پڑھے جارہے ہیں۔ قرآن کریم میں پاک کلمات کو پشت کے پیچھے رکھنا یہودیوں کا عمل بتایا گیا ہے۔

نبذ فریق من الذین اوتوا الکتاب کتاب اللہ وراء ظھورھم کانھم لا یعلمون واتبعوا ما تتلوا الشیاطین علی ملک سلیمان۔ (پ البقرہ ۱۰۱)

ترجمہ: اہل کتاب میں سے ایک فریق نے اللہ کی کتاب کو پیٹھ پیچھے رکھا گویا کہ انہیں کچھ پتہ نہیں۔ اور وہ ہو لیے اس چیز کے پیچھے (سفلی کلمات کے) جو شیاطین حضرت سلیمان کی بادشاہی میں پڑھتے تھے۔

البتہ اللہ اکبر کہنا اور وہ بھی بار بار نہیں بعض روایات میں ثابت ہے مگر وہ روایات حنفیہ کے اصول کے مطابق پر لائق احتجاج نہیں۔ ان کے راوی عمرو بن دینار نے خود اس روایت کا جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے اپنے استاد ابو معبد سے انکار نقل کیا ہے۔ حضرت ابو معبد نے عمرو سے کہا کہ میں نے تو اسے روایت نہیں کیا۔ وہ روایت یہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں ہم حضورؐ کی نماز ختم ہونا آپ کے بلند آواز سے اللہ اکبر کہنے سے پہچانتے تھے۔ اس روایت کے بارے میں استاد نے شاگرد سے روایت کرنے کی نفی کی ہے۔ صحیح مسلم میں ہے:

قال عمرو فذکرت ذلک لابی معبد فانکرہ وقال لم احدثک بهذا۔[1]

ترجمہ: عمرو بن دینار کہتے ہیں میں نے اپنے استاد ابو معبد سے اس روایت کا ذکر کیا اور کہا میں نے تو تمہارے پاس یہ روایت بیان نہیں کی۔

سوال: یہ روایت صحیح مسلم میں ہی نہیں صحیح بخاری میں بھی ہے بریلوی اسے وہاں سے پیش کرتے ہیں؟

جواب: صحیح بخاری میں بھی اسے عمرو بن دینار ابو معبد سے روایت کرتے ہیں تو صحیح مسلم کی اس تفصیل سے صحیح بخاری کی یہ روایت بھی حنفیہ کے اصول پر لائق احتجاج نہیں رہتی۔

سوال: صحابہؓ کے عہد میں بعض مسجدوں میں یہ اجتماعی صورت میں کلمہ اور درود پڑھنے کا رواج ہو چکا تھا؟

جواب: صحابہؓ اس عمل میں ہرگز شریک نہ ہوتے تھے اور جہاں ان کا بس چلے وہاں وہ ان بدعتیوں کو مسجد سے نکال دیتے تھے۔ حنفیوں کی معتبر کتاب شامی میں ہے۔

صح عن ابن مسعودؓ انه اخرج جماعة من المسجد يهللون ويصلون علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم جهرا وقال لهم ما اراکم الا مبتدعين۔[2]

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۱۷ [2] شامی جلد ۱ صفحہ ۴۶۰

عمل کرنا چاہتا ہے تو یہ کیا اس کا حق نہیں کہ وہ اپنی نماز مسجد میں مکمل کر سکے بریلویوں کا یہ اپنا بنایا ہوا مسئلہ کہ دوبارہ کیوں آیا ہے۔ اس پر سے تعلق ہم کو دکھاتا ہے جس کے لیے مسجدیں بنائی گئی ہیں

مشائخ علی پور کا بریلویوں سے اختلاف

علی پور ضلع سیالکوٹ میں دو بزرگ پیر جماعت علی شاہ نام کے ہو گئے ہیں بڑے پیر صاحب کے جانشین مولوی محمد حسین علی پوری ہوئے جنہوں نے دورہ حدیث حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ محدث دہلوی سے پڑھا تھا اور علی پور کے۔ دوسرے پیر جماعت علی شاہ ثانی صاحب کے نام سے معروف ہوئے اب اول و ثانی دونوں بزرگوں کے معتقد بریلوی سمجھے جاتے ہیں۔ حالانکہ ان دونوں بزرگوں نے حضرت بابا فقیر محمد نقشبندی کے خلیفہ تھے کبھی مولانا احمد رضا خاں کو اپنا امام یا مجدد مائۃ حاضرہ نہ مانا تھا۔ مولانا احمد رضا خاں تو کسی طور پر حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کو اپنا بزرگ نہ مانتے تھے اور یہ حضرات حضرت مجدد الف ثانیؒ پر جان دیتے تھے۔ بڑے پیر جماعت علی شاہ صاحب نے اپنے آخری دور میں علمائے دیوبند سے مصالحت کر لی تھی۔ یہ مصالحت لاہور میں کو ہوئی علمائے دیوبند کی طرف سے اس میں سرخیل شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ تھے۔ اس صلح کی شہادت تاریخ میں محفوظ ہے۔

پیر جماعت علی شاہ صاحب مولانا احمد رضا خاں کی طرح مکفر المسلمین نہ تھے۔ وہ اس بات کے حامی تھے کہ ہندوستان میں اہل السنۃ و الجماعۃ کو دو حصوں میں تقسیم کر کے شیعوں کو تقویت فراہم کی جائے۔ ان کا یہ فتویٰ نہ تھا کہ دیوبندیوں سے اسلام علیکم کہنا اور ان سے ہاتھ ملانا حرام ہے اور ان میں سے کوئی مر جائے تو اس کی تعزیت میں جانا بھی حرام ہے۔ آپ مشترکہ اسٹیجوں پر علمائے دیوبند کے ساتھ عام اٹھتے بیٹھتے تھے

امرتسر کے مشہور علمائے دیوبند میں حضرت مولانا بہاؤ الحق قاسمی امرتسری کے نام سے کون واقف نہیں۔ آپ پاکستان کے مشہور صحافی جناب عطاء الحق قاسمی کے والد مرحوم تھے مولانا بہاؤ الحق

---

١ دیکھیے سیرت امیر ملت ص

قرآن مجید اور وظیفہ ایسی آواز سے پڑھنا منع ہے۔

اور آخر میں مرقات شرح مشکوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۴۴۳ طبع قدیم سے یہ عبارت پیش کی ہے۔

وفیہ نظر من وجوہ منہا ان نسبۃ نفی مطلق الکراھۃ الی الامام الاعظم
وھو افتراء علیہ اذ مذھبہ کراھۃ رفع الصوت فی المسجد ولو بالذکر
حیث لم یشوش علی المصلین اولم یکن ھناک مصلون۔

ترجمہ۔ اور اس میں کئی وجہ سے اعتراض ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ مطلق کراہت
کی نفی کی نسبت امام اعظم کی طرف ہے وہ آپ پر بہتان ہے کیونکہ آپ کا مذہب
ہے کہ بلند آواز مسجد میں مکروہ ہے اگرچہ ذکر ہی کیوں نہ ہو خواہ وہاں نمازیوں
کو تشویش ہو یا نہ ہو یا نمازی ہوں یا نہ۔

مولانا غلام رسول صاحب صدر مدرس مدرسہ نقشبندیہ علی پور سیداں پھر اپنے سارے فتویٰ
کی تلخیص ان لفظوں میں پیش کرتے ہیں۔

تلخیص کلام یہ ہے کہ اکثر احناف بلکہ جمیع فقہاء کرام بلند آواز سے ذکر کرنے کو منع
کرتے ہیں جب کہ نمازیوں یا قرآن پڑھنے والوں کی نیند وغیرہ میں خلل پیدا
کرے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی طرف کراہت کی نفی کی جو نسبت کی گئی ہے اس
کے متعلق رئیس الحنفیہ ملا علی قاری تردید کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ یہ امام اعظمؒ
پر افتراء اور بہتان ہے۔ کیونکہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہی یہ ہے کہ مسجد میں
بلند آواز سے ذکر ممنوع اور مکروہ ہے اگرچہ وہاں نمازی نہ ہوں۔ صاحب ہدایہ
جو کہ احناف کے عظیم فقیہ ہونے کے علاوہ مذہب کے اعتبار سے پانچویں طبقہ اصحاب
ترجیح سے ہیں، اصل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ذکر جہرا بدعت ہے، پھر جہاں
پر صرف ذکر جہرا مکروہ کہا گیا ہے، وہاں مکروہ تحریمی مراد ہے کیونکہ ضابطہ یہ ہے
کہ جہاں پر مطلق کراہت ہو وہاں کراہت تحریمی مراد ہے صاحب کبیری نے کراہت

پھر اس پر مولانا محمد اسماعیل صاحب جماعتی علی پوری اور جناب سید افضل حسین شاہ جماعتی علی پوری اور حافظ نواب دین صاحب میں پوری کے بھی تصدیقی دستخط ہیں۔ مزید تفصیل کے لیے علی پور کے رسالہ انوار الصوفیہ کے ۱۹۱۰ء کا جنوری فروری کا شمارہ صفحہ ۱۹ سے صفحہ ۲۲ تک ملاحظہ فرمائیں

بریلوی علماء نے احناف کے مقابلہ میں حضرت ابن عباسؓ کی جس حدیث کو لیے پھرتے ہیں کہ ہم آنحضرتؐ کی نماز کا اختتام ذکر بالجہر سے پہچانتے تھے وہ حنفیہ کے اصول پر لائق استدلال نہیں ہے معلوم نہیں بریلوی حضرات کے موقع پر کیوں اہل حدیث ہو جاتے ہیں

استاد جب انکار کرے کہ میں نے یہ حدیث روایت نہیں کی تو شاگرد کتنا ہی ثقہ کیوں نہ ہو وہ مانگا روایت کمزور پڑ جائے گی اور یہی حال حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت کا ہے جو اسے امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ دونوں نے روایت کیا ہے۔ امام نوویؒ (۶۷۶ھ) اس حدیث پر لکھتے ہیں۔

فی احتجاج مسلم بهذا الحدیث دلیل علی ذهابه الی صحة الحدیث الذی یروی علی هذا الوجه مع انکار المحدث له اذا حدث به عنه ثقة ... وخالفهم الکرخی من اصحاب ابی حنیفة رضی الله عنهما فقال لا یحتج به[1]

ترجمہ: امام مسلم کا اس حدیث سے حجت پکڑنا بتاتا ہے کہ آپ اس حدیث کی صحت کے قائل تھے جو اس طرح مروی ہو کہ استاد انکار کرے اور اس سے کوئی ثقہ روایت کر رہا ہو ... اور امام ابو حنیفہ کے اصحاب میں امام کرخی نے ان سب دونوں سے اختلاف کیا اس کی مخالفت کی ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث سے احتجاج نہ کیا جائے۔

نوٹ: اصول حنفیہ پر یہ کمزوری صرف اسی روایت میں ساقط الاعتبار ہوگا نہ کہ ان تمام روایات میں بھی جن میں شیخ روایت کا کہیں انکار نہ ہو۔

لا یقدح ذلک فی باقی احادیث الراوی کما صرح به المحدثون.

---

[1] شرح صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۱۶

حدیث ابن عباسؓ کی سند میں راوی کا اختلاف

یہ بات آپ پڑھ آئے ہیں کہ اس حدیث کی سند میں استاد اپنے شاگرد پر انکار کرتا ہے کہ میں نے یہ حدیث تجھ سے بیان نہیں کی۔

امام نوویؒ اس صورت پیش آمدہ پر کہ استاد شاگرد سے اپنی روایت کا انکار کرے احناف کا یہ موقف لکھتے ہیں: اس صورت میں حنفیہ کے اصول پر یہ حدیث قابل استدلال نہیں یہی اس حدیث کا سند میں بھی انکار ہو چکا ہے۔ امام نوویؒ لکھتے ہیں۔

خالفهم الكرخي من اصحاب ابي حنيفة رضي الله عنهما فقال لا يحتج به[1]

ترجمہ: امام کرخی (رحمۃ اللہ) جو امام ابوحنیفہ کے مکتب فکر سے ہیں انہوں نے ان کی مخالفت کی ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث سے احتجاج نہ کیا جائے۔

اب آیئے شافعیہ کے طریق پر بھی اس حدیث پر غور کریں۔ حافظ ابن حجر شافعی لکھتے ہیں۔

حمل الشافعي هذا الحديث على انهم جهروا به وقتا يسيرا لاجل تعليمهم صفة الذكر لا انهم داوموا على الجهر به والمختار ان الامام والمأموم يخفيان الذكر الا ان احتيج الى التعليم[2]

ترجمہ: امام شافعی نے اس حدیث کو اس پر محمول کیا ہے کہ ان کا یہ جہر تعلیم ذکر کے لیے تھوڑا سا عرصہ رہا یہ نہیں کہ وہ جہر پر دائماً عمل پیرا رہے لہٰذا یہی ہے کہ امام اور مقتدی دونوں آہستہ ذکر کریں تعلیم کے لیے جہر کی ضرورت ہو سکتی ہے۔

محدث جلیل ملا علی قاریؒ نے امام شافعیؒ کے اس فیصلے کی جس قرآن کریم سے دلیت

۱؎ شرح صحیح مسلم جلد ا [illegible] ۲؎ [illegible] جلد ۲ صفحہ ۲۶۲

حدیث ابن عباسؓ کے بارے میں ابن حبیب کی رائے

حافظ ابن حجرؒ نے ابن حبیب سے اس حدیث کی ایک یہ توجیہ بھی نقل کی ہے کہ یہ ذکر بالجہر جس کا حضرت ابن عباسؓ ذکر کر رہے ہیں صرف ایک فوجی ضرورت تھی دشمنوں کو مرعوب کرنے کے لیے یہ مسلمانوں کی ایک اجتماعی آواز تھی۔ آپ لکھتے ہیں:

انهم کانوا یستحبون التکبیر فی العساکر عقب صلوٰة الصبح والعشاء تکبیرا عالیا ثلاثا قال هو قدیم من شان الناس۔[1]

ترجمہ: صحابہؓ فوجوں میں نماز صبح اور نماز عشاء کے بعد تین دفعہ بلند آواز سے اللہ اکبر کہنا پسند کرتے تھے۔ لوگوں میں جنگ کے موقع پر یہ طریق قدیم سے چلا آرہا ہے۔

پھر صحابہؓ جنگ سے واپس لوٹے جب ذکر بالجہر کرنے لگے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں منع کر دیا اس سے پتہ چلتا ہے کہ ابن حبیب کی شرح حدیث جو انہوں نے الواضحہ میں بیان کی ہے اپنی جگہ وزن رکھتی ہے جب حضورؐ نے فرمایا اپنے اوپر نرمی کرو تم کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے تو اس وقت صحابہؓ جنگ سے واپس لوٹ کر مدینہ جا رہے تھے۔

بیان کرتے ہیں:

اونچی آواز سے تکبیر کہنا بدعت ہے بہت مختصر کہنے میں اختلاف نہیں جہاں یقینی طور پر ضرورت موجود ہو وہاں زیادہ کہنے میں اختلاف ہے اس کے جواز کا یقین کر لیا جائے

سو بریلویوں کی یہ تاویل کہ حضورؐ نے صحابہؓ کو جو ذکر بالجہر سے روکا تھا اس لیے تھا کہ دشمن کو یہاں مسلمان فوج کی موجودگی کا پتہ نہ چل جائے بالکل غلط نکلا یہ جنگ پر جانے کا موقع نہ تھا واپس لوٹنے کی بات تھی۔

---

[1] فتح الباری جلد ۲ ص ۲۶۲

پھر حدیث ابن عباسؓ کی ایک توجیہ یہ بھی کی گئی ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ ایام تشریق کی بات ہو مگر یہ عام دنوں کی بات ہوتی تو یہ کس طرح ہو سکتا جبکہ فقہ کے چاروں مذاہب بالاتفاق فرض نمازوں کے بعد ذکر بالجہر کا عمل انکار کرتے

رفع صوت بالذکر حافظ ابوبکر الرازی کی رائے

حافظ ابوبکر جصاص رازی حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں۔

نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یرفع الرجل صوتہ بالقرآن قبل العتمۃ وبعدھا یغلط اصحابہ فی الصلوٰۃ۔[1]

ترجمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے روکا کہ کوئی شخص عشاء سے پہلے یا بعد قرآن پڑھتے اپنی آواز بلند کرے اور دوسرے مسلمانوں کو نماز میں مغالطہ دے۔

جب کسی مسلمان کو سونے پر بھی ذکر بالجہر سے پریشان نہیں کیا جا سکتا تو جو مسبوق ابھی نماز مکمل کر رہے ہیں انہیں نماز میں کیسے کسی مغالطے میں ڈالا جا سکتا ہے یہ حکم صرف قرأت قرآن کے لیے نہیں عام ہے اور تمام اذکار کو شامل ہے۔

(واذکر ربک فی نفسک) ھو عام فی الاذکار من قرأۃ القرآن والدعاء والتسبیح والتھلیل وغیر ذلک۔[2]

ترجمہ (اور یاد کر اپنے رب کو اپنے جی میں) یہ حکم عام ہے تمام اذکار میں۔ قرأت قرآن ہو یا دعا، تسبیح ہو یا لا الٰہ الا اللہ یا اس کے علاوہ کوئی اور ذکر۔

حافظ بدرالدین العینی البنایہ شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں۔

---

[1] احکام القرآن جلد ۵ صفحہ [2] مدارک جلد ۱ صفحہ

کے سوا کہیں جہراً تکبیر نہیں سوائے دشمن اور چوروں کے مقابلہ میں اور آگ لگنے اور دوسرے خطرناک مواقع کے

② تکبیرات تشریق کے لیے کسی اجتہاد کی ضرورت نہیں یہ خلاف قیاس نص سے ثابت ہیں اور خلاف قیاس پر کسی دوسری صورت کو قیاس کرنا صحیح نہیں۔ حضرت امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے عید الفطر کے رستے کی تکبیرات کو عید الاضحیٰ کی تکبیرات پر قیاس کیا ہے اور عید الاضحیٰ میں یہ جہراً بالتکبیرات نص سے ثابت ہے۔ امام ابو حنیفہؒ یہاں بھی جہر کے قائل نہیں۔

امام ابن ہمام لکھتے ہیں :-

ان الجهر بالتكبير بدعة ولا خلاف في الاقل فيجهر به فيما ثبت يقيناً والاكثر مختلف فيه فلا يتيقن بجوازه وكون الجهر بالتكبير بدعة متيقن والاخذ بالمتيقن اولى وقال الله تعالى واذكر ربك في نفسك تضرعاً وخيفة ودون الجهر ورأى النبي قوماً يرفعون اصواتهم عند الدعاء فقال انكم لن تدعوا اصم ولا غائباً۔[۱]

ترجمہ:

اونچی آواز سے تکبیر کہنا بدعت ہے۔ بہت مختصر کہنے میں اختلاف نہیں جب یقینی طور پر ثابت ہے وہاں جہر کیا جا سکتا ہے۔ زیادہ کہنے میں اختلاف ہے۔ اس کے جواز کا یقین نہ کیا جائے۔ تکبیر کا بلند آواز سے کہنا یقینی طور پر بدعت ہے اور متیقن چیز کو اختیار کرنا بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ نے کہا ہے تو یاد کر اپنے رب کو اپنے جی میں عاجزی سے ڈر کر اور آہستہ سے نہ کہ بلند آواز سے اور حضورؐ نے کچھ لوگوں کو دعا اونچی آواز سے کرتے سنا تو آپ نے کہا تم کسی بہرے کو نہیں پکار رہے نہ کسی غائب کو (جو اتنا اونچا بول رہے ہو)

③ حج اور عمرہ کا احرام باندھ کر انسان تلبیہ پکار کر محرم ہوتا ہے اور اس کے لیے حدیث میں نص

---

[۱] فتح القدیر جلد ۲ ص ۴۲

اہل سنت کے لیے فیصلہ کن بات

حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی (م ۱۳۰۴ھ) ہندوستان کے اس وقت کے بزرگ ہیں جب دیوبندی بریلوی اختلافات ابھی سامنے نہ تھے علماء ذکی عمل اپنی جگہ ایک اپنا مقام رکھتے تھے۔ ابوالحسنات مولانا عبدالحی کے فتاویٰ میں ذکر بالجہر کی بحث میں مدخل لابن امیر الحاج کی یہ عبارت ایک فیصلہ کن درجہ میں مرقوم ہے:۔

ولیحذروا مما یفعلہ بعض من الجہلاء بالذکر والدعاء عند الفراغ من الصلوٰۃ ان کان فی جماعۃ فانہ ذالک من البدع۔ [1]

ترجمہ: نماز با جماعت سے فارغ ہونے کے بعد ذکر اور دعا میں جہر کرنے سے سب کو بچنا چاہیئے کیونکہ یہ بدعت ہے۔

اور مولانا نے نصاب الاحتساب سے بھی یہ عبارت نقل کی ہے:۔

ذاکبیروا علی اثر الصلوٰۃ جہرا یکرہ وانہ بدعۃ یعنی سوی الایام النحر والتشریق۔ [2]

ترجمہ: نماز با جماعت کے بعد بلند آواز سے تکبیر کہنا مکروہ ہے اور بدعت ہے ماسوائے ایام نحر اور ایام تشریق کے

افسوس کہ بریلویوں نے فقہ حنفی کے ان کھلے فیصلوں کے خلاف یہ حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے وضع کی اور کچھ بھی خوف خدا انہیں مانع نہ آیا

تذکرہ غوثیہ ص۳۴ پر دیکھیں:۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من جہار بالکلمۃ الطیبۃ بعد اداء الصلوٰۃ المکتوبۃ متصلۃ ثلثاً ..... الخ

---

[1] فتاوی مولانا عبدالحی جلد ۴ ص۲۳ [2] ایضاً

ول ہر چار رکعت کے بعد کچھ دیر بیٹھنا اور تسبیح و تہلیل میں بنا بریں بے شک مستحب ہے فقہاء لکھتے ہیں:

ہر ایک تسبیح و تہلیل وغیرہ پڑھتا رہے مل کر پڑھنا ورنہ آواز ملا کر پڑھنا ضروری نہیں بلکہ یہ اچھا نہیں ہے۔[1]

چار رکعت کے بعد ترویحہ ہوتا ہے (اس میں ذرا راحت لی جاتی ہے) صرف اس قدر بیٹھنے کا حکم ہے کہ نمازیوں پر بار نہ گزرے اور اس میں اجتماعی ذکر اور دعا نہیں ہے تو کہ انفرادی طور پر جو چاہیں پڑھیں۔ ایک چیز کا سب کو پابند بنا دینا شریعت کی دی ہوئی آزادی پر پابندی لگانا ہے۔[2]

ول صحیح یہ ہے کہ تراویح وتر اور تہجد تینوں متقارب عمل ہیں۔ وتروں کے بعد حضور تسبیح سبحان الملک القدوس تین مرتبہ پڑھتے اور تیسری دفعہ آواز لمبی کرتے اس سے تراویح میں بھی ہر چار رکعت کے بعد تسبیح پڑھی جانے لگی ہے۔

حضرت عبدالرحمن بن ابزی روایت کرتے ہیں:

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقرأ في الوتر بسبح اسم ربك الاعلى و قل يا ايها الكافرون وقل هو الله احد ثم يقول اذا سلم سبحان الملك القدوس ويرفع بسبحان الملك القدوس صوته بالثالثة۔[3]

اس سے جہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور وتر عام طور پر تین ہی پڑھتے تھے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کے آخر میں تسبیح بھی پڑھی جاتی تھی جس پر تیسری غالب آ رہی ہوتی وہ بلند پڑھتے تاہم یہ ضروری ہے کہ اس میں ریا کا دخل نہ ہو۔

قال المظهر هذا يدل على جواز الذكر برفع الصوت بل على الاستحباب اذا اجتنب الرياء اظهار الدين وتعليم السامعين وايقاظ غفلتهم من رقدة الغفلة۔[4]

---

[1] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ص ۲۶۲ [2] فتاویٰ رحیمیہ ج ۱ ص ۲ [3] سنن نسائی ص ۱۹۱ [4] حاشیہ السنن

ہم جواباً کہتے ہیں کہ آپ نے اس مباح کو جو نکاح کے وقت کے ساتھ جوڑا ہے اور لوگوں نے اسے ایک نیکی اور کار خیر سمجھا تو اب یہ کیسے مباح رہا۔ آپ نے اسے ایک ایسی ہیئت دی جو کہ کتاب و سنت میں کہیں نہیں پائی گئی۔ اب اس ہیئت کے ساتھ یہ عمل مطلق مباح نہ رہا۔ یہ وقت اور ہیئت کی تخصیص اسے دین کی صورت میں لے آئی اور ظاہر ہے کہ یہ مسئلہ دین کا نہیں ہے اور نہ کتاب و سنت میں اس کی کوئی شہادت موجود ہے سوائے بدعت تسلیم کرنے کے چارہ نہیں۔

بریلوی کہتے ہیں ہمارے اعلیٰحضرت نے فرمایا ہے نکاح باہمن بھی پڑھا سکتا ہے کیونکہ قرآن و حدیث میں کہیں اس سے منع نہیں کیا گیا۔ سو ہم ایسا کریں تو ہم پر کوئی گناہ لازم نہ آئے گا۔ ہم انہیں کہتے ہیں تم پاکستان میں باہمن کہاں سے لاؤ گے اور اگر وہ آگیا تو تمہاری ضرورت کیا رہے گی؟ اس پر انہیں سمجھ آئی کہ باہمن کلمے تو پڑھا نہ سکے گا۔ سو ہماری ضرورت پھر بھی رہی۔

بریلوی علماء اس کی حکمت یہ بیان کرتے ہیں کہ اس سے برات والوں کو مولوی صاحب کی اچھی خاصی محنت کا پتہ چلتا ہے اور وہ دل کھول کر خدمت کرتے ہیں۔ علماء کو اپنی اہمیت بڑھانے کے لیے نکاح کے وقت کلمے ضرور پڑھانے چاہئیں۔

جس طرح بدی بدی کو کھینچتی ہے بدعت بدعت کو کھینچتی ہے۔ اب ایک دوسرا مسئلہ سامنے آگیا کہ کیا نکاح خواں اس سے پہلے اپنی نکاح پڑھنے کی اجرت بڑھا سکتا ہے۔ کلمے پڑھانے میں آخر اس نے کتنی محنت کی ہوتی ہے۔ تاہم اس وقت یہ ہمارا موضوع نہیں۔

۴ جنازہ کے ساتھ کلمہ پڑھتے جانا

وینبغی لمن تبع الجنازة ان یطیل الصمت وفیه عن الظهیریة فان اراد ان یذکر الله تعالی یذکره فی نفسه لقوله تعالی انه لا یحب المعتدین ای الجاهرین بالدعاء وعن ابراهیم انه کان یکره ان یقول الرجل وهو یمشی معها استغفروا له غفر الله لکم[1]

---

[1] رد المحتار جلد ۱ ص ۸۳۴

ترجمہ: جو شخص جنازہ کے ساتھ جائے اسے چاہیئے کہ مسلسل خاموشی اختیار کرے ... اور اگر وہ چاہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے تو وہ اپنے جی میں اس کا ذکر کرے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ زیادتی کرنے والے کون ہیں؟ جہر سے دعا کرنے والے۔ امام ابراہیم نخعی سے مروی ہے آپ اس بات کو بھی ناپسند کرتے تھے کہ کوئی شخص جنازہ کے ساتھ جا رہا ہو اور وہ دوسروں سے کہے اس کے لیے استغفار کرو۔ اللہ تمہیں بھی بخش دیں گے۔

مولانا احمد رضا خاں کے خلیفہ مولانا نعیم الدین مراد آبادی کے جانشین مفتی احمد یار خاں لکھتے ہیں:

عن ابن عمرؓ قال لم یکن یسمع من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو یمشی خلف جنازۃ الا قول لا الٰہ الا اللہ مبدیا و راجعا۔ اگر یہ حدیث ضعیف بھی ہو پھر بھی فضائل اعمال میں معتبر ہے۔[1]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی جنازہ کے پیچھے چلتے ہوئے جاتے اور آتے بھی لا الٰہ الا اللہ کے سوا کچھ نہ پڑھتے۔

جواب: بریلویوں نے فقہ کی کتب پر تعجب کہ حدیث سے براہ راست استدلال کرنے کی غیر مقلدانہ روش تو اپنائی لیکن یہ بھول گئے کہ حدیث جاننے کے لیے اس کے راویوں کا علم ہونا بھی ضروری ہے اور یہ بھی کہ اس کا اپنے موضوع پر دلالت رکھنا بھی ہے یا نہ۔

یہ حدیث صرف ضعیف نہیں اس کی سند میں ابراہیم بن ابی حمید ہے جو جھوٹی حدیثیں وضع کرتا تھا۔ امام ابو عروبہ کہتے ہیں:

کان یضع الحدیث[2] وہ حدیث وضع کیا کرتا تھا۔

ثانیاً: اس میں یہ کہاں ہے کہ آپ کو اونچی آواز سے پڑھتے تھے۔ بہت قریب کا آدمی سن

---

[1] جاء الحق ص ۴۸۲ [2] لسان المیزان لابن حجر عسقلانی جلد ۱ ص ۴۵

لے قرآن سے جہر کا ثبوت کیسے ہو گیا

حضرت امام محمدؒ لکھتے ہیں صحابہ کرامؓ تین موقعوں پر آواز اونچی کرنے کو مکروہ سمجھتے تھے جنازہ کے ساتھ جنگ کے وقت اور اللہ کا ذکر کرتے ہوئے

کان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکرھون الصوت عند ثلث

الجنائز والقتال والذکر [1]

حضرت زید بن ارقمؓ (۶۸ھ) خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی نقل کرتے ہیں آپ نے فرمایا۔

ان اللہ یحب الصمت عند ثلث عند تلاوۃ القرآن وعند الزحف و عند الجنازۃ [2]

ترجمہ۔ بے شک اللہ تعالیٰ تین موقعوں پر خاموشی کو پسند کرتے ہیں تلاوت کے وقت جنگ کے وقت اور جنازہ کے موقع پر۔

فقہائے احناف کا فتوے بھی یہی ہے علامہ ابن نجیمؒ (۹۷۰ھ) لکھتے ہیں :

ویکرہ رفع الصوت بالذکر وقرأۃ القرآن وغیرھما فی الجنازۃ والکراھۃ فیھا کراھۃ تحریم [3]

ترجمہ جنازہ کے ساتھ آواز بلند کرنا ذکر کے ساتھ ہو یا تلاوت قرآن کے ساتھ یا کسی اور کلمہ کے ساتھ یہ سب مکروہ ہے اور مکروہ تحریمی ہے۔

ہاں اگر کوئی شخص جنازہ کے ساتھ آہستہ آواز سے خدا کا ذکر کرتا ہے تو اس میں حرج نہیں فقہائے کرام نے اس کی اجازت دی ہے۔ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

ویکرہ رفع الصوت بالذکر فان اراد ان یذکر اللہ یذکر فی نفسہ [4]

ترجمہ اونچی آواز سے جنازہ کے ساتھ اللہ کا ذکر کرنا مکروہ ہے اگر کوئی ذکر کرے

---

[1] تفسیر کبیر جلد ۱ صفحہ ... [2] تفسیر ابن کثیر جلد ... صفحہ ۲۱۹ [3] بحر الرائق جلد ۲ صفحہ ۱۹۲ [4] فتاویٰ قاضی خان جلد ۱ صفحہ ...

تو اپنے جی میں ذکر کرے۔

بریلوی علماء کو بھی معلوم ہے کہ مطلق ذکر سے ذکر بالجہر ثابت نہیں ہوتا جنازہ کے ساتھ باتیں کرتے جانا درست نہیں، ذکر میں مشغول رہنا بہتر ہے، لیکن ان کے پاس ذکر بالجہر کی کوئی دلیل نہیں ہے:

مجبوراً مولوی محمد عمر صاحب اچھروی نے یہ دلیل وضع کی ہے:

ذکر جہری بالمیت کرنا اہل سنت کے لیے ضروری ہے کیونکہ مسئلہ نزاع کو رہائی اور حق کے جتانے کا علم ہو جائے۔[1]

کسی مرحوم کے لیے کوئی شخص مرثیہ کہے اور اس میں اپنے غم کا اظہار کرے یا اس کی منقبت بیان کرے تو اس کی فقہاء نے اجازت دی ہے مگر اس کا جنازے سے کوئی تعلق نہیں۔

مولانا محمد عمر نے اس اجازت کو بھی جنازے کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

تم اپنے جنازے کے ساتھ فقہاء کی اتباع میں مرثیہ خوانی کر لیا کرو۔[2]

اس سے آپ اس بے چارگی کا اندازہ کریں جس میں یہ بریلوی علماء مبتلا ہیں کہ دلیل بنے نہ بنے یہ بہرحال کچھ نہ کچھ کہے جاتے ہیں۔ یہی بریلویت کی حقیقت ہے۔

---

[1] مقیاس الحنفیت ص۵۹۹ [2] ایضاً ص۶۰۵

⑤ لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے کلمہ پڑھنا

کلمہ شریف ہو یا اللہ تعالیٰ کا ذکر یا قرآن خوانی۔ ان پاک اور طیب کلمات کا تقدس اجازت نہیں دیتا کہ انہیں کسی دنیوی غرض کے لیے پڑھا جائے۔ بہت سے سائلین ریل اور بسوں میں آپ کو ایسے ملیں گے جو واردات کرنے سے پہلے تھوڑی سی قرآن خوانی کرتے ہیں۔ اس قرآن پڑھنے کا مقصد انہیں ان کی باتوں سے چھڑانا اور اپنی طرف متوجہ کرنا ہوتا ہے۔ کلمہ شریف کو یا اللہ کے کلام کو گداگری کے لیے استعمال کرنا ہرگز روا نہیں صحابہؓ اور تابعینؒ کرام نے کلمہ اسلام کو کبھی ان دنیوی اغراض کے لیے استعمال نہیں کیا۔

پہرے دار اگر رات پہرہ دیتے بلند آواز سے کلمہ پڑھتا ہے تو اس سے اس کی غرض اپنے آپ کو جگانے رکھنے یا لوگوں کو باخبر رکھنے کے لیے کہ میں اپنی ڈیوٹی کر رہا ہوں کے سوا کیا ہو سکتی ہے۔ ایک چھوٹے کام کے لیے یہ ایک اعلیٰ کلمہ کا استعمال ہے جو ناجائز ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:۔

ایک چوکیدار لا الٰہ الا اللہ کہتا ہے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتا ہے وہ گنہگار ہوگا اس واسطے کہ وہ اس کام (چوکیداری) کے دام لیتا ہے (یعنی دام کمانے کی خاطر کلمے کا استعمال کیسے جائز ہو سکتا ہے)۔[1]

اب آگے کلمہ کے بعد اذان کے کچھ دلچسپ بدعات کے کانٹے ملاحظہ فرمائیں۔

---

[1] فتاویٰ ہندیہ جلد ۲ صفحہ ۔

کسی خاص وقت یا کسی خاص حیثیت سے خاص نہیں کیا تو بریلوی اسے کسی خاص وقت سے خاص کر کے ایک بدعت کیوں کھڑی کر دیتے ہیں اور جب ان سے اس کی دلیل پوچھی جاتی ہے تو وہ دلیل میں ایسے ہی ان عمومات کو پیش کرتے ہیں کہ اس خاص وقت یا خاص حیثیت سے سرے سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ـــ بات چل رہی ہوتی ہے اذان کے ساتھ صلوٰۃ وسلام پڑھنے کی اور وہ آیت پڑھنی شروع کر دیتے ہیں جس میں مطلق درود وسلام پڑھنے کا حکم ہے۔ اب یہ لوگوں کو مغالطہ دینا نہیں تو اور کیا ہے۔ دعوے خاص اور دلیل عام

عوام کو چاہیئے کہ وہ ان کے اس طریق واردات سے آگاہ رہیں جب وہ اس طرح مغالطہ دیں تو انہیں صاف کہیں آپ کا دعوے خاص ہے آپ اذان کے ساتھ درود وسلام پڑھتے ہیں اور آپ جو دلیل پیش کر رہے ہیں یہ عام ہے اس میں اذان کا کوئی ذکر نہیں سو آپ کے دعوے اور دلیل میں کوئی مطابقت نہیں ہے۔

افسوس کہ مولانا احمد رضا خان بھی اسی راہ پر چلے ہیں۔ بات اذان کی ہو رہی تھی آپ مطلق درود کو لے بیٹھے۔ دیکھئے کیسی ڈھٹائی سے لکھتے ہیں:

> جس امر کا اللہ عزوجل قرآن عظیم میں مطلق حکم دیتا ہو اور خود اپنا اور اپنے ملائکہ کا فعل بتاتا ہو اسے (اذان کے ساتھ پڑھنے کو) بدعت کہہ کر منع کرنا جیسے ہوسکا کا کام ہے اور وہابیہ گمراہ نہ ہوں گے تو ابلیس بھی گمراہ نہ ہوگا جس کی گمراہی خدا سے ملتی ہے[1]

دیکھئے اعلیٰ حضرت کس درجے نماز میں شیطان کی خیر خواہی کر گئے ہیں۔ بریلویوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ شیطان نماز پڑھتا ہے اور وہ بھی دکھانے کے لیے نہیں۔ بلکہ اس لیے کہ شاید اس کی مغفرت ہو جائے[2]

---

[1] احکام شریعت حصہ اول ص۱۶۵ طبع مزدوہ باد [2] ملفوظات مولانا احمد رضا خان حصہ دوم ص

شیعوں کی اذان کا بہانہ

بعض نادان بریلوی کہتے ہیں کہ چونکہ شیعوں نے اپنی اذان میں خلافت علی بلا فصل کا اضافہ کر رکھا ہے اس لیے ہم اپنی اذان میں اضافہ کیوں نہ کریں۔ مصر میں فاطمیون نے جو اسماعیلی عقیدہ رکھتے تھے اذان میں السلام علی الملک الظاہر کا اضافہ کر رکھا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے اسے بدل کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام شروع کرا دیا تو ہمارا یہ اضافہ اب صرف شیعوں کے مقابل میں ہے۔

جواباً عرض ہے کیا تمہارے لیے شیعہ ہی مشعل راہ رہ گئے ہیں۔ تم کہاں تک ان کے پیچھے چلو گے ہمارے لیے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ما انا علیہ و اصحابی کو سنگ میل بنایا تھا تم شیعوں کو اپنا پیشوا بنا بیٹھے۔ شیعوں میں ایک فرقہ مفوضہ گزرا ہے جس نے اذان میں اضافہ کیا تھا۔ اثنا عشری شیعہ محدث شیخ صدوق ابن بابویہ القمی (۳۸۱ھ) نے من لا یحضرہ الفقیہ میں اس کی پرزور تردید کی ہے اور لکھا کہ حضرت علیؓ بے شک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حق ولایت رکھتے ہیں لیکن یہ جملہ اذان میں سے نہیں اسے اذان میں کیوں داخل کر دیا گیا ہے۔ ابن بابویہ قمی نے اس پر صریح لفظوں میں مفوضہ پر لعنت کی ہے۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے جب اسماعیلیوں پر فتح پائی تو اسے پھر سے ان کی بغاوت کا اندیشہ تھا۔ وہ نہ چاہتا تھا کہ دیہات اور صحرا کی آبادیوں میں یہ بات پھیلے کہ سلطان نے اذان میں صلوٰۃ و سلام بند کرا دیا ہے۔ اس نے اس سیاسی مصلحت سے اس بدعت کا کچھ ازالہ کر دیا کہ اب بجائے اسماعیلیوں کے امام ظاہر کے صلوٰۃ و سلام حضرت خاتم النبیین پر پڑھا جانے لگا اور پھر جب حالات درست ہو گئے تو یہ صلوٰۃ و سلام بھی مصر کی اذانوں سے جاتا رہا۔ اور آج مصر میں یہ کسی مسجد میں اذان کے ساتھ نہیں پڑھا جاتا۔ اس سے پتہ چلا کہ وہ محض ایک وقتی مصلحت تھی۔

اذان کے بعد صلوٰۃ و سلام کہنا یہ آٹھویں صدی کی یادگار ہے۔ اس سے پہلے یہ کہیں نہ تھا۔ خود مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں :-

درمختار میں ہے۔ والتسلیم بعد الاذان حدث فی ربیع الآخر سنہ سبع مائۃ واحدی و ثمانین فی عشاء لیلۃ الاثنین۔[1]

اب آپ ہی خود فرمائیں جو چیز اسلام کی پہلی سات صدیوں میں کہیں نہ پائی گئی نہ کہیں کی گئی۔ وہ اسلام میں کیسے مستحسن ہو گئی۔ استحسان اور استحباب شرعی حکم ہیں۔ ان کے لیے دلیل شریعت سے ہونی چاہیئے کسی بادشاہ کا فرمان اس کے لیے کافی نہیں ہو سکتا ہے۔ اس نے کیا جیسے ہی یہ فیصلہ کیا تھا ایسے کون جانے پاکستان میں پیر جماعت علی شاہ صاحب (علی پور ضلع سیالکوٹ) کے پیرووں نے اس مسئلہ پر بریلویوں کی مکمل کر مخالفت کی ہے۔

پیر جماعت علی شاہ صاحب مولانا احمد رضا خاں کی زندگی میں کبھی ان کے ہم خیال نہ ہو سکے تھے۔ مولانا احمد رضا خاں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی پر کبھی تعریض بھی کر دیتے ان کی پوزیشن کمزور کرنے کی کوشش کرتے اور پیر جماعت علی شاہ صاحب مشائخ نقشبندیہ پر جان دیتے تھے۔ اب کوئی نقشبندی کیسے مولانا احمد رضا خاں کا معتقد ہو سکتا ہے۔ احمد رضا خاں لکھتے ہیں :

کوئی مجددی ان کے قول سے استدلال کرے اس کو رد جانتے۔[2]

مجددی ہونا کیا کوئی عیب ہے؟ مولانا احمد رضا خاں نے اس طرح ذکر کیا ہے گویا ان کی مجددیوں سے کوئی نسبت عقیدت نہیں۔ پھر تعجب ان مجددیوں پر ہے جو مولانا احمد رضا خاں کو اعلیٰ حضرت کہتے ہیں۔

---

[1] احکام شریعت جلد اول صفحہ ۲۵ طبع مراد آباد   [2] الملفوظ جلد ا صفحہ ۲۴۲   [3] ملفوظات حصہ ۲ صفحہ ۲

اذان کے ساتھ درود ملانے کی ایک بریلوی دلیل

ساہیوال ضلع سرگودھا کے علاقہ میں ایک بریلوی شیخ الحدیث [illegible] اس حدیث سے اپنی مزعومہ اذان ثابت کرتے سنائی دے رہے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو (۶۵ھ) کہتے ہیں کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا۔

اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما يقول ثم صلوا علي فانه من صلى علي صلاة صلى الله عليه بها عشرا[1]

ترجمہ: جب تم مؤذن کو (اذان دیتے) سنو تو تم بھی وہ کلمات کہو جو وہ مؤذن کہہ رہا ہے پھر تم مجھ پر درود پڑھو، جو مجھ پر ایک دفعہ درود پڑھے اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں بھیجتا ہے۔

بریلوی استدلال

اس حدیث سے پتہ چلا کہ اذان کو درود شریف سے ایک بڑی مناسبت ہے۔ اذان کے ساتھ اسے پڑھنا بڑا مناسب ہے۔ اذان کے بعد ہم اس لیے درود پڑھتے ہیں کہ سب سننے والوں کو اس طرف توجہ ہو جائے اور وہ بھی پڑھیں۔ سو یہ بآواز پڑھنا ٹھیک ہے۔

یہ درود شریف پڑھنے کا حکم اذان سننے والوں کو ہے اذان دینے والے کو نہیں۔ اذان ایک دعوت اعلان ہے۔ دعوت اور اعلان کی اصل یہ ہے کہ وہ جہر سے ہو تاکہ دور دور تک پتہ چلے اور درود شریف پڑھنا اخفائی راز و نیاز ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا المؤذن يغفر له مدى صوته۔ مؤذن کی اس حد تک مغفرت ہوتی ہے جہاں تک اس کی آواز پہنچے۔ (رواہ ابوداؤد)

ایک دعا ہے اور دعا کا طریق یہ ہے کہ وہ آہستہ ہو ۔۔۔ اذان سننے والے جس طرح آہستہ آواز سے کلمات اذان ساتھ ساتھ دہراتے تھے اسی آواز سے وہ آگے درود شریف پڑھ لیں گے۔ مگر اذان بآواز بلند اور درود شریف اذان کے ساتھ ملانے۔ یہ بات کہاں سے نکل آئی؟ اس پر غور کیجئے۔

② جو بات تعلیماً آواز بلند کہی جائے وہ کچھ دنوں بعد چھوڑ دی جاتی ہے تاکہ عبادت اپنی اصل پر آجائے۔ آنحضرتؐ نے آمین بھی آواز بلند کہی تاکہ مقتدیوں کو آمین کے محل اور تلفظ کا پتہ چل جائے۔ پھر جو آمین سنت قائمہ قرار پائی۔ وہ اب تک احناف کے ہاں آہستہ آواز سے کہی جاتی ہے۔

لذا دعا بالدعاء المأثور جهرا ومعه القوم ليتعلموا الدعاء لا بأس به واذا تعلموا حینئذ یکون جهر القوم بدعة [1]

ترجمہ جب امام ایسی دعائیں جو آثار میں ملتی ہیں بلند آواز سے مانگے اور قوم بھی اس کے ساتھ اسی طرح کریں تاکہ دعا سیکھ جائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ ہاں جب وہ سیکھ لیں تو اس وقت ان کا بلند آواز سے دعا کرنا بدعت ہوگا۔

③ اب بریلویوں کی مسجد منار میں آج کل جو اذان کے ساتھ صلوٰۃ وسلام ہوتے ہیں وہ اذان سے پہلے پڑھتے ہیں اذان کی باری بعد میں آتی ہے اسے منشائے اعلیٰ کی تعمیل کرنا تو کسی صاحب علم کا کام نہیں ہو سکتا۔ پھر صحابہ کرامؓ نے حضورؐ کے اس ارشاد پر کبھی عمل کیا یا نہیں۔ اس ارشاد کے اولین مخاطب وہی تھے کیا کبھی انہوں نے اپنی اذانوں میں کلمات اذان کے ساتھ کبھی درود وسلام بلند آواز سے ملایا تھا؟ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

ذکر اور درود میں فرق

اصل ذکر اور دعا دونوں میں یہی ہے کہ آہستہ آواز سے ہو۔ البتہ بعض حالتوں میں ذکر بلند آواز سے بھی جائز ہے۔ بشرطیکہ اس سے مسجد میں کسی قرآن پڑھنے والے کو کسی نماز پڑھنے والے کو

---

[1] فتاویٰ عالمگیری جلد ٢ ص [illegible]

کسی ساتھ والے معتکف کو کوئی تکلیف نہ ہو لیکن درود شریف کہیں با آواز بلند پڑھنے کی اجازت نہیں اسے ہمیشہ آہستہ ہی پڑھنا ہوگا۔ فقہ حنفی میں یہ مسئلہ صراحت سے مذکور ہے۔

والسنة ان یخفی صوته بالدعاء۔[1]

ترجمہ۔ اور سنت طریقہ یہ ہے کہ دعا کے لیے اپنی آواز کو آہستہ رکھے اور روضۂ اقدس پر جب صلوٰۃ وسلام عرض کرے تو ادب ملحوظ رکھے۔

ولا یرفع صوته ولا یخفضه۔[2]

ترجمہ۔ اور صلوٰۃ وسلام میں اپنی آواز اونچی نہ کرے نہ درمیانی آواز رکھے۔

یعنی بالکل آہستہ بالکل دبی آواز سے صلوٰۃ وسلام عرض کرے یہ نہ کہ پھاڑ پھاڑ کر درود و سلام کہنا اور قوالوں کی طرح جہر کرنا اس سے زیادہ بے ادبی اور درود کی بے حرمتی کیا ہوگی۔

ہدایہ کی شرح فتح القدیر میں ہے۔

ویستحب ان یصلی علی النبی المصطفی المجتبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا فرغ من تلبیته ویخفض صوته بذلک۔[3]

ترجمہ۔ اور مستحب ہے کہ تلبیہ سے فارغ ہو کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو خیر سکھانے والے ہیں ان پر درود پڑھے اور درود پڑھتے آواز آہستہ رکھے۔

علمائے احناف تو یہ کہیں کہ درود شریف کا ادب جو جاننے کے مزاج یہ ہے کہ اسے نہایت دبی آواز سے پڑھا جائے اور یہ تمام کے تمام ان کے ساتھ درود و سلام اتنی بلند آواز سے گلا پھاڑ پھاڑ کر پیش کرتے ہیں۔ علامہ ابن نجیم (۹۷۰ھ) ابو حنیفہ ثانی بھی کتاب الحج میں یہی لکھتے ہیں۔

ثم اذا احرم صلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عقب احرامه سرًا و ھکذا یفعل عقب التلبیة۔[4]

---

[1] فتاوی عالمگیری جلد ۱ صـ۲۶۶ [2] ایضاً کتاب المناسک جلد ۱ صـ۲۶۵ [3] فتح القدیر جلد ۲
[4] البحر الرائق جلد ۲ صـ۳۴۲

ترجمہ: پھر جب احرام باندھ لے اور محرم ہو جائے تو اس کے متصل بعد نہایت آہستہ سے جیسے کوئی راز کی بات ہو درود شریف پڑھے اور اسی طرح آہستہ آواز سے لبیک کے بعد بھی درود شریف پڑھے۔

کشتی ہچکولے کھانے لگے اور مسافر گھبرا جائیں تو ذکر آہستہ آواز سے کریں۔ لڑائی کے وقت بھی ذکر اتنی نہایت آہستہ آواز سے ہو اور درود شریف میں تو فضیلت اسی میں ہے کہ آہستہ ہو گو چلا چلا کر نہ ہو نہ یہ لاؤڈ سپیکر پر پڑھا جائے۔ فتاوی عالمگیری میں ہے۔

ویکرہ رفع الصوت عند الفزع فی السفینة وعند محاربتهم بالسیوف وکذا الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم[1]

ترجمہ: کشتی میں گھبراہٹ کے وقت بھی آہستہ اللہ کا ذکر کرے تلواروں سے کھیلنے وقت بھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھتے وقت بھی آواز کو آہستہ رکھے

درود شریف بلند آواز سے پڑھنا پھر اسی آواز میں جس میں اذان کہتے ہیں اس کا نقشہ تو میں لڑائی کے دستے کے سر پر جو نہیں ملتا چڑھا جائے اسے سنی مذہب کا نشان کہا جائے وہی کوئی جیل سنی اس طرح کہنے پر ضد کرے تو ہم اس کا کیا کر سکتے ہیں۔

تکبیر تو اس آواز سے نہیں کہا جاتا جس میں اذان کہتے ہیں یہ ایسی آواز سے کہتے ہیں کہ ساتھ والے سنتے ہیں۔ درود و تو دور کی بات ہے درود شریف کے بارے میں حکم ہے کہ اسے تلبیہ کی آواز سے بھی آہستہ آواز میں پڑھا جائے۔ دوسری صدی کے مجدد حافظ ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری لکھتے ہیں۔

روی الدارقطنی والبیهقی انه علیه السلام کان یصلی علی نفسه بعد تلبیته ویستحب ان یکون صوته به اخفض من التلبیة[2]

---

[1] فتاوی عالمگیری جلد ۵ صفحہ ۳۱۶ [2] مرقات جلد ۳ صفحہ ۳۰۸

④ اذان میں حضورؐ کے نام پر انگوٹھے چومنا

بریلویوں میں ایک یہ بدعت بھی پائی جاتی ہے کہ اذان سنتے وقت وہ اپنے انگوٹھوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انگوٹھے قرار دے کر بنہایت محبت اور عقیدت میں ان انگوٹھوں کو چومتے ہیں ـــــ اب اپنے انگوٹھوں کو حضورؐ کے انگوٹھے قرار دینے کی اس گستاخی پر ان کی ایک دلیل ملاحظہ ہو:

> سید الکائنات نے کیا بیعت رضوان کے موقع پر کیا اپنے بائیں ہاتھ کو سیدی حضرت عثمانؓ کا ہاتھ نہ ٹھہرایا؟ کیا سید الکائنات نے پھر اپنے دائیں ہاتھ سے سیدی حضرت عثمانؓ کی بیعت نہ لی؟ اگر ہم اپنے انگوٹھوں کو اذان میں حضور سید الکائنات کے انگوٹھے سمجھ کر انہیں بوسہ عقیدت دیں تو یہ ناجائز کیسے ہو گیا کیا صحیح بخاری میں اس کی اصل نہیں ملتی کہ سید الکائنات نے اپنے ہاتھ کو سیدی حضرت عثمانؓ کا ہاتھ ٹھہرایا اور چودہ سو صحابہؓ نے اس پر سکوت کیا کسی نے نکیر نہ کی ـــ کیا صحابہؓ کا اجماع حجت نہیں ہے؟[1]

غیر مجتہد جب اجتہاد پر آجائے تو ایسے ہی گل کھلاتا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے پیغمبر ہیں۔ اللہ کے پیغمبر کا ہر کام اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور عصمت کے سائے میں ہوتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت رضوان میں جو حضرت عثمانؓ کی بیعت لی یہ وحی الٰہی سے تھی گو یہ وحی غیر متلو تھی اور کس طرح حضرت عثمانؓ کے شامل ہاتھ پر اللہ رب العزت کا ہاتھ تھا اس کا ذکر وحی متلو (قرآن کریم) میں موجود ہے۔

پھر حضرت عثمانؓ کا حضور رسالت مآبؐ کا احترام ملاحظہ ہو آپ فرماتے ہیں۔

میں نے جب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی ہے اپنے اس ہاتھ سے شرمگاہ کو نہیں چھوا۔[2]

---

[1] [illegible] مولانا محمد [illegible] [2] بحوالہ ابن ماجہ صفحہ [illegible]

اب کوئی ان اہل بدعت سے پوچھے کہ جب تم اذان میں انگوٹھوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انگوٹھے قرار دیتے ہو تو پھر کیا تم اپنے ان انگوٹھوں سے استنجا نہیں کرتے؟ کیا یہی احترام مصطفیٰ ہے؟ اور کیا تمہارے پاس بھی کوئی وحی آئی ہے کہ تمہارے انگوٹھے حضور سرور کائنات کے انگوٹھوں کے درجہ کو پہنچ گئے ہیں؟ کچھ تو خدا کا خوف کرو اور حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی اس گستاخی سے بچو۔

پھر اس گستاخی پر بریلویوں نے ایک موضوع روایت کا سہارا لے رکھا ہے اس پر عمل کرنے سے پہلے بریلویوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر بھی نظر رکھنی چاہیے تھی۔

من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار[1]

ترجمہ جس نے جانتے بوجھتے مجھ پر جھوٹ باندھا اسے چاہیئے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

حضرت ابوبکر صدیق اپنی تمام زندگی میں حضور کے ساتھ اس طرح رہے ہیں جیسے سایہ اپنی اصل کے ساتھ چلتا ہے سو حضرت ابوبکرؓ پر جھوٹ باندھنا بھی جہنمی ہونے کا ہی ایک نشان ہے

وہ موضوع روایت یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب مؤذن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیتے سنا تو آپ نے اپنی انگلیوں کے اندر حصے کو چوما اور آنکھوں سے لگایا —— یہ روایت علامہ دیلمیؒ کی کتاب مسند الفردوس کے حوالے سے نقل کی جاتی ہے

فن حدیث میں جو کتابیں موضوعات (گھڑی ہوئی احادیث) پر لکھی گئی ہیں ان میں علامہ طاہر حنفی کی تذکرۃ الموضوعات اور ملا علی قاریؒ کی موضوعات کبیر بہت معروف ہیں۔ ان دونوں میں علی الترتیب ص۳۶ اور ص۲۱۰ پر یہ روایت لا یصح کہہ کر نقل کی گئی ہے اس کا ان موضوعات کی کتابوں میں اس طرح نقل ہونا بتاتا ہے کہ یہ روایت موضوع ہے موضوعات کی بحث میں جب کسی حدیث کے متعلق کہا جائے لا یصح اور آگے اس کے حسن یا ضعیف ہونے کا کوئی ذکر نہ ہو تو اس سے مراد اس

---

[1] رواہ ابن ماجہ ص۵

حدیث کا سرے سے نہ ثابت ہونا ہی ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہ اس سے حسن یا ضعیف ہونے کی نفی ہو جائے اور ان کتابوں کا مطلب سمجھنے والوں پر یہ بات مخفی نہیں ہے۔ یہاں لا یصح کا مطلب یہی ہے کہ یہ روایت سرے سے ثابت نہیں ۔۔۔ علامہ سخاویؒ نے اسے مقاصد حسنہ میں بھی نقل کیا ہے۔ مگر ملا علی قاریؒ نے موضوعات کبیر میں اسے علامہ سخاویؒ کے حوالے سے ہی لا یصح کے الفاظ سے نقل کیا ہے۔

جب کسی ضعیف حدیث کو مجروح کیا جائے تو اس کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ یہ موضوع ہے۔ ورنہ ضعیف کے نیچے اور کون سا درجہ ہے کہ ضعیف پر جرح کر کے اسے اس درجہ تک لایا جائے۔ مولانا احمد رضا خاں نے انگوٹھوں کے چومنے کی روایات کو صرف ضعیفہ نہیں کہا ضعیفہ مجروحہ کہا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

> اذان میں وقت استماع نام پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم انگوٹھوں کے ناخن چومنا آنکھوں پر رکھنا کسی حدیث صحیح مرفوع سے ثابت نہیں نہ جو کچھ اس میں روایت کیا جاتا ہے کلام سے خالی ہے جو اس کے لیے ایسا ثبوت مانے یا اسے مسنون جانیں یا نفس ترک کو باعث زجر و ملامت کہے وہ بے شک غلطی پر ہے ہاں بعض احادیث ضعیفہ مجروحہ میں تقبیل وارد۔[1]

یہاں مولانا احمد رضا خاں نے صریح طور پر ان روایات کو اس درجے میں ضعیف مانا ہے کہ ان پر ضعف سے آگے بھی جرح ہے۔ اب ضعف سے آگے وضع کے سوا اور کیا ہو۔ یہ باقی رہ جاتا ہے اس پر آپ خود غور فرمالیں۔

ضعیف حدیث پر عمل بھی اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ اس پر عمل کرنے والا یہ عقیدہ نہ رکھتا ہو کہ اس کا ثبوت حدیث میں موجود ہے:

لا یعتقد عند العمل به ثبوته[2]

---

[1] ابر المقال صفحہ ۱۵ مطبوعہ حسنی پریس [2] القول البدیع للسخاوی

ترجمہ: اس پر عمل کرے لیکن یہ عقیدہ نہ رکھتا ہو کہ یہ عمل شرعاً ثابت ہے۔

اب آپ ہی بتائیں کہ اذان میں یہ انگوٹھے چومنے والے، کیا اس عمل پر کیا عقیدہ رکھتے ہیں اور اسے نہ کرنے والے کو کس نظر سے دیکھتے ہیں۔

بریلوی حضرات کو اگر اتنی بھی تحقیق نہیں ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے موضوع نہیں تو انہیں چاہیے کہ اس کی کوئی ایسی سند پیش کریں جس میں کوئی راوی متہم بالوضع نہ ہو۔ سند میں ایک راوی بھی وضاع ہو تو حدیث ضعیف نہ رہے گی۔ ضعیف حدیث پر عمل بھی صرف اس صورت میں جائز ہے کہ وہ موضوع ہونے تک نہ پہنچی ہو۔ امام نووی (۶۷۶ھ) لکھتے ہیں:

یجوز ویستحب العمل فی الفضائل والترغیب والترہیب بالحدیث الضعیف ما لم یکن موضوعاً۔[1]

ترجمہ: فضائل اور ترغیب و ترہیب میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا اسی وقت تک جائز و مستحسن ہے کہ وہ موضوع ہونے کے درجے تک نہ پہنچی ہو۔

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے تیسیر المقال میں ان احادیث کے بارے میں فیصلہ دیا ہے:

الاحادیث التی رویت فی تقبیل الانامل وجعلها علی العینین عند سماع اسمه صلی اللہ علیہ وسلم عن المؤذن فی کلمة الشہادة کلہا موضوعات۔[2]

ترجمہ: وہ احادیث جو حضور کا نام لینے کے وقت انگلیوں کے چومنے اور انہیں آنکھوں پر رکھنے کے بارے میں روایت کی گئی ہیں سب کی سب موضوع ہیں۔

مولانا احمد رضا خاں اور مفتی احمد یار خاں میں اختلاف

مولانا احمد رضا خاں جس درجے میں بھی اس مسئلے کا ذکر کرتے ہیں وہ مسئلہ انگوٹھے چومنے کا ہے انگلیاں چومنے کا نہیں اور مفتی احمد یار خاں صاحب انگوٹھے چومنے کی بجائے انگلیوں کے

---

[1] اذکار نووی ص۹ [2] ماخوذ از عماد الدین ص۱۲۳ مطبوعہ [illegible]

جو منے کے قائل ہیں۔ مولانا احمد رضا خاں انگوٹھوں کے ناخنوں کو آنکھوں پر رکھنے کا مسئلہ بیان کرتے
ہیں مگر مفتی صاحب انگلیوں کے اندر کے حصوں کو چومنے کے قائل ہیں۔ مولانا احمد رضا خاں کی یہ کتاب
منیر العینین فی تقبیل الابہامین انگوٹھوں کے حق میں ہے مگر مفتی صاحب کو انگلیوں کی عادت محق
بریلویوں میں دونوں طرح پر عمل جاری ہے

ایک دفعہ دونوں گروہوں سے کچھ لوگ بات کے تصفیے کے لیے بیٹھے کہ انگوٹھے چومے
جائیں یا انگلیاں۔ اس کا فیصلہ تو ان میں نہ ہو سکا۔ البتہ مولانا محمد عمر اچھروی نے دونوں میں اس طرح
صلح کرا دی کہ سری نمازوں کی اذانوں میں انگلیاں اور جہری نمازوں کی اذان میں انگوٹھے چومے جائیں
سنا ہے اسی پر دونوں فریق راضی ہو گئے۔

ہم کہتے ہیں جب اصل مسئلہ ہی کہیں موجود نہیں تو اس کی یہ تفصیل کہاں موجود ہو گی۔ ہم
مولانا محمد عمر صاحب سے اس کی دلیل نہیں پوچھتے وہ بھی ان بدعات کا جواب دینے کے لیے
خود اللہ کے حضور پہنچ چکے ہیں۔

اہل بدعت نے اپنے اس خود ساختہ مسئلے کے لیے پہلے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق رض کے
نام سے روایت گھڑی اور اس کی حقیقت آپ حضرات علماء محدثین سے سن چکے ہیں۔ اس دور کے اہل
بدعت نے کہا زمین پر پہلے خلیفہ تو حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ اب ان کے نام سے بھی ایک
روایت گھڑلی۔ مفتی احمد یار خاں صاحب لکھتے ہیں:۔

حضرت آدم علیہ السلام نے روح القدس کے دیکھنے کی تمنا کی تو وہ نور ان کے انگوٹھوں
کے ناخنوں میں چمکایا گیا۔ انہوں نے فرط محبت سے ان ناخنوں کو چوما اور آنکھوں سے لگایا[1]

مفتی صاحب کہتے ہیں یہاں روح القدس سے مراد نور مصطفیٰ ہے جو آدم علیہ السلام کے
انگوٹھوں میں چمکایا گیا تھا۔ کیا ہم مفتی صاحب سے پوچھ سکتے ہیں کہ کیا آپ کے انگوٹھوں میں بھی کوئی
نور مصطفیٰ چمکا ہے جو آپ انہیں بار بار چومتے ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ آدم ثانی کا دعوے کرنا

---

[1] جاء الحق ص ۴۱۴

آپ کے پیش نظر ہو بعد میں یہ آپ اپنے انگوٹھوں میں کو یہ مسنون چھپنے سے مراد ہونا۔

جیسے خلیفۃ اللہ فی الارض ہوں جیسے آدم علیہ السلام یا جیسے خلیفہ راشد حضرت ابوبکر صدیقؓ بریلویوں

نے ان کے نام سے اذان میں انگوٹھے چومنے کی روایت بنا رکھی ہے۔

__نوٹ__: مفتی صاحب نے یہ روایت کہاں سے لی ہے؟ اپنے استاد مولانا نعیم الدین مراد آبادی سے

انہوں نے اسے کہاں سے لیا ہے وہ ان کی زبان سے سنیئے اور ان محققین کے اس اعتقاد پر

سر دھنیئے۔

ولایت سے انجیل کا ایک بہت پرانا نسخہ برآمد ہوا ...... جس میں لکھا ہے۔[1]

بعض صوفیوں نے بطور علاج اس میں فائدہ دیکھا

بعض اعمال بطور علاج مفید پائے گئے تو علماء نے ان کی اجازت دی بشرطیکہ کرنے والا

اسے دینی تقاضانہ سمجھے نہ اس کے شرعی ثبوت کا قائل ہو اسے درجہ علاج میں ہی رکھے۔ حضرت خضرؑ

کے اعمال شرعی درجہ میں کچھ نہیں آسکتے تھے۔ اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے برداشت نہ ہو سکا۔

علماء شریعت نے لکھا ہے کہ صوفیہ کا عمل حلت و حرمت میں سند نہیں رکھتا۔

ایک درویش محمد بن بابا نے بیان کیا ایک بار تیز آندھی سے ان کی آنکھ میں کنکری پڑ گئی

وہ نکلتی نہ تھی اور سخت درد تھا۔ انہوں نے مؤذن کو اذان دیتے سنا جب اس نے اشہد ان

محمداً رسول اللہ کہا تو انہوں نے بھی یہ کلمہ دہرایا کنکری فوراً نکل گئی۔ اس طرح ایک درویش امجد

نے اپنا تجربہ بیان کیا کہ جو شخص اذان میں حضورؐ کا نام سن کر اپنی انگشت شہادت اور انگوٹھے کا جوڑ

آنکھوں سے لگائے تو اس کی آنکھیں کبھی نہ دکھیں گی۔

یہ تجربے عملیات کی قبیل سے ہیں یہ شریعت کے مسائل نہیں تاہم ان کے اثرات دیکھے

گئے۔ علامہ شامی نے فتاویٰ صوفیہ سے اسے نقل کیا اور جو صنیعت روایات ان کے ثبوت میں آئیں

---

[1] جاء الحق صفحہ ۔ پہنچی دنیا پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

حضرت ابن عمرؓ کے اسے بدعت ٹھہرانے کے بارے میں لکھتے ہیں۔

جو لوگ اسے بدعت کہتے ہیں وہ لوگوں کے جمع ہونے اور مسجد میں علی الاعلان
پڑھنے کی بنا پر ہے یہ نماز (نماز چاشت) بحد ذاتہ میں تو مشروع ہے
لیکن اس کا ایسا اجتماع اور اظہار کرنا جیسا کہ یہ عمل فرائض میں سے ہو
بدعت ہے۔[1]

گجرات کے جلیل القدر عالم حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم لاجپوری بھی لکھتے ہیں:

نام مبارک سن کر انگوٹھے چومنے کو حدیث سے ثابت شدہ ماننا
اور سنت سمجھنا اور اس کو آپ کی تعظیم ٹھہرانا غلط اور بے دلیل ہے بدعتیوں
کی ایجاد ہے اور اس سے احتراز کرنا ضروری ہے۔[2]

اب صورت یہ ہے کہ لوگ اس کو آپ کی خاص تعظیم اور سنت مقصودہ سمجھتے ہیں اور نہ کرنے والے کو لعن طعن کرتے ہیں اور حنفیت کے خلاف اور اہل سنت سے خارج تصور کرتے ہیں یہ تمام باتیں غلط ہیں اور ان کی بنا پر یہ ضروری ہے کہ ایسا نہ کیا جائے اور اس عمل کو ترک کر دیا جائے۔ فقہ کا مسئلہ قاعدہ ہے کہ مستحب کو جب اپنے درجہ سے بڑھا دیا جاتا ہے تو وہ مکروہ ہو جاتا ہے و استنبط منه ان المندوب ینقلب مکروها اذا خیف ان یرفع عن مرتبته۔[3]
ترجمہ اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ مستحب چیز بھی مکروہ ہو جاتی ہے جب اسے اپنے درجہ سے اونچا کیا جائے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ بھی لکھتے ہیں:

ان المندوبات قد تنقلب مکروهات اذا رفعت عن مرتبتها لان التیامن
مستحب فی کل شیء من امور العبادة لکن لما خشی ابن مسعود ان
یعتقدوا وجوبه اشار الی کراهته۔[4]

---

[1] مدارج النبوۃ جلد ۱ ص ... [2] فتاوی رحیمیہ جلد ۱ ص ... [3] مجمع البحار جلد ۳ ص ۱۴۲ [4] فتح الباری جلد ۲ ص ۲۸

حضرت صدیق اکبرؓ کی طرف جس حدیث کی نسبت کی جاتی ہے وہ موضوع ہے۔ حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی لکھتے ہیں :-

> جب کہ حدیث کا قابل استدلال ہونا ثابت ہے تو پھر اس کو سنت یا مستحب سمجھنا بے دلیل ہے اور اس کے تارک کو ملامت کرنا یا طعن کرنا مذموم زیادہ سے زیادہ اس کو بطور علاج رمد کے ایک عمل سمجھ کر کوئی کرلے تو مثل دیگر عملیات مباح ہو سکتا ہے اس سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں[1]

۴ جمعہ کی اذان ثانی مسجد کے اندر نہ ہو

مولانا احمد رضا خاں نے حضرت عثمانؓ کے خلاف یہ آواز اٹھائی کہ آپ نے جمعہ کی اذان ثانی مسجد کے اندر امام کے سامنے دلوانے میں غلطی کی ہے یہ اذان مسجد کے باہر ہونی چاہیئے یہ موقف اہلحدیث حضرات کا تھا احناف کا نہیں۔ مشہور اہلحدیث عالم مولانا شمس الحق کے عون المعبود میں یہی موقف اختیار کیا ہے۔ مولانا احمد رضا خاں جن مسائل میں اہلحدیث کے ساتھ چلے یہ مسئلہ بھی ان میں سے ہے علماء بدایوں جو اکثر بدعات میں مولانا احمد رضا خاں کے ساتھ تھے اس مسئلے میں وہ بھی مولانا احمد رضا خاں کے خلاف ہو گئے۔ مولانا احمد رضا خاں نے علماء بدایوں جو عثمانی النسب تھے کے خلاف ایک رسالہ (عین انوار الحق) لکھا، اس میں آپ نے انہیں بدری نسبت کا طعنہ دیا جو کسی سنی مسلمان کا کام نہیں ہو سکتا، مولانا احمد رضا خاں نے لکھا :-

> جو دربارہ اذان سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرے اگر امام وقت ہے (اپنی ذات مراد تھی) جاہل ونا مہذب اور ہزاروں دشنام کا مستوجب

---

[1] کفایت المفتی جلد ۳ ص۳

ہے۔ اور جو بدعت پرستی میں حضرات مخدوم کی پیروی میں سنت نبوی اور
ارشادات فقہ پس پشت پھینک دے وہ جاہل ہے جاہل ہو امام زماں اور
ملازم حرمین و حجاز ہے۔[1]

حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری نے اس پر رسالہ تنشیط الاذان فی تحقیق محل الاذان
لکھا۔ پھر تو پیر آباد کی علماء بھی مولانا احمد رضا خان کے خلاف ہو گئے۔ مولانا معین الدین اجمیری نے بھی
القول الاظہر احمد رضا خان کے خلاف لکھا۔ احمد رضا خان سے اس کا جواب نہ بن پڑا۔ وہ علمی پایہ میں
مولانا اجمیری کے پایہ کے نہ تھے۔ القول الاظہر کا نتیجہ یہ نکلا کہ بریلویوں نے اس مسئلہ میں مولانا
احمد رضا خان کی پیروی سے انکار کر دیا۔ آج ان کی مساجد میں بھی جمعہ کی اذان مسجد کے اندر ہی ہوتی
ہے اگر باہر دی جائے تو پتہ نہیں رہتا کہ مؤذن امام کے عین سامنے اذان دے رہا ہے یا نہیں

فقہ حنفی کی مشہور کتاب مراقی الفلاح میں ہے۔

ویؤذن بین یدیہ کالاقامۃ جری بہ التوارث[2]

ترجمہ۔ اور جمعہ کی اذان ثانی امام کے سامنے دی جائے جیسے اقامت ہوتی ہے
صحابہ کے دور سے یہ مسئلہ مسلسل چلا آرہا ہے

سو خان صاحب کا یہ کہنا کہ یہ اذان بھی مسجد سے باہر دی جائے فقہ حنفی کے مطابق نہیں۔
اس مسئلہ کی تفصیل ان شاء اللہ ہم کہیں آگے جا کر کریں گے۔ واللہ ھو الموفق لما یحبہ و یرضی بہ۔

(۳) قد قامت الصلوٰۃ سے پہلے کھڑے ہونے کو ناجائز سمجھنا

اس زمانے کی بدعات میں ایک بدعت جماعت کے لیے قد قامت الصلوٰۃ پر کھڑے ہونے
کی بڑی پابندی ہے۔ اس بدعت کی سمجھ ضد میں امام کے مصلے پر آنے کے بعد تکبیر کے شروع میں اگر
لوگ صف میں کھڑے ہونے لگیں تو انہیں روکا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے قد قامت الصلوٰۃ سے پہلے

[1] اجلی الانوار لرضا ص۱۳ [2] مراقی الفلاح مع الطحطاوی ص۲۸۳

کھڑا ہونا جائز نہیں۔

نماز جماعت کے لیے کس وقت کھڑے ہوں؟ اس کے لیے شریعت نے کوئی حد مقرر نہیں کی کہ اس کے خلاف کرنا مکروہ ہو۔ ہاں اتنی بات ہے کہ قد قامت الصلوٰۃ پر کھڑے ہونا ہے اس سے زیادہ تاخیر مکروہ ہے۔

حضرت امام مالکؒ مدینہ منورہ میں رہتے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں درس دیتے تھے اور اسی میں نماز پڑھتے تھے۔ ان کا زمانہ خیر القرون سے کچھ زیادہ فاصلے پر نہ تھا۔ ان کے دور میں مسجد نبوی میں کیا عمل تھا؟ آپ کی زبان سے سنیے۔ آپ لکھتے ہیں:

اما قیام الناس حین تقام الصلوٰۃ فانی لم اسمع فی قیام الناس بحد محدود الا انی اری ذلک علی طاقۃ الناس۔[1]

ترجمہ: نماز کھڑی ہو تو لوگ کب کھڑے ہوں؟ اس میں کوئی حد معین کی بات نہیں سنی، میں سمجھتا ہوں کہ یہ لوگوں کی اپنی ہمت پر موقوف ہے۔

یعنی جو جلدی کھڑا ہو سکے وہ جلدی کھڑا ہو جائے جو کمزور ہو وہ ذرا دیر سے کھڑا ہو۔ مستحب یہ ہے کہ اس وقت کھڑا ہو جب مؤذن تکبیر کہنے لگے ـــ مؤذن کے تکبیر شروع کرنے کے بعد بھی بیٹھا رہے اور قد قامت الصلوٰۃ کا انتظار کرے اس سے پہلے کھڑے ہونے کو ناجائز کہنا اس بدعت نے ان دنوں بعض مسجدوں میں عجیب رنگ پیدا کر رکھا ہے۔ حضرت امام مالکؒ تو تکبیر کے شروع میں کھڑے ہوتے تھے۔ حافظ ابن حزم اندلسیؒ (۴۵۶ھ) لکھتے ہیں:

روی عن مالک انه یقوم فی اول الاقامة۔[2]

ترجمہ: امام مالکؒ سے مروی ہے کہ آپ شروع اقامت میں کھڑے ہو جاتے تھے۔

حضرت علامہ عینیؒ (۸۵۵ھ) لکھتے ہیں:

فقد اختلف السلف متی یقوم الناس الی الصلوٰۃ فذهب مالک وجمهور

---

[1] مؤطا امام مالک ص [2] المحلی جلد ۳ ص

العلماء في انه ليس لها حد محدود ولكن مستحب عامتهم القيام اذا
اخذ المؤذن في الاقامة[1]

ترجمہ: سلف میں اس میں اختلاف رہا ہے کہ لوگ نماز کے لیے کب کھڑے ہوں، امام مالکؒ اور جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ مقتدیوں کے کھڑا ہونے کے لیے شریعت نے کوئی حد مقرر نہیں کی تاہم مستحب یہ ہے کہ مؤذن جب اقامت شروع کرے تو لوگ کھڑے ہو جائیں۔

مسجد نبویؐ کے علمی ورثہ کی یہ شہادت آپ کے سامنے ہے اور جو اقامت کے شروع میں کھڑے ہونے کو کہتے ہیں وہ بھی مستحب سے آگے نہیں بڑھتے۔ اور یہ بریلوی ہیں جو قد قامت الصلوٰۃ پر کھڑے ہونے کو واجب سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور جو پہلے کھڑا ہو جائے اس پر سخت نکیر کرتے ہیں۔

حضرت عمرؓ کا عمل

عن ابن عمر ان عمر ابن الخطاب كان يأمر رجالا بتسوية الصفوف
فاذا جاؤه فاخبروه بتسويتها كبر بعد[2]

ترجمہ: حضرت عمرؓ کچھ لوگوں کو امر فرماتے کہ صفیں سیدھی کرائیں جب وہ لوگ آکر آپ کو اطلاع دیتے کہ صفیں سیدھی ہو گئی ہیں تو پھر تکبیر کہتے

حضرت عثمانؓ کا عمل

آپؓ جب نماز کھڑی ہوتی تو کہتے ۔

فاعدلوا الصفوف وحاذوا بالمناكب فان اعتدال الصفوف من تمام الصلوٰة[3]

---

[1] عینی شرح بخاری جلد ۵ ص ۱۵۱ [2]

ترجمہ: صفیں سیدھی کرو اور کندھے سے کندھا ملاؤ کیونکہ صفیں سیدھی کرنا بھی
نماز کا حصہ ہے۔

پھر لوگ جب کہہ دیتے کہ صفیں سیدھی ہو گئی ہیں تو آپ تکبیر کہتے۔ یہاں سوال اٹھتا ہے کہ مؤذن نے تکبیر جب کہی اگر یہ تسویہ صفوف کی ساری محنت (لوگوں کو اس کی تحقیق کے لیے بھیجنا اور ان کا آپ کو آکر اطلاع دینا کہ صفیں سیدھی ہو گئی ہیں) اس کے بعد کی گئی ہے تو تکبیر مؤذن اور امام کے نماز شروع کرنے کے مابین ایک لمبا وقفہ قائم ہوتا ہے جس کا شرعاً کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اور امام ابوحنیفہؒ کا ارشاد ہے کہ جب مؤذن تکبیر کہے تو امام تکبیر تحریمہ کہے ——— وقفہ کہاں گیا؟ امام محمدؒ لکھتے ہیں:

فاذا قال المؤذن قد قامت الصلوٰة كبر الامام وهو قول ابي حنيفة[1]

ترجمہ: سو جب مؤذن قد قامت کہہ دے امام نماز شروع کر دے۔ امام ابوحنیفہؒ
کا قول یہی ہے۔

حضرت امام محمدؒ لکھتے ہیں:

ینبغی للقوم اذا قال المؤذن حی علی الفلاح ان یقوموا الی الصلوٰة فیصفوا
ویسووا الصفوف ویحاذوا بین المناکب[2]

ترجمہ: لوگوں کو چاہیے جب مؤذن حی علی الفلاح کہے تو نماز کے لیے اٹھ کھڑے ہوں،
کریں صفیں باندھ لیا کریں اور انہیں سیدھی بھی کر لیں اور کندھے سے کندھا ملائیں۔

یہاں اٹھ کھڑے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے بعد بھی بیٹھے نہ رہیں اور امام نے تو تکبیر ختم ہوتے ہی تکبیر تحریمہ کہہ دی ہوتی ہے۔ اس کے بعد کھڑے ہوں گے تو صفیں سیدھی کرنے اور کندھے سے کندھا ملانے کا وقت نہیں ملے گا تو نمازیوں کو اب کھڑا ہونے میں دیر نہ کرنی چاہیے۔

---

[1] موطا امام محمد صفحہ [2] ایضاً

فقہائے کرام نے بعض عبارات میں جو کہا ہے کہ مؤذن جب حی علی الفلاح تک پہنچے تو مقتدی یوں کھڑا ہو جانا چاہیئے کا مطلب یہی سمجھا ہے کہ اس سے زیادہ تاخیر نہ ہو کہ حی علی الفلاح کے بعد بیٹھے رہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس سے پہلے کھڑا ہونا ناجائز ہے۔ حضرت علامہ طحطاویؒ درمختار کی شرح میں لکھتے ہیں:۔

والظاهر انه احتراز عن التاخير لا عن التقديم حتى لو قام اول الاقامة لا بأس وحرر۔ [1]

ترجمہ۔ اور یہ ظاہر ہے کہ آپ نے یہاں تاخیر سے بچنے کا کہا ہے (کہ حی علی الفلاح کے بعد بیٹھا نہ رہے) تقدیم سے بچنے کا نہیں کہ اس سے پہلے کھڑا ہونا ناجائز ہو۔
حتی کہ اگر کوئی اقامت کے شروع میں ہی کھڑا ہو گیا تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ پہلے کھڑا ہونا جائز ہے (ہاں تاخیر درست نہیں) بحر میں ہے کہ ینبغی للقوم اذا قال المؤذن حی علی الفلاح ان یقوموا الی الصلوٰۃ سے یہ مغالطہ ہوا ہے کہ وہ (مقتدی) اس سے پہلے کھڑے نہ ہوں حالانکہ اس عبارت کا مطلب وہی ہے جو ہم پہلے بیان کر آئے ہیں ـــــ شرح وقایہ کی عبارت کا بھی مطلب یہی ہے اور اگر اس کے ظاہر پر بھی عمل ہو جائے تو زیادہ سے زیادہ یہ ایک عمل مندوب ہوگا اور ظاہر ہے کہ امر مندوب پر اصرار نہیں ہوتا اور جب اس پر اصرار ہونے لگے تو اسے چھوڑ دینا ضروری ہو جاتا ہے۔

افضل التابعین حضرت سعید بن المسیبؒ (۹۳ھ) کا فیصلہ بھی سن لیں:۔

عن سعید بن المسیب قال اذا قال المؤذن الله اکبر وجب القیام واذا قال حی علی الصلوٰۃ عدلت الصفوف واذا قال لا اله الا الله کبر الامام۔ [2]

ترجمہ۔ حضرت سعید بن المسیبؒ سے مروی ہے کہ مؤذن جب تکبیر شروع کرے تو

---

[1] طحطاوی علی الدر المختار جلد ۱ صفحہ [illegible] [2] فتح الباری جلد ۲ صفحہ [illegible]

مقتدی کے لیے کھڑا ہونا واجب ہو جاتا ہے جب مؤذن حی علی الصلوٰۃ کہے تو صفیں
سیدھی کر لی جائیں۔ اور جب مؤذن قد قامت الصلوٰۃ کہے تو امام نماز شروع کر دے
حضرت علامہ عینیؒ اسے تابعی جلیل حضرت عمر بن عبد العزیزؒ ... سے بھی اسی طرح نقل
کرتے ہیں۔[1]

یہ ان اکابر کا فیصلہ ہے، اسے یکسر غلط قرار دینا اور قد قامت الصلوٰۃ سے پہلے کھڑے ہونے
کو ناجائز کہنا یہ بدعت ہے اور اس کی کوئی اصل نہیں۔ اسے مستحب بھی مانا جائے تو ترک مستحب سے
اس کا مکروہ ہونا لازم نہیں آتا۔ جب یہ مکروہ نہیں تو اس پر بریلویوں کی یہ نکیر کیوں ہے۔ علامہ ابن نجیمؒ
صاحب البحر الرائق لکھتے ہیں:

ولا يلزم من ترك المستحب ثبوت الكراهة۔[2]

ترجمہ: مستحب کے ترک سے کسی کام کا مکروہ ہونا لازم نہیں آجاتا۔

پھر مستحب پر اصرار جائز نہیں۔ مگر اس پر ایسا اصرار ہو جو اس کے واجب ہونے کا مشعر بنے
تو اس کا ترک ضروری ہو جاتا ہے۔ شریعت نے مقتدی کے کھڑے ہونے کو امام کے دیکھنے سے وابستہ کیا ہے
مؤذن کی تکبیر سے نہیں۔ اور اس کے لیے حضور کا یہ فرمان کافی وافی ہے۔

لا تقوموا حتى تروني وعليكم بالسكينة۔[3]

ترجمہ: تم (جماعت کے لیے) اس وقت تک کھڑے نہ ہوا کرو جب تک مجھے نہ دیکھ لو
اور کھڑے ہونے میں (ہجوم نہ کرو) سکون و اطمینان سے کھڑے ہوا کرو۔

جواب نماز کے لیے کھڑا ہونے کو تکبیر مؤذن کے ماتحت قرار دینا اور بس یہ اتنا ضرور ہے
کہ اگر کوئی پہلے کھڑا ہو جائے تو اس پر نکیر عام کرنا اور ضد کرنا یہ ہرگز امر شریعت میں سے نہیں۔

---

[1] عینی علی البخاری جلد ۵ صفحہ [illegible] [2] رد المحتار علامہ شامی جلد ۱ صفحہ [illegible] [3] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ [illegible]

⑤ وبا اور قحط کے دنوں میں عام اذانیں دینا

جب کبھی وبا پھیلے یا قحط واقع ہو تو عام لوگ اپنے مکانوں پر چڑھ کر اذانیں دیتے ہیں اور ان کے مولوی اس عمل پر ان کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ بریلویوں کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں وہ اس بات سے قیاس کرتے ہیں کہ مغموم آدمی کے کان میں اذان کہنا روا ہے اس سے اس کا غم جاتا رہتا ہے۔ یاد رہے کہ مغموم کے کان میں اذان کہنا صحابہؓ سے مروی ہے اور وبا اور قحط کے حصول کو اس پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ ملا علی قاری شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں۔

قالوا يسن للمهموم ان يأمر غيره ان يؤذن في اذنه فانه يزيل الهم كذا عن علي رضي الله عنه ونقل الاحاديث الواردة في ذلك [1]

ترجمہ: علماء نے کہا ہے کہ کسی غمزدہ کو روا ہے کہ کسی دوسرے کو کہے میرے کان میں اذان دو تاکہ یہ غم کو دور کرے ایسا ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اور اس میں کئی احادیث روایت کی گئی ہیں۔

عام لوگوں میں جو یہ بات مشہور ہے کہ اذان دینے سے آسمانی بلائیں رکتی ہیں یہ ان کی اختراع ہے۔ زمانہ قحط اور وبا میں اور دیگر حادثات میں اور دفن میت پر اذان کہنا شارع علیہ السلام سے ثابت نہیں لہذا بدعت ہے جنات جنگل میں پریشان کر دیں تو بے شک اذان کہی جا سکتی ہے لیکن وباؤں کے پھیلنے پر یہ عمل اختیار نہیں کیا جا سکتا [2]

وبا اور قحط میں اذان کہنا منقول نہیں ہے۔ اور تغول غیلان کے وقت جو اذان مستحب ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ظاہر ہونے سے غیلان جن محسوس ہو مثلاً جنگل وغیرہ میں کسی کو جنات کا احساس ہو تو اس وقت اذان کہنے کا حکم ہے اور قحط و وبا یہ ایسا مورد نہیں ہے کہ اس کو اس پر قیاس کر سکتے ہیں [3]

---

[1] مرقات جلد [illegible] ص [illegible] ردالمحتار ص [illegible] [2] فتاویٰ دار العلوم دیوبند ص [illegible] [3] ایضاً ص [illegible]

نمازوں میں لائی گئی بدعات

اب چلیے بریلویوں کی نمازوں میں لائی گئی چند بدعات کا بھی تنقیدی جائزہ لیں:

① مزارات پر نمازیں پڑھنے کے زیادہ ثواب کا اعتقاد

پوری دنیا میں صرف تین مسجدیں ہیں جن میں نماز کا ثواب زیادہ ہوتا ہے: مسجد حرام، مسجد نبوی، مسجد اقصیٰ۔ ان کے سوا دنیا میں جتنی بھی مسجدیں ہیں ان میں کوئی فرق نہیں۔ مزاروں کے ساتھ جو مسجدیں بنی ہیں وہ بھی یہی درجہ رکھتی ہیں۔ ہاں اگر کوئی اس میں اس نیت سے نماز پڑھے کہ یہ جوار اولیائے کرام میں ہے تو اس کے لیے یہاں نماز پڑھنا ناجائز ہو جائے گا کہ یہ اللہ کی تعظیم میں بزرگوں کی تعظیم کو ملانا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کو اسی لیے اپنی رحمت سے دور کر دیا تھا کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لعن اللّٰہ الیہود والنصاریٰ اتّخذوا قبور انبیائھم مساجد (وکما قال نبی)

اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے انہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔

لاہور میں ہم نے کتنے بریلویوں کو دیکھا ہے کہ وہ حضرت علی ہجویری المعروف بہ داتا صاحب کی مسجد میں اس اعتقاد سے نماز پڑھنے جاتے ہیں کہ وہاں انہیں داتا صاحب کی طرف سے پذیرائی حاصل ہوتی ہے۔ شب جمعرات کو کئی لوگ خاص خاص مسجدوں کا رخ کرتے ہیں کہ وہاں کی نماز عام مسجدوں کی نسبت سے بہت زیادہ ثواب رکھتی ہے۔

② تشہد میں نیت بدلنا اور حضورؐ کی طرف متوجہ ہونا

نماز میں نمازی اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونے کی نیت باندھتا ہے۔ تکبیر تحریمہ سے لے کر

سلام پھیرنے تک وہ خدا کے ہی حضور حاضر رہتا ہے۔ اسے اپنا دھیان خدا سے ہٹا کر کسی اور طرف
توجہ باندھنے کی اجازت نہیں۔ نماز عبادت ہے اور اس میں کسی اور کو شریک نہیں کیا جا سکتا۔ علماء
لکھتے ہیں نمازی نماز میں اپنی توجہ کسی اور طرف نہ پھیرے۔ توجہ پھیرنے کو صرف ہمت کہتے ہیں کہ انسان
اپنی پوری ہمت بس اسی طرف لگائے اور خدا سے دھیان ہٹا لے۔ صرف ہمت توجہ پھیرنے اور کسی اور
طرف دھیان باندھنے کا نام ہے۔

بریلوی حضرات نماز میں التحیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف توجہ باندھتے ہیں
کہ گویا اب وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہیں اور آپ پر السلام علیک ایہا النبی کہہ کر خود سلام
پیش کر رہے ہیں یہ نہیں کہ فرشتے ان کے اس سلام کو پہنچاتے۔

خدا تعالیٰ سے توجہ پھیرنا اور حضور کا دھیان باندھ لینا یہ نماز کے لیے بڑی آفت ہے اور
شرک کی کھلی دعوت ہے۔ ائمہ اربعہ اور ان کے مسلک کے علماء محدثین اور فقہاء نے اس کی ہرگز
اجازت نہیں دی۔ نماز عبادت ہے اور صرف خدا کی عبادت ہے اور شروع سے لے کر آخر تک
عبادت ہے۔

بریلوی نماز میں صرف ہمت کرتے ہیں اور اپنی توجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھیرتے ہیں
اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ جو عالم خود صرف ہمت سے منع کرتے ہیں یہ ان کی مخالفت کرتے
ہیں۔ وہ خود نماز میں خدا سے دھیان ہٹا کر اپنے بزرگوں پر توجہ باندھ لیتے ہیں۔

جو امام نماز میں صرف ہمت کرتا ہو اہل سنت بھائیوں کو چاہیے کہ اس کے پیچھے نماز نہ
پڑھیں۔ اس کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔ وہ شرک کی دلدل میں دھنستا جا رہا ہے۔ ہاں اگر وہ صرف ہمت
نہ کرے نہ خیال باندھے تو خیال آنے میں کوئی برائی نہیں۔ نماز میں قرأت میں جب انبیاء کرام
کے نام آئیں گے تو خیال ادھر جائے گا اور درود شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک ہے
تو خیال ادھر بھی جائے گا لیکن یہ محض خیال ہے۔ نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال آجانے میں

کوئی حرج نہیں۔ دوسرا یہ ہے کہ نماز ٹوٹتی ہے معمولی دنیاوی چیزوں کا خیال آ جانے سے بھی نماز نہیں ٹوٹتی جو چیز نماز کی آفت ہے وہ صرف ہمت ہے۔ یہ دونوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حاضری کی نیت باندھنے والا شرک میں جاتا ہے جس کی بخشش نہ ہوگی۔

نماز میں اگر کسی کو تصور کی اجازت ہو جائے تو یہی نہیں کہ آپ کو حضرت سے فارغ ذکر ہے یوں سمجھے کہ بادشاہ کے حضور حاضر ہو تو وہاں وزیر اعظم کو بھی سجدہ اور حاضری دو۔ جب بادشاہ سے صرف نظر کیے بغیر وہ وزیر اعظم کو بھی سلام عرض کر دے۔ یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کسی طرح بھی صرف ہمت نہ ہو۔

حافظ بدرالدین عینی (۸۵۵ھ) لکھتے ہیں:

ان المصلین لما استفتحوا باب الملکوت بالتحیات اذن لهم بالدخول فی حریم الحی

الذی لا یموت ... فاذا التفتوا فاذا الحبیب فی حرم الحبیب حاضر فاقبلوا

علیه قائلین السلام علیك ایها النبی ورحمة الله وبرکاته [۱]

ترجمہ: نمازی جب التحیات کہہ کر باب الملکوت کھولتے ہیں تو انہیں اللہ رب العزت کے حریم قرب میں داخل ہونے کی اجازت مل جاتی ہے۔۔۔ وہ نمازی کیا دیکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس حریم قرب میں حاضر ہیں سو اس طرف السلام علیک ایہا النبی کہتے ہوئے آگے ہیں۔

اس میں نمازی صرف ہمت نہیں کرتے حضور آپ کو خود ہی وہاں مل رہے ہیں۔

عبادت کی انتہائی کیفیت وہ قرب ہے جو نمازی کی خدا کی طرف باندھتا ہے توجہ کو اپنے وجود سے ہٹانا اور کسی دوسری طرف لگانا صرف ہمت ہے جس سے بزرگان دین اپنے مخلص مریدوں کو روکتے ہیں حضرت سید احمد شہید نے اپنے مریدوں کو صرف ہمت سے روکا کہ نماز میں توجہ کسی اور طرف نہ پھیرو۔ بریلوی نماز میں صرف ہمت کرتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حاضری دیتے ہیں وہ حضرت سید احمد شہید کی اس بات پر بہت تڑپے۔ مولانا اسماعیل شہید کے خلاف بھی ایک طوفان

---

[۱] عمدۃ القاری جلد ۲ ص [illegible]

پہلے یہ لوگ بزرگوں پر توجہ باندھتے ہیں پھر ان کی تصاویر بھی سامنے رکھتے ہیں۔ شدہ شدہ ان کی یہ بے راہ روی انہیں شرک کی دلدل میں پھینک دیتی ہے مولانا احمد رضا خاں خود واقرار کرتے ہیں۔

دنیا میں بت پرستی کی ابتداء یوں ہی ہوئی کہ صالحین (اللہ کے نیک بندوں) کی محبت میں ان کی تصاویر بنا کر رکھیں۔ اور اس سے لذت عبادت کی تائید چاہی۔ شدہ شدہ وہی معبود ہو گئیں۔[1]

علامہ شامی بت پرستی کی جڑ تصویروں کو نہیں بزرگوں کی قبروں کو ٹھہراتے ہیں۔

ان اصل عبادة الاصنام اتخاذ قبور الصالحین مساجد[2]

ترجمہ:

بت پرستی کی ابتداء اس سے ہوئی کہ لوگوں نے صالحین کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا تھا۔

مولانا احمد رضا خاں نے علامہ شامی کی بات کے مقابل یہ اپنی بات بنا رکھی ہے وہ شرک کی جڑ قبر پرستی سے ہٹانا چاہتے تھے۔ اس میں ان کی مصلحت کیا ہوگی ہم اس پر اس وقت بحث کرنا نہیں چاہتے۔ اس وقت ہم صرف یہ بتا رہے ہیں کہ بریلوی اپنی نماز میں تشہد میں یہ نبی کی طرف ہمت کرتے ہیں ورنہ وہ صرف ہمت سے بڑھ کے رہ مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے خلاف خیال آنے کو جھوٹ نہ بناتے۔ ہمارے قارئین یہاں پہنچ کر خود فیصلہ کریں کہ ان کی نماز ان بریلویوں کے پیچھے جائز ہو سکتی ہے یا نہیں جو نماز میں بھی ہمہ تن خدا کی طرف دھیان نہیں رکھتے اپنے بزرگوں کی طرف صرف ہمت کر جاتے ہیں۔

---

[1] الفوز الجمیل ص ۸۰ [2] عطایا القدیر فی حکم التصویر ص ۲ حسنی پریس بریلی

③ مکہ و مدینہ میں وہاں کے اماموں کے پیچھے نماز نہ پڑھنا

مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ وہ جگہیں ہیں جہاں ایک نماز لاکھ نمازوں کے برابر اور مسجد نبوی کی ایک نماز پچاس ہزار نمازوں کا ثواب رکھتی ہے۔ دنیا کے ہر ملک میں دو دین (اسلام اور کفر) رہ سکتے ہیں مگر سرزمین حجاز میں دو دین نہیں رہ سکتے وہاں ایک ہی دین (اسلام) رہے گا۔ حضرت امام محمد (۱۸۹ھ) لکھتے ہیں:۔

> قیامت کے قریب دجال بھی وہاں داخل ہونا چاہے تو نہ ہو سکے گا۔ مدینہ کی سرحدوں پر اللہ تعالیٰ نے فرشتے مقرر کر رکھے ہیں جو اس کا منہ شام کی طرف پھیر دیں گے۔

مگر افسوس بریلوی احترام حرمین کے قائل نہیں وہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ کفر پھر مکہ اور مدینہ میں داخل ہو چکا ہے۔ حج پر جا کر وہاں کے اماموں کے پیچھے نمازیں نہیں پڑھتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ یہ سب کافر ہیں۔

④ نماز جنازہ کے بعد وہیں اجتماعی دعا مانگنا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدینؓ نے کبھی کسی جنازہ پر نماز جنازہ کے بعد دعا نہ مانگی تھی۔ جنازہ میں میت کے لیے دعا نماز کے اندر ہے نماز کے باہر نہیں۔ نماز جنازہ کی دعا آپ جس سے پوچھیں یہی بتائے گا:۔

اللّٰھم اغفر لحیّنا و میّتنا وشاھدنا وغائبنا ۔۔۔ الخ

اب آپ ہی بتائیں یہ دعا کہاں پڑھی جاتی ہے۔ نماز کے اندر یا نماز کے باہر۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے جنازہ پر بعد نماز اجتماعی دعا اسی لیے نہ کی گئی کہ سنت میں اس کا کہیں ثبوت نہیں ملتا۔ اور حضرت نہایت درجے کے پابند سنت تھے۔

ترجمہ۔ جب تم قرآن پڑھو تو پہلے اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم پڑھ لیا کرو۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ جب تم قرآن پڑھ چکو تو پھر اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم پڑھ لیا کرو۔ قرآن پاک پڑھنے کا طریقہ یہ بتایا ہے کہ اس سے پہلے تعوذ ہو۔

اسی طرح آیت اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم کا ترجمہ یہ نہیں کہ جب تم نماز پڑھ چکو تو پھر وضو کر لیا کرو۔ (دیکھیے پ۶ المائدہ رکوع ۲) بلکہ یہ ہے کہ جب نماز میں کھڑا ہونا چاہو تو وضو کر لیا کرو۔

قرآن کریم میں جہاں حرم رسالت سے بات کرنے کے آداب لکھے گئے وہاں حکم فرمایا:

واذا سألتموھن متاعا فاسئلوھن من وراء حجاب۔ (پ۲۲ الاحزاب ع۷)

ترجمہ: اور جب تم ان سے برتنے کی کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو۔

یہاں کوئی شخص یہ ترجمہ نہ کرے گا کہ جب تم ان سے کوئی چیز مانگ لو تو پردے کے پیچھے سے ان سے کلام کیا کرو۔ (معاذ اللہ)

اس حدیث فاخلصوا له الدعاء میں بھی یہ ترجمہ نہیں کہ جب تم میت پر نماز پڑھ لو تو پھر میت کے لیے اخلاص سے دعا مانگو۔

یہاں اخلاص سے دعا کرنا نماز کے اندر مراد ہے نہ کہ نماز کے باہر اور اس کے بعد۔ حضور کا یہ حکم نماز کے اندر کے لیے ہے۔ فقہاء لکھتے ہیں آپ کا یہ حکم نماز کے اندر اخلاص سے دعا کرنے کا تھا۔

قال فی الصلوٰۃ علی المیت فاخلصوا بالدعاء[1]

ترجمہ: آنحضرتؐ کے ایک صحابی کہتے ہیں میت پر نماز میں خلوص سے دعا کیا کرو۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ نے حضورؐ کے ارشاد فاخلصوا له الدعاء سے نماز کے اندر کی دعا ہی مراد لی ہے۔

---

[1] المدونۃ الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۱۷۴

عن الزهري قال اخبرني ابو امامة بن سهل انه اخبره رجل من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم ان السنة في الصلوٰة على الجنازة ان يكبر الامام ثم يقرأ بفاتحة الكتاب بعد التكبيرة الاولى سرًا في نفسه ثم يصلي على النبي صلى الله عليه وسلم و يخلص الدعاء للجنازة في التكبيرات لا يقرأ في شيء منهن ثم يسلم سرًا في نفسه۔[1]

ترجمہ۔ نماز جنازہ کا مسنون طریق یہ ہے کہ امام تکبیر کہے اور پھر فاتحہ کے ساتھ پڑھے (سبحانك اللّٰهم وبحمدك) آہستہ سے اپنے جی میں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے اور اس کے بعد میت کے لیے بڑے اخلاص سے دعا مانگے اس میں کسی مقام پر قرأت نہ کرے (اگر فاتحہ پڑھی تو وہ بحیثیت دعا تھی بحیثیت قرآن نہ تھی) اور پھر آہستہ سے سلام پھیر دے۔

اس میں یہ تصریح ہے کہ یخلص الدعاء للجنازۃ سلام پھیرنے سے پہلے کا عمل ہے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا عمل بھی یہی رہا کہ نماز جنازہ میں بڑے اخلاص اور تضرع سے دعا کرتے۔ حضرت عوف بن مالکؓ کہتے ہیں میں نے ایک موقع پر حضورؐ کو دعا اللّٰهم اغفر له وارحمه وعافه واعف عنه ...... الخ اس انداز سے کہتے ہوئے سنا کہ میری تمنا جی کی کاش کہ یہ میرا جنازہ ہوتا۔

حتی تمنيت ان اكون ذلك الميت۔[2]

محدثین نے بھی حضورؐ کے اس ارشاد اذا صليتم على الجنازة فاخلصوا له الدعاء کا مطلب نماز جنازہ کی دعا سمجھا ہے۔ خطیب تبریزی دیکھئے اس نے مشکوٰۃ میں یہ حدیث نقل کرنے کے فورًا بعد جنازہ کی دعا اللّٰهم اغفر لحينا وميتنا نقل کی ہے۔ اس صنیع سے پتہ چلتا ہے کہ اس حدیث میں مراد نماز جنازہ کی دعا میں اخلاص ہے۔ نماز کے بعد کی کوئی دعا مراد نہیں۔

---

[1] سنن کبریٰ جلد ۴ صفحہ ۳۹ [2] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۳۱۲

نوٹ

یہاں امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کا گمان نہ کیا جائے۔ اس میں فاتحہ بہ نیت دعا ہے قرآن کریم کے الفاظ بہ نیت دعا امام کے پیچھے بھی پڑھے جا سکتے ہیں جیسے مقتدی رب اجعلنی مقیم الصلوٰۃ ومن ذریتی کے الفاظ امام کے پیچھے بھی پڑھتا ہے اور اس سے امام کے پیچھے قرآن پڑھنے کا الزام قائم نہیں ہوتا۔ اس نے اس سے پہلے سورۃ یا نہیں پڑھا ہے۔

نماز جنازہ میں تیسری تکبیر اور چوتھی تکبیر کے درمیان کچھ نہ پڑھے

نماز جنازہ میں تین بڑے حقوق ہیں۔

① اللہ رب العزت کا حق
② حضور رسالت مآب کا حق
③ میت کا حق

جب یہ تین حقوق پورے ہو جائیں تو پھر آگے کوئی بات نہیں۔ چوتھی تکبیر کے بعد کچھ نہیں پڑھنا۔ بس سلام پھیرنا ہے۔ نماز جنازہ کا کوئی حصہ بھی باقی ہوتا تو وہ چوتھی تکبیر کے بعد پڑھا جاتا۔ جب اس تکبیر کے بعد صرف سلام ہے تو معلوم ہوا کہ اب نماز کا کوئی حصہ باقی نہیں۔ سلام پھیرنے کے بعد پھر کھڑے دعا کرنا اصل میں نماز میں اضافہ ہے یا کم از کم اضافے کا ایک گمان ضرور ہے۔ دسویں صدی کے مجدد حضرت ملا علی قاری لکھتے ہیں۔

ولا یدعو للمیت بعد صلوٰۃ الجنازۃ لانہ یشبہ الزیادۃ فی صلوٰۃ الجنازۃ

ترجمہ۔ اور میت کے لیے نماز جنازہ کے بعد دعا نہ کرے۔ اس سے نماز کی شرعی حیثیت میں زیادتی کا گمان ہوتا ہے۔

اسی طرح مفتی احمد یار صاحب کا یہ کہنا کہ حضور نے حضرت جعفر بن ابی طالب اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھی تھی اور ان کے لیے دعا کی یہ بھی صحیح نہیں۔ سچ یہ ہے کہ جنگ موتہ میں تینوں سالاروں کی شہادت ہوئی تھی دو یہ اور تیسرے حضرت زید بن حارثہؓ تھے۔ نماز جنازہ ہوئی تو تینوں کی —— یہ دور کی نماز اور وہ بھی غائبانہ، اس کی تفصیل شاید ہم آگے چل کر بتا سکیں ہمارے مذہب میں تو غائبانہ نماز کا کوئی جواز نہیں ہے۔ نجاشی کی نماز جنازہ میں اس لیے فرض کفایہ ادا نہ ہوا تھا، اور اب یہ دوسرا جنازہ نہ تھا اور جنازہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کر دیا گیا تھا۔

حضرت عبداللہ بن سلامؓ ایک جنازہ پر پہنچے۔ جنازہ ہو چکا تھا میت کا دفن ہونا ابھی باقی تھا اور ظاہر ہے کہ دفن کے بعد کی دعا بھی ہونی تھی۔ انہوں نے کہا اگر میں جنازہ نہیں پڑھ سکا تو بعد دعا میں ہی شامل ہو جاؤں گا —— اس میں یہ بات کہیں نہیں کہ نماز جنازہ کے بعد متصلاً کوئی دعا ہوتی تھی۔ دعا صرف وہ جو ان دنوں ہوتی تھی اور صحابہؓ جس میں شامل ہوتے تھے وہ وہی ہے جو دفن کے بعد کی دعا ہے اسے خواہ مخواہ نماز جنازہ کے بعد کی متصل دعا قرار دینا اس پر قطعاً کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔

بریلوی استدلال

جب اس روایت میں دونوں احتمال موجود ہیں تو اگر ہم اس سے نماز جنازہ سے متصل دعا مراد لیں تو کیا حرج ہے حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے کہا تھا۔

ان سبقتمونی بالصلوٰۃ علیہ فلا تسبقونی بالدعاء له[1]

ترجمہ: اگر تم میت کی نماز جنازہ پڑھنے میں مجھ پر سبقت لے جا چکے ہو تو اس پر دعا کرنے میں مجھ سے آگے نہ بڑھیں

جواب: آپ اس حدیث سے استدلال کر رہے ہیں۔ استدلال کرنے والے کی دلیل

---

[1] مبسوط جلد ۲ ص ۶۷

⑤ نمازِ غوثیہ کا اضافہ

نمازیں جیسے نمازِ تہجد، نمازِ تراویح، نمازِ اشراق، نمازِ عید وغیرہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی شروع ہو گئی ہیں۔ آپ کے بعد جتنے بزرگ آئے کسی نے کوئی نئی نماز نہیں نکالی جب مولانا احمد رضا خاں صاحب کا دور آیا تو آپ نے ایک نئی نماز در نمازِ غوثیہ ایجاد فرمائی۔ اس نماز کا پتہ آپ کو حدیث اور فقہ کی کسی کتاب میں نہ ملے گا۔ یہ رضا خانی فقہ ہے جو آپ کو نمازِ غوثیہ کا پتہ دے رہی ہے اس کا طریق ذرا ملاحظہ کیجئے:

ترکیب۔ دو رکعت نفل، پھر تکبیر پہ گیارہ بار درود و سلام عرض کرے اور گیارہ بار کہے یا رسول اللہ یا نبی اللہ اغثنی ... پھر عراق کی جانب گیارہ قدم چلے، ہر قدم پر کہے یا غوث الثقلین ویا کریم الطرفین اغثنی۔[1]

اسلامی نمازوں میں نمازی ایاک نعبد وایاک نستعین کہہ کر خدا سے مدد مانگتا ہے اور اپنا سارا دھیان خدا پر جماتا ہے مگر نمازِ غوثیہ میں گیارہویں کی یاد میں مدد، خدا سے نہیں حضرت غوث الثقلین سے مانگی جاتی ہے اور اپنی ساری توجہ حضرت شیخ پر باندھی جاتی ہے۔ وہی نماز میں نظر تو وہ کہیں بھی جا سکتی ہے۔ مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں۔

نماز میں اگر بیگانہ عورت کی شرمگاہ پر نظر پڑے جب بھی نماز و وضو میں خلل نہ آیا۔[2]

یہ بالکل غلط ہے خلل کیوں نہیں سارا خشوع و خضوع جاتا رہے گا۔ اگر قصداً کرے تو یہ نماز سے کھلا مذاق اور تعصب بادین ہے جس پر کفر کا اندیشہ ہے۔ مگر مولانا احمد رضا خاں اسے بھی صرف مکروہ کہتے ہیں۔

اگر قصداً بھی ایسا کرے تو مکروہ ضرور ہے نماز فاسد نہیں ہوتی۔[3]

قصداً غیر عورت کے چہرے پر نظر کرنا تو حرام ٹھہرے مگر اس کی شرمگاہ پر نظر کرنا صرف مکروہ ہو۔ عجیب رضا خانی فقہ ہے۔ پھر یہ شرمگاہ پر نظر کیا نماز میں ہی کرنی تھی۔ اس کے لیے کوئی اور وقت منتخب کیا ہوتا۔

---

[1] نمازِ غوثیہ بہار شریعت حصہ [illegible] [2] فتاویٰ رضویہ جلد [illegible] [3] ایضاً [illegible]

درود شریف کے گرد لائی گئیں بدعات

(۱) درود و سلام کو با آواز بلند پڑھنا

درود شریف بھی اللہ تعالیٰ کے حضور ایک دعا ہے اور دعا کا مزاج یہ ہے کہ وہ آہستہ ہو۔ ذکر بعض حالات میں بعض شرائط کے ساتھ جہر سے بھی ہو سکتا ہے لیکن درود شریف کے لیے جہر کی کوئی صورت نہیں یہاں اپنے وطن میں بھی پڑھو تو آہستہ اور روضہ رسول پر حاضری نصیب ہو تو وہاں بھی انتہائے ادب سے دبی آواز سے۔

ادب گاہیست زیر آسمان از عرش نازک تر
نفس گم کردہ مے آید جنید و بایزید ایں جا

قرآن کریم میں ہے:۔

ان الذین یغضون اصواتھم عند رسول اللہ اولئک الذین امتحن اللہ قلوبھم للتقوی لھم مغفرۃ واجر عظیم ○ ان الذین ینادونک من وراء الحجرات اکثرھم لا یعقلون. (پ ۲۶ الحجرات ۴)

ترجمہ بے شک جو لوگ رسول اللہ کے حضور دبی آواز رکھتے ہیں وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے خاص تقوے کے لیے نوازا ہے ان لوگوں کے لیے مغفرت اور اجر عظیم ہے ○ بے شک وہ لوگ جو آپ کو حجروں کے باہر سے (زور سے) پکارتے ہیں ان میں سے اکثر عقل سے کام نہیں لیتے۔ ان لوگوں کے سوچنے کا مقام ہے جو یہاں سے آپ کو آوازیں دیتے ہیں۔

آپ پر درود شریف پڑھنا دعا ہے اور دعا میں سنت یہی ہے کہ وہ آہستہ دبی آواز میں کی جائے۔ درود شریف میں یہ اصل ہر صورت میں رکھی جائے۔ نماز میں بھی درود آہستہ آواز سے پڑھا جاتا ہے اور جہری نمازوں میں بھی اسے جہر سے پڑھنے کی کوئی صورت نہیں۔ فقہ حنفی میں یہ مسئلہ صراحت سے لکھا ہے۔

(۴) دُرودشریف سے حضرت ابراہیم کا نام نکالنا

مسلمانوں کا آنحضرتؐ کے بعد سب سے زیادہ تعلق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہے ہم حضور خاتم النبیین کی امت ہیں اور حضرت ابراہیم کی ملت میں حضورؐ کی نسبت سے ہمارا بڑا تہوار عید الفطر ہے اور حضرت ابراہیم کی سنت میں ہم عید الاضحیٰ مناتے ہیں ہماری یہ دو عیدیں ان دو پیغمبروں کی نسبت سے ہیں اور درود میں ہم ان ہی دو پیغمبروں کو جمع کرتے ہیں۔ یہود و نصاریٰ بھی اپنے آپ کو حضرت ابراہیم کی ملت کہتے ہیں اور ہم کہتے ہیں کہ ان کی ملت پر صرف ہم چلتے ہیں — قرآن کریم میں ہے :۔

ان اولی الناس بابراھیم للذین اتبعوہ وھذا النبی والذین اٰمنوا۔

(پ آل عمران ۶۸)

ترجمہ۔ بے شک ابراہیم سے زیادہ قریبؐ لوگ ہیں جو ان کی راہ پر چلے اور یہ نبی ہیں اور وہ لوگ جو ان پر ایمان لائے ۔

معلوم نہیں بریلویوں کو کس بیرونی طاقت نے آمادہ کیا کہ وہ درود وہ پڑھیں جن میں حضرت ابراہیم کا نام نہ ہو تا یہ ایک نئے پیغمبر شمار ہوں اور ان کا پچھلے پیغمبروں سے رشتہ نہ رہے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ تو دونوں ہی بنی اسرائیل میں سے تھے صرف حضرت ابراہیم ہی ہیں جن پر بنو اسرائیل اور بنو اسماعیل جمع ہوتے ہیں حضور کو حضرت ابراہیم سے دور رکھنے کے لیے بریلویوں نے یہ کاروائی کی کہ وہ درود چلایا جس میں حضرت ابراہیم کا نام نہ ہو یہ لوگ درود ابراہیمی کو بے سرعام ناقص درود کہتے ہیں کیونکہ اس میں آپ پر سلام نہیں ہے۔

الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ الصلوٰۃ والسلام علیک یاحبیب اللہ ۔

یہ لوگ نہیں جانتے کہ فقہ حنفی کی رو سے صلوٰۃ وسلام میں سے ہر ایک دوسرے کی طرف سے کفایت کرتا ہے

فتاوی عالمگیری میں ہے۔

السلام یجزئ عن الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم[1]

ترجمہ: سلام حضور پر درود پڑھنے کے باب میں کافی ہے۔

④ درود و سلام میں افراد کو مکروہ کہنا

انگلینڈ میں ایک بریلوی مولوی نے بڑے زور شور سے یہ بات چلا رکھی ہے کہ نماز سے باہر درود ابراہیمی کا پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں سلام نہیں ہے یاد رکھیے حنفیہ کے ہاں صلوٰۃ و سلام میں سے کوئی ایک پڑھ لیا جائے تو یہ افراد ہرگز مکروہ نہیں رہتا

علامہ شامی لکھتے ہیں:

وجزم العلامة ابن امیر الحاج فی شرحه علی التحریر بعدم صحة القول بکراهة الافراد واستدل علیه فی شرحه المسمی حلیة المحلی فی شرح منیة المصلی بما فی سنن النسائی بسند صحیح فی حدیث القنوت وصلی الله علی النبی ... وممن رد القول بالکراهة العلامة الملا علی القاری فی شرح الجزریة.[2]

ترجمہ:

علامہ ابن امیر الحاج نے التحریر لابن الہمام کی شرح میں بڑے جزم سے یہ بات کہی ہے کہ صلوٰۃ و سلام میں افراد (کہ ایک ہو اور دوسرا نہ ہو) ہرگز مکروہ نہیں اور اس پر اپنی شرح منیۃ المصلی میں سنن نسائی کی صحیح حدیث سے استدلال کیا ہے جو قنوت میں مروی ہے جس میں یہ الفاظ ہیں وصلی اللہ علی النبی (اور اس میں سلام کا ذکر نہیں) اور ملا علی قاری بھی شرح جزریہ میں افراد کو مکروہ کہنے کا رد کرتے ہیں

---

[1] در المختار جلد [illegible] [2] شامی جلد ١ [illegible]

(۴) قیام بوقتِ سلام

محفل میلاد کا مرکزی عمل قیام تعظیمی ہوتا ہے اور پھر اس میں اجتماعی صورت میں سلام پڑھا جاتا ہے اس کے بارے میں دیوبندی اور بریلوی دونوں گروہ متفق ہیں کہ یہ بدعت ہے جس کی کوئی اصل نہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ بریلوی اس بدعت پر عمل پیرا ہیں اور اسے بدعت حسنہ کہتے ہیں۔ اب ہر شخص خود سوچے کہ بدعت کیا اور اس میں حسن کیا۔ حسن تو سنت میں ہوتا ہے، بدعت میں کہاں سے آگیا۔

بریلویوں کی قدیمی درسگاہ حزب الاحناف لاہور کے مولانا محمود احمد رضوی مدیر «ماہنامہ رضوان» لکھتے ہیں :-

قاضی فضل احمد کے اس سخت فتوے پر تعجب نہیں وہ مولوی تو تھے لیکن ہم ان جاہل علماء پر تعجب کیے بغیر نہیں رہ سکتے جنہوں نے قیام اور ترک قیام میں کفر و اسلام کے فاصلے قائم کر لیے اس پر مولانا احمد رضا خاں کو کستفارہ کرنے چاہیے تھے جن کے اہلِ اس لوگوں کو بیٹھ کر صلوٰۃ و سلام کی تلقین کی جاتی تھی اور قیام کو محض ایک رسم سمجھا جاتا تھا۔

بجا لا کے تعظیم رسم قیام بیٹھے بیٹھے پڑھو درود و سلام

اہل سنت کے ہاں درود و سلام نماز میں بیٹھنے کی حالت میں ہے، صرف شیعہ ہیں جو قیام میں درود و سلام پڑھتے ہیں۔

اب تم ہی کہو کس کی صدا دل کی آواز ہے

(۵) درود شریف کو چھوٹے مقاصد کے لیے استعمال کرنا

چھوٹے چھوٹے مقاصد اور اختلافات کے فاصلوں کو بڑھانے کے لیے درود کے تقدس سے کھیلنا ایک نہایت مکروہ عمل ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے :-

ان سبح الفقاعی او صلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عند فتح فقاعہ علی قصد ترویجہ وتحسینہ او القاص اذا قصد بھما کرسی مجلسہ ام اثم[1]

ترجمہ: ایک دکاندار نے کپڑا کھولتے وقت اگر بغرض ترویج (کہ کپڑا بک جائے) سبحان اللہ کہا یا درود شریف پڑھا یا کسی قصہ گو واعظ نے مجلس میں گرمی ہنگامہ (جوش) پیدا کرنے کے لیے سبحان اللہ کہلوایا یا درود پڑھا کر محفل جمائی تو ایسا کرنے والا گنہگار ہوا۔

در مختار میں ہے:۔

وحرامًا عند فتح التاجر متاعہ ونحوہ وسنۃ فی الصلوٰۃ ومستحبۃ فی کل اوقات الامکان۔[2]

ترجمہ: تاجر جب اپنا مال دکھلانے لگے تو (اس پر اس چیز کے تعارف پر) درود پڑھنا حرام ہے نماز میں درود پڑھنا سنت ہے اور دیگر اوقات ممکنہ میں یہ مستحب ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:۔

اذا فتح التاجر الثوب فسبح اللہ تعالیٰ وصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یرید بہ اعلام المشتری جودۃ ثوبہ فذلک مکروہ وکذا الحارس لانہ یاخذ ثمنا۔[3]

ترجمہ: جب تاجر نے کپڑا پھیلایا اور اس پر سبحان اللہ کہا یا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا اس میں اسے خریدار کو بتلانا تھا کہ اس کا کپڑا کیا شاندار ہے سو یہ مکروہ ہے اسی طرح پہرے دار اپنے آپ کو جگانے کے لیے نہ سبحان اللہ کہے نہ درود پڑھے کیونکہ وہ اپنے اس جاگنے پر معاوضہ لے رہا ہے

---

[1] فتاویٰ عالمگیری جلد ۲ صفحہ ۴۹ فتاویٰ ہندیہ جلد ۲ صفحہ ۳۱۹

[2] در مختار مع الشامیہ جلد ۱ صفحہ ۳۸۳ [3] رد المحتار جلد ۱ صفحہ ۳۸۳

قصہ گو واعظ کا سبحان اللہ کہنے کا مقصد لوگوں سے اپنے بیان کی تحسین حاصل کرنا ہے اور وہ اپنی شہرت اور ترویج کے لیے لوگوں سے درود شریف بھی پڑھوانا چاہتا ہے تو کیا اس نے سبحان اللہ اور درود شریف جیسے پاک کلمات کو اپنے ان چھوٹے مقاصد کے لیے استعمال نہیں کیا؟ ایسا ہے تو وہ گنہگار کیوں نہ ہو۔ ان چھوٹے مقاصد کے لیے اللہ اور اس کے رسول کے نام کو استعمال کرنا اس میں ہرگز دین کی کوئی تعظیم نہیں۔

اگر کوئی بڑا آدمی مجلس میں آیا اور اس کی آمد پر کسی نے سبحان اللہ کہا یا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا تاکہ لوگ اس کے آنے پر خوشی دکھائیں اور اس کے لیے جگہ خالی کر دیں یا اس کے آنے پر تعظیماً اٹھ کھڑے ہوں تو یہ سبحان اللہ کہنے والا یا درود پڑھنے والا گنہگار ٹھہرے گا یہ وجیز کردری میں ہے۔ [1]

کیا کسی موقعہ پر درود شریف پڑھنا منع ہے؟

درود شریف ایک دعا ہے، اور دعا بھی بہت بلند پایہ جو کبھی رد نہیں ہوتی۔ لیکن اس کا درود پڑھنے یا پڑھوانے والے سے بہت گہرا تعلق ہے بعض اوقات ایسے بھی آتے ہیں کہ درود شریف کے تقدس کی خاطر سے پڑھنا مکروہ قرار دیا جاتا ہے۔ ہم امداد الاحکام جلد ۱ صفحہ ۲۲۹ سے اسے سوال وجواب کی صورت میں نقل کرتے ہیں:

سوال: اس ملک میں وعظ کی مجلسیں اکثر رات کو ہوا کرتی ہیں، واعظین بغرض تنبیہ الغافلین و ایقاظ النائمین، سوتوں کو جگانے کے لیے زور شور سے درود شریف پڑھتے اور پڑھواتے ہیں کیا یہ جائز ہے؟ (مختصراً)

---

[1] دیکھئے فتاویٰ ہندیہ جلد ۵ صفحہ ۱۹

الجواب: ان واعظوں کا زور شور سے درود شریف پڑھانا دو وجہ سے ممنوع ہے ایک یہ کہ انہوں نے درود شریف کو اپنے خاموش سامعین کا ذریعہ بنایا اور ذکر کو ذریعہ اعلام بنانا سخت مکروہ ہے اسی لیے فقہاء نے فرمایا ہے چوکیدار کے ذکر لا الہ الا اللہ کو سختی سے منع کیا ہے کہ وہ بھی ذکر اللہ کو اطلاع کا ذریعہ بناتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ذکر فی المسجد ہے کہ یہ لوگ مسجد میں بہت زور سے چیختے ہیں اور ذکر جہر جو مسجد میں جائز ہے وہ وہ ہے کہ حد صیاح تک میں داخل نہ ہو۔ اسی لیے اذان داخل مسجد مکروہ ہے کہ اس میں صیاح (زور کی آواز لگانا) ہے اور جمعہ کی اذان ثانی جائز ہے کہ اس میں صیاح نہیں ہوتا بلکہ مثل اقامت کے متصل بہت آواز نیچی ہوتی ہے۔[1]

(۹) تکیہ کلام کے لیے درود شریف بلند آواز سے پڑھوانا

بریلوی واعظین اپنے جلسوں میں کبھی تکیہ کلام کے طور پر بھی زور سے درود شریف پڑھواتے ہیں مضمون بھول جانے پر اپنی غفلت پر پردہ ڈالنے کے لیے سامعین کو سبحان اللہ یا درود شریف پر لے آتے ہیں یہ سب کام دنیوی مقاصد کے لیے کلمہ سبحان اللہ یا درود شریف جیسے پاکیزہ عمل کو استعمال کرنا ہے اور یہ ہرگز جائز نہیں

کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک عالم تقریر کر رہا ہے اور اس کے رسول کی باتیں سنا رہا ہوتا ہے کہ کوئی دوسرا واعظ اپنی پوری شان سے وارد مجلس ہوا اور اس کے حاشیہ نشینوں نے قرآن و سنت کی آواز دبانے کے لیے اس کے زندہ باد ہونے کے نعرے لگائے یہ صریحاً قرآن و سنت کی بے ادبی ہوئی کہ ایک واعظ قصہ گو کی شان بنانے کے لیے یہ بات قرآن و سنت کو کاٹنے سے بھی نہ رکے جنہوں نے یہ کام نیکی کی نیت سے کیا لیکن بس میں وہ ایک عام واعظ کی خوش آمد میں قرآن و سنت کی عظمت پر ہاتھ ڈالنے سے بھی نہ رکے یہ بدعات اختیار کرنے کا نتیجہ ہے جو اسی مجلس میں ظاہر ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

[1] احکام شریعت حصہ ۱ ص ۲۳۲

قبروں پر کی جانیوالی بدعات

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد!

بریلویوں کے ہاں قبریں دینی لوگوں اور مذہبی حلقوں کا عظیم سرمایہ ہیں جس مسلکی قادری یا حافظ کو کوئی قبر مل گئی وہ اس مرحوم کا سالانہ عرس کر کے اپنے بچوں کا پورے سال کا کنبہ پرور ہو جاتا ہے۔

مل گئی جس کو یہ دولت کیمیا گر ہو گیا

ایک مفتی صاحب کے دو بیٹے تھے ان کی وفات پر بیٹوں میں وراثت تقسیم ہونے لگی۔ دو چیزوں میں انتخاب ٹھہرا ایک اعلیٰ درجے کے مکان میں اور مفتی صاحب کی قبر میں جو اپنے ہی مدرسہ کے ایک کونے میں بنی تھی۔ ایک بھائی نے مکان لیا جو گھر کی ضروریات سے بھرا ہوا تھا اور دوسرے نے قبر جو ابھی کچی تھی اس کے لیے سنگ مرمر کا آرڈر دیا ہوا تھا اور قبر کی پائنتی میں بکس رکھ دیا گیا تھا۔ حالات نے بتایا کہ قبر والا اچھا رہا مکان والے کو وراثت ایک ہی دفعہ ملی لیکن قبر والے کو وراثت ہر سال ملتی تھی۔ پھر بریلوی مولویوں کا تعلق اپنی درگاہوں اور اپنے مزاروں سے نہیں تو ہر کی قبروں سے بھی انہیں بہت کچھ ملتا ہے ایک بریلوی باپ کا بیٹا کچھ پڑھ لکھ گیا اسکا ذہن ٹھیک ہو گیا اسے یہ بات پسند نہ تھی کہ مولوی صاحب کبھی کسی مرحوم کے ختم پر اور کبھی کسی اور مرحوم کے ختم پر ان کے ہاں کھانا کھانے آتے تھے۔ بریلوی باپ نے اسے ڈانٹا اور کہا:

اے مرے پسر گرامی غم نہ کر پہچان سے
رزق اپنا کھا رہا ہے تیرے قبرستان سے

عرس کے نام سے عید تہوار

قبروں پر اس طرح کی حاضری کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ عید سے تعبیر کیا ہے مسلمانوں کو اس سے منع کیا ہے کہ وہ ان پر سالانہ حاضری دیں۔

قبریں عبرت کا نشان ہیں یہ بڑے بڑے قبرستان سب شہر خموشاں ہیں جو یہاں آباد ہوگئے وہ کسی اور جگہ اب جانے کے نہیں انہیں قیامت کے دن ہی اٹھنا ہوگا۔ اولیاء اللہ بھی بعد وفات، شہر خموشاں میں آبستے ہیں اور اس تبدیلی گھر میں دیگر ابنائے آدم کے ساتھ شریک ہیں قبرستانوں کو خوشیوں اور رونقوں کے اڈے وہی بنا سکتے ہیں جن کی فطرت مسخ ہو چکی ہو۔ مزارات پہ جائیں تو زیارت کے لیے نہ کہ عید کرنے کے لیے۔

① عید قبور کی بدعت

قبروں پہ کی جانے والی بدعات میں سب سے بڑی بدعت قبر کی سالانہ عید ہے۔ اسلام میں دو ہی عیدیں ہیں عید الفطر اور عید الاضحیٰ۔ مگر بریلویوں نے چار عیدیں بنا رکھی ہیں۔ عید میلاد النبی، اور اپنے علاقے کے مرکزی بزرگ کی قبر کی سالانہ عید اسے عرس بھی کہتے ہیں اور قبر پہ ہونے والی تزئین کا ہجوم اور پھر وہاں کی گہما گہمی بالکل عید کی طرح ہوتی ہیں۔ دن بھی عام طور پہ چھٹی کا ہوتا ہے اور ارد گرد سے لوگ عید سے زیادہ اہتمام کے ساتھ اس بزرگ کی قبر پہ حاضری دیتے ہیں۔

زیارتِ قبور اور عیدِ قبور میں فرق

اسلام میں زیارت قبور کا حکم موجود ہے۔ قبریں آخرت کی یاد دلاتی ہیں اور وہاں دعا کرنے والوں سے اہل قبور کو فائدہ پہنچتا ہے۔ لیکن وہاں اجتماعی شکل میں جانا اور اس کے لیے ایک یا تین دن مقرر کرنا اور ہر سال ان تاریخوں کی پابندی یہ وہ عید قبور ہے جس سے اسلام نے منع کیا ہے۔

نہایت افسوس کی بات ہے کہ بریلوی حضرات یہ عید قبور (عرس) اس اہتمام سے مناتے ہیں کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ بھی ان عرسوں کے آگے کوئی اہمیت نہیں رکھتیں۔ ان بدعات کے آگے سب سنتیں ماند پڑ جاتی ہیں

عرسوں کی محفلوں میں عورتوں اور مردوں کا آزادانہ اختلاط قوالی کی محفلیں، آتشی دیگوں کی

خوشبوئیں، مزاروں کے جلوے، وجدوں سے نعرے لگے اور جو قوالوں اور جیتوں میں مجبور ہیں پیر پاؤں میں گھنگرو پہنے رقص کرتے آنے والے زائرین اور ان کی پھیلی چادروں میں نذروں اور منتوں کے نوٹ اور یہ نذرانے وہ اعمال ہیں جو عرسوں کی جان اور بریلویوں کی پہچان ہیں

اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا قبروں کی اس سالانہ حاضری اور پھر اجتماعی حاضری کا کوئی تصور اسلام میں موجود ہے؟ کیا اسلام میں کسی قبر پر عید کا سا ہجوم کرنا اور اسے پر رونق بنانا جائز ہے؟ اسلام میں اس عید قبور کا کیا درجہ ہے۔ آیئے اس کے لیے ہم سب سے بڑے روحانی مرکز گنبد خضریٰ کی طرف متوجہ ہوں کیا وہاں عید قبور کا کوئی دن مقرر ہوتا ہے؟ اور کیا وہاں بھی کبھی کوئی عرس ہوا ہے؟

اب تو بریلوی کہہ سکتے ہیں کہ وہاں آل سعود کی حکومت ہے۔ وہ توحید کے پورے پابند ہیں شرک و بدعت کرنے ہی نہیں دیتے۔ چلو یہ بھی سہی لیکن خدارا اس بات پر بھی تو نظر کیجئے کہ کیا خلفائے راشدین کے دور میں وہاں کبھی کوئی عرس منایا گیا؟ کیا خلفائے راشدین بھی معاذ اللہ سب کے سب بد مذہب تھے؟

فأي الفريقين احق بالأمن ان كنتم تعلمون۔ (پ الانعام آیت ۸۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔

لا تجعلوا بيوتكم قبورا ولا تجعلوا قبري عيدا وصلوا علي فان صلوتكم تبلغني حيث كنتم[1]

ترجمہ: تم اپنے گھروں کو قبریں نہ بنا رکھنا (کہ تمہارے گھر نمازوں سے خالی رہیں) اور نہ میری قبر کو عید بنانا (کہ وہاں ایک دن اکٹھے ہو کر آؤ جیسا کہ عید کے دن ہوتا ہے) اور مجھ پر درود پڑھتے رہو (اور دور رہنے کی وجہ سے یہ نہ سمجھنا کہ مجھے درود نہ پہنچے گا) تمہارا درود تم جہاں بھی ہو وہاں سے مجھے پہنچایا جاتا ہے۔

اس حدیث میں یہ بات کہ میری قبر کو عید نہ بناؤ، اس کی شرح میں حضرت شاہ ولی اللہ

---

[1] رواہ النسائی و رواہ ابو داؤد جلد ۱ ص ۲۸۷ والنسائی جلد ... مشکوٰۃ ص ۸۶

محدث دہلوی لکھتے ہیں۔

و تجعلوا قبری عیدا اقول ہذا اشارۃ الی سد مدخل التحریف کما فعل الیہود والنصاری بقبور انبیاءہم وجعلوہا عیدا وموسما بمنزلۃ الحج[1]

ترجمہ: میں کہتا ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں کہ میری قبر کو عید نہ بنانا یہ اشارہ ہے کہ دین بگاڑنے کا دروازہ بند کر دیا جائے یہود و نصاریٰ نے اپنے نبیوں کی قبروں کو عید بنا رکھا تھا جس میں حج کا ایک موسم مقرر ہے وہ ان قبروں پر خاص دنوں میں رونقیں کرتے تھے۔

مولوی محمد عمر صاحب کہتے ہیں یہاں شاہ صاحب نے اسے تشبہ بالیہود والنصاریٰ کی راہ سے منع کیا ہے۔ نہیں آپ نے اس پر صرف ارشاد رسالت کی رو سے نکیر کی ہے یہود و نصاریٰ کے عمل کو آپ محض مثال کے طور پر لائے ہیں۔ مگر آپ اسے دین میں تحریف کرنے والوں کی سب سے بڑی علامت سمجھتے ہیں۔ اولیاء کرام کی قبروں پر انہوں نے سالانہ میلے ٹھہرا رکھے ہیں جہاں یہ لوگ عید کی طرح ہجوم کرتے ہیں اور چادریں بچھاتے اور نذرانے ننگے پاؤں کے وہاں حاضری دیتے ہیں۔

ومن اعظم البدع ما اخترعوا فی امر القبور و اتخذوہا عیدا۔[2]

ترجمہ: ان کی بڑی بدعات میں سے ان کا وہ عمل بھی ہے جو انہوں نے قبروں کے پاس گھڑ رکھا ہے اور وہ ان کی عید نیز عرس کی تقریبات ہیں۔

ابھی ان تقریبات پر منظور عرس کا لفظ صراحت سے نہ تھا یہ لفظ ذرا آگے چل کر اس دائرہ قباحت میں داخل ہوا ہے پہلے عرس مشائخ کے ساتھ جا کر قبروں کی زیارت کرنے کا نام تھا تفہیمات کی عبارت سے یہی متبادر ہوتا ہے۔

و دانستی جواب است منظور عرس مشائخ و مواظبت زیارت قبور ایشان[3]

ترجمہ مشائخ کے عرس اور ان کا زیارت قبور کے لیے جمع ہو جاتے رہنا اسی لیے ہے۔

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ جلد ۲ ص [illegible] [2] تفہیمات جلد ۲ ص [illegible] [3] تفہیمات ص [illegible] جس کا حوالہ پہلے تحفہ محمدیہ

لیکن بعد میں یہ عرس زندہ بزرگوں کی معیت میں قبروں پہ جانے کے ذریعے مرحومین کی قبروں پہ سالانہ اجتماع بن گئے۔

نقشبندی سلسلے کے عظیم روحانی بزرگ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ بھی لکھتے ہیں:

لا یجوز ما یفعله الجهال بقبور الاولیاء والشهداء من السجود والطواف حولها واتخاذ السرج والمساجد الیها ومن الاجتماع بعد الحول کالاعیاد ویسمونه عرسا۔[1]

ترجمہ: یہ جاہل لوگ اولیاء و شہداء کی قبروں پر جو سجدے کرتے ہیں اور ان کے گرد طواف کرتے ہیں اور وہاں چراغ جلاتے ہیں اور وہاں نمازوں کی جگہ بناتے ہیں یہ جائز نہیں اور اسی طرح یہ جو وہاں سالانہ عید کرتے ہیں اور اس کا نام عرس رکھتے ہیں یہ بھی جائز نہیں۔

بلکہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے یہ بھی لکھا ہے:

جو شخص اجمیر میں حضرت خواجہ چشتی کی قبر پر یا حضرت سالار مسعود غازی کی قبر پر یا ان کی مانند اور کسی قبر پر اس لیے گیا کہ وہاں کوئی حاجت طلب کرے تو اس نے ایسا گناہ کیا کہ جو شرک ہونے کے باعث قتل و زنا سے بھی بدتر ہے۔[2]

سرتاج علمائے ہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:

برائے زیارت قبور روز معین نمودن بدعت است و اصل زیارت جائز و تعیین وقت در سلف نبود و ایں بدعت از اں قسم است کہ اصل جائز است و خصوصیت وقت بدعت۔[3]

ترجمہ: قبروں پہ جانے کے لیے دن مقرر کرنا بدعت ہے اور مطلق زیارت جائز ہے۔ قبروں پر جانے کے لیے دنوں کی تعیین سلف میں نہ تھی یہ بدعت اس نوع

---

[1] تفسیر مظہری جلد ۲ صفحہ ۶۵ [2] دیکھئے تفہیمات جلد ۲ صفحہ ۴۵ [3] فتاویٰ عزیزی جلد صفحہ ۹۶

اور لوگ ان کا طواف بھی کرتے ہوں ایسی قسم (عرس رائج) حرام اور ممنوع ہے بلکہ ان میں سے بعض باتیں کفر کی حد کو چھوتی ہیں یہی محمل ہے [illegible] حدیث کے تم میری قبر کو عید نہ بنانا ـــ اور ـــ اے اللہ! میری قبر کو بت کے درجے میں نہ لانا کہ اس کی عبادت ہونے لگے (اس پر سجدے کیے جانے لگیں) [illegible] مشکوٰۃ میں موجود ہیں۔

قبورِ شہداء پر سالانہ حاضری کی روایات

مولانا احمد رضا خاں نے ہادی الناس فی رسوم الاعراس میں کچھ ایسی روایات نقل کی ہیں کہ حضورؐ ہر سال شہداء کی قبروں پر دعا کے لیے جاتے تھے۔ یہ روایات زیادہ تر بے سند ہیں اور ان کتابوں میں ہیں جو تیسرے درجے کی کمزور کتابیں شمار ہوتی ہیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے ان روایات کو تفسیر درمنثور سے روایت کیا ہے اور اس کی شرح میں کہا ہے کہ اس سے مراد ایک دو اشخاص کا بغیر کسی اجتماعی صورت کے قبروں پر جانا ہے۔ یہ اجتماعی شکل میں وہاں جانا جیسا کہ آجکل عرسوں میں ہوتا ہے یہاں ہرگز مراد نہیں۔ اور ہر سال جانے سے مراد بھی ہر سال کسی ایک معین تاریخ پر جانا نہیں۔ نہ ہی اس میں اس تاریخ کا التزام تھا جب جنگ احد ہوئی تھی ـــ آج کل اگر کوئی شخص دن مقرر کرے تو چاہیے کہ وہ تعیین انتظامی ہر سال کے لیے التزامی نہ ہو۔

سوال: شادی کے لیے دن مقرر کرنا، جلسے کے لیے دن مقرر کرنا، سفر حج کے لیے ہوائی جہاز سے تاریخ مقرر کرنا یا کسی دکان کے افتتاح کے لیے کوئی دن طے کرنا یہ جائز ہیں یا نہیں؟

جواب: دنوں کی یہ تعیین محض انتظامی ہے اعتقادی نہیں۔ ان لوگوں میں سے کسی کا یہ عقیدہ نہیں ہوتا کہ اس دن کی کوئی شرعی اصل ہے۔ محض انتظام کے درجہ میں تاریخ درج کی جاتی ہے اور ان تاریخوں کو کسی کی سنت درجات سے تعلق نہیں ہوتا۔

پھر ان انتظامی تعیین کے بھی دو درجے ہیں۔ اتفاقی اور التزامی ـــ اتفاقی یہ ہے کہ جیسا کہ

سنت سے کوئی تاریخ طے کر دی۔ یہ تعیین بس ایک ہی دفعہ کے لیے ہے۔ یہ تاریخ کوئی ضابطہ نہیں بن گئی۔ اور تعیین التزامی یہ ہے کہ وہ آئندہ بھی اسی تاریخ کا التزام کرے۔ مثلاً ایک بیٹے کی شادی اس نے بڑی کر کی ہے تو دوسرے کی شادی میں بھی اسی تاریخ کا التزام کرے۔ اور پھر پوتے نواسیاں تک اسی تاریخ کے پابند رہے۔ یہ دوسری تعیین بھی اگر التزامی درجے میں آ جائے تو ممنوع ہو جائے گی۔

سفر اور تعیین میں فرق

کسی قبر کی زیارت کے لیے سفر کرنا اور یہ نہیں کہ اتفاق سے راستے میں کسی بزرگ کی قبر آ گئی تو اس کے پاس سے گزرنے والے نے اس کی زیارت کر لی اور قبروں پر جو سلام کہا جاتا ہے کہہ دیا، جائز ہے یا نہیں؟ یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ لیکن کسی نیک کام کے لیے دنوں کی تعیین اور وہ بھی التزامی درجے میں ـــــ یہ اسلام میں کوئی اختلافی مسئلہ نہیں۔ اسے سب ناجائز سمجھتے ہیں۔ مسئلہ سفر میں تو علمی حد تک الجھنا چاہیے۔ جب سلف میں کسی مسئلے میں اختلاف ہو گیا تو ان میں ایک دوسرے کو برداشت نہ کرنا چاہیے لیکن دوسروں کی غیر شرعی تعیین کو ہرگز برداشت نہ کرنا چاہیے۔ سنی مسلمان اس سے پوری کوشش سے بچتے رہے۔ بدعتی لوگ تو خود عرس کے عادی ہو گئے اگر ان کا خاتمہ ایمان پر ہو گیا ـــــ یہ بڑی بات ہے۔ یہ اس لیے کہا ہے کہ بدعتی کا خاتمہ بالخیر بہت خطرے میں ہوتا ہے۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سفر اور تعیین میں فرق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قبور بزرگان کی زیارت کو سفر کر کے جانا مختلف فیہ ہے بعض علماء درست کہتے ہیں اور بعض منع کرتے ہیں۔ یہ مسئلہ مختلف ہے اس میں نزاع و تکرار نہ چاہیے۔ مگر عرس کے دن زیارت کو جانا حرام ہے۔ فقط[1]

زیارت کے لیے جانا ممنوع نہیں۔ اس کے لیے وقتی طور پر کسی دن کا ارادہ کر لیا جائے تو یہ جائز ہے یہ نہ تخصیص ایام ہے نہ اس کا التزام ـــ ہاں خاص عرس کے دن زیارت کے لیے جانا اہلِ بدعت کی

[1] فتاویٰ رشیدیہ جلد ۱ صفحہ ۴۹

جماعت میں ان کی فہمائی جسموں میں ان کی وجہ شرکت ہے اور جو شخص کسی قوم کی گنتی کو بڑھائے وہ انہی میں اٹھائے جانے کے خطرہ میں ہے۔

تعیین اعتقادی اور تعیین التزامی

جمعہ کی فضیلت باقی دنوں پر اور رمضان کی فضیلت باقی مہینوں پر اور مسجد کی فضیلت باقی جگہوں پر یہ شرع میں ثابت ہے یہ تعیین اعتقادی ہے اور اس پر یہی فضیلت شریعت میں ایک وجہ رکھتی ہے لیکن ایصال ثواب کے لیے تیجے، دسویں، گیارہویں اور چالیسویں روزوں کی تعیین کرنا اور انہیں ضروری سمجھنا یا گیارہ تاریخ کو افضل سمجھنا اور اس تاریخ میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو ایصال ثواب کرنا، ان اوقات کو اعتقادی فضیلت میں ماننا ہے جن کے لیے شریعت میں فضیلت وارد نہیں ہوئی۔ اب جو شخص ان اوقات اور دنوں کی تعیین التزامی کرتا ہے وہ در اصل ان اوقات اور دنوں کی فضیلت اعتقادی کا قائل ہے اور یہی بدعت کی تعریف ہے کہ جو چیز دین نہیں اسے دین سمجھا جائے اور جاہلوں میں اسے ضرور دین تک کر دیا جائے۔

تخصیص اوقات اور تخصیص مقامات

جس طرح کسی وقت کی فضیلت بدون شرع ثابت نہیں ہو سکتی کسی جگہ اور مقام کی فضیلت بھی دلیل شرعی کی محتاج ہے۔ ایصال ثواب کے لیے قرآن کریم پڑھنا قبر کے پاس ہو یا مسجد میں یا گھر میں ثواب میں سب برابر ہے۔ کسی ایک جگہ پڑھنے کو مقصود و افضل جاننا درست نہیں۔

اس قبر کے پاس اس لیے پڑھے کہ اس سے میت مانوس ہوتی ہے تو یہ بنا بر اقتضاء مصالح عرفی جائز ہو سکتا ہے لیکن فضیلت اعتقادی اسے بھی حاصل نہیں۔

(۴) قبروں پر پھولوں کی چادریں اور سبز ٹہنیاں

حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دو (مستحقِ عذاب و عذاب یافتہ) قبروں کے پاس سے گزرے اور آپ نے ان پر کھجور کی دو ٹہنیاں گاڑ دیں اور فرمایا کہ جب تک یہ ٹہنیاں تر رہیں گی ہو سکتا ہے ان کے عذاب میں تخفیف رہے۔

بریلوی علماء اس سے استدلال کرتے ہیں کہ گنہگاروں کی قبروں پر اگر سبز ٹہنیاں لگی گئیں تو نیک لوگوں کی قبروں پر پھولوں کی چادریں ڈالنی چاہئیں۔ جس طرح ٹہنیوں سے پھول فائق ہیں۔ عام لوگوں سے اولیاء اللہ فائق ہیں۔

حضرت جابر بن عبد اللہؓ کی روایت میں صریح طور پر شفاعت نبوی کے الفاظ موجود ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

انی مررت بقبرین یعذبان فاحببت بشفاعتی ان یرفه ذاک عنهما ما دام الغصنان رطبین۔ (صحیح مسلم جلد ۲ ص۴۱۸)

ترجمہ: میں دو قبروں کے پاس گزرا جن کو عذاب ہو رہا تھا میں نے چاہا کہ میری شفاعت سے ان پر عذاب اس وقت تک ہلکا ہو جائے۔ جب تک یہ دو ٹہنیاں سبز رہیں۔

یہ روایت حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے بھی مختلف الفاظ سے مروی ہے اس میں بھی دو سبز ٹہنیوں کو عذاب میں تخفیف کا نشان بتایا گیا ہے۔ اگر یہ کوئی دوسرا واقعہ بھی ہو تاہم یہ ضروری ہے کہ وہاں بھی عذاب میں تخفیف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا و شفاعت سے ہی ہوئی۔ یہ حضرت جابرؓ والی روایت اس روایت کے لیے بمنزلہ شرح ہو جائے گی۔ جس طرح قرآن کریم کی بعض آیات بعض دوسری آیتوں کی تفسیر کرتی ہیں بعض احادیث بھی بعض دوسری احادیث کے لیے بمنزلہ شرح ہیں۔

الجواب بریلوی حضرات کا یہ طرز استدلال عجیب ہے حضور کی رکھی سبز ٹہنیاں جب تک تر رہیں

ان گنہگاروں کے عذاب میں تخفیف رہی۔ علمائے کرام کی قبروں پر جب تک یہ پھول تر رہیں گے وہ ان کے عذاب میں تخفیف کا فائدہ رہے؟ سبز ٹہنیوں اور تازہ پھولوں میں تر ہونا قدر مشترک ہے اور کچھ وقت بعد دونوں چیزیں خشک ہو جاتی ہیں۔ یہ دونوں چیزیں خشک تو ہو گئیں لیکن اب بھی یہ چیزیں تو ہیں اور اس عموم میں داخل ہیں۔

وان من شیء الا یسبح بحمدہ ولکن لا تفقہون تسبیحہم (پ ۱۵ بنی اسرائیل ع ۵)

ترجمہ۔ اور کوئی چیز ایسی نہیں مگر یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حمد کی تسبیح کرتی ہے مگر تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں پاتے۔

معلوم ہوا سبز ٹہنیوں اور تازہ پھولوں میں یہ تسبیح پڑھنے کا کوئی خاص ظرف نہیں یہ صفت تو سب ہی ان میں موجود ہے کہ دونوں چیزیں خشک ہونے کے باوجود چیزیں ہونے کے دائرے سے نہیں نکلیں کہ اب ان سے تسبیح باری تعالیٰ منقطع ہو جائے۔

اس تفصیل کے بعد معلوم ہو جانا چاہیے کہ عذاب میں تخفیف کا اصل باعث کیا ہے؟ جواب عرض ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کی برکت اور آپ کی اللہ تعالیٰ کے حضور ان معذبین کی شفاعت ہے۔ آپ نے ان کی اللہ کے حضور شفاعت کرتے ہوئے ان دو ٹہنیوں کو چیر دیا اور ان کی قبروں پر گاڑ دیا۔ اب اگر ان کی برکت سے ان گنہگاروں کے عذاب میں کمی کر دی جائے تو یہ خالصۃً حضور کی توجہ کا اکرام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان قبروں والوں سے یہ معاملہ صرف اس لیے کیا کہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی قبولیت اور ان ہاتھوں کا اکرام تھا جنہوں نے وہاں ٹہنیاں رکھیں — دعا سے عذاب میں کیوں تخفیف کی گئی؟ یہ عذاب ہی کیوں نہ اٹھ گیا؟ اور یہ تخفیف بھی اسی وقت تک رہی جب تک وہ ہری رہیں تو اس کی وجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ہی تو نہیں۔ بات یہ ہے کہ یہ فیصلہ اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جتنے وقت کے لیے چاہے اور جتنا کرم فرمائے یہ اس کی مرضی پر موقوف ہے۔ ہم اپنی مرضی سے اس کے ارادے کو ضابطوں میں لانے کے مجاز نہیں ہم مفتی احمد یار صاحب کی اس بات سے اتفاق نہیں کر سکتے کہ حدیث میں ان ٹہنیوں کے خشک ہونے کی قید محض

لیے کیوں لگائی۔ ان کے عذاب سے ہمیشہ کے لیے تخفیف کیوں نہ کر دی گئی ہم کون ہیں خدا کے بارے
پر حکم چلانے والے۔

مفتی احمد یار صاحب کا اندر تقلم ملاحظہ ہو کس دلیری سے انکار کرتے ہیں کہ یہ سب کچھ حضور کی
دعا اور شفاعت کا صدقہ تھا۔ آپ لکھتے ہیں۔

عذاب قبر کی کمی سبزے کی تسبیح کی برکت سے ہے نہ کہ محض حضور علیہ السلام کی دعا سے
اگر محض دعا سے کمی ہوتی تو حدیث میں خشک ہونے کی کیوں قید لگائی جاتی۔[1]

اللہ تعالیٰ جہاں دعا کو قبول فرمائیں، اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کا ذکر کر دیں تو ہم کون
ہیں کہنے والے کہ تجھے اس وقت تک تخفیف فرمائی جب تک وہ ٹہنیاں تر رہیں گی۔ ہم کون ہیں یہ حکم
چلانے والے مفتی صاحب اگر اللہ تعالیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کیوں کا سوال اٹھائیں تو یہ ان کا
کمال ہے ہم کوئی بریلوی تو نہیں کہ خدا اور اس کے رسول پر اعتراض کرتے پھریں۔

حقیقت یہ ہے کہ ان قبروں سے عذاب کی تخفیف کا واقعہ بالکل خلاف قیاس ہے اور حضور
صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اور توجہ کا فیضان ہے جس کے مفتی صاحب منکر ہیں ۔۔۔ اگر یہ کوئی عام کرنے
کی بات ہوتی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ کرام اور تابعین اس پہ
کیوں عمل نہ کرتے ۔۔۔ خیر القرون میں اس کا عمل کوئی ثبوت نہیں ملتا

اور پھر بزرگوں کی قبروں کو یا اپنے اعزہ و اقارب کی قبروں کو ان زیر عذاب لوگوں پر قیاس
کرنا اور ان کی قبروں پر سبز ٹہنیاں یا پھول چڑھانا اس میں کیا حکمت کار فرما ہے اور فقہ کی کس کتاب
میں اس مسئلے کو جگہ دی گئی ہے۔

③ قبروں کو عرق گلاب سے غسل اور پھولوں کی چادریں

اس مدرسہ کی بدعات میں ایک عمل یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ بعض بزرگوں کی قبروں کو سالانہ

---

[1] جاء الحق ص ۲۹۴

غسل دیا جاتا ہے اور وہ غسل بھی پانی سے نہیں بلکہ عرق گلاب سے اور اس میں اتنا اسراف کیا جاتا ہے کہ اس کے تصور سے شعور مجروح ہوتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم

یہ بدعت اپنی کوکھ میں کن کن بدعتوں کو ساتھ لاتی ہے ذرا ان پر بھی غور کریں۔

(۱) — بزرگوں کی قبر یا پکی ہو یا قبر نبوی کی طرح پکی نہ ہو — کیوں؟ یہ اس لیے کہ کچی قبریں تو دھوئی نہیں جا سکتیں۔ یہ پکی قبریں ہیں اور وہ بھی مرمریں جنہیں دھویا جا سکتا ہے — ظاہر ہے کہ اس میں فقہ حنفی کے اس فیصلے سے کھلا تضاد ہے جسے امام محمدؒ نے نقل کیا ہے آپ لکھتے ہیں۔

ولا نرى ان يزاد على ما خرج منه ونكره ان يجصص او يطين ... ان النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن تربيع القبور وتجصيصها قال محمد به ناخذ وهو قول ابي حنيفة۔ [1]

ترجمہ۔ اور ہم اسے صحیح نہیں جانتے کہ جو مٹی قبر سے نکل گئی اس سے زیادہ اس پر ڈالی جائے اور ہم اسے مکروہ جانتے ہیں کہ قبر کو چونے سے پختہ کیا جائے یا اس پر لپائی کی جائے بے شک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کو چوکور بنانے سے اور اسے چونا گچ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ امام محمدؒ کہتے ہیں یہ ہمارا فیصلہ ہے اور یہی امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے۔

یہ وہم نہ ہو کہ شاید امام ابو یوسفؒ کی یہ رائے نہ ہو، ہرگز ایسا نہیں۔ علامہ عینیؒ (۸۵۵ھ) لکھتے ہیں۔

ویکرہ تجصیص القبر وتطیینہ وبہ قالت الائمۃ الثلاثۃ [2]

ترجمہ۔ جو لوگ قبروں پر بلند عمارتیں بناتے ہیں اور چراغ روشن کرتے ہیں اور اس طرح کے جو کام کرتے ہیں سب حرام ہیں

اور امام محمدؒ نے جس حدیث کے مطابق یہ فیصلہ لکھا ہے اس کی تائید و توثیق نویں صدی میں بھی بالکل اسی طرح کی جا رہی ہے دیکھئے پھر تیرھویں صدی میں بھی فقہ حنفی کا یہی فیصلہ پیش کیا گیا ہے

---

(۱) کتاب الآثار امام محمدؒ صفحہ ۹۱ (۲) کبیری ص ۵۹۹

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی (۱۲۲۵ھ) لکھتے ہیں:

آنچہ بر قبور اولیاء عمارات رفیعہ بنا میکنند و چراغاں روشن میکنند و از ایں قبیل ہر چہ میکنند حرام است۔

ترجمہ۔ مقبروں پر پختہ بنانا اور ان کی چراغاں کرنا حرام ہے اور یہی وسیلے ناجائز امامین کا فیصلہ ہے۔

(۲) —— یہ سالانہ تقریب (مزار مبارک کو غسل دینا) سالانہ عرس کا پیش خیمہ بنتی ہے اور عرسوں میں جس قدر منکرات اور بدعات عمل میں آتے ہیں وہ کسی صاحب نظر سے مخفی نہیں —— عورتیں جس طرح بن سنور کر عرسوں میں آتی ہیں اور دوسری طرف نوجوان عقیدتیں قربان کرتے مزارات اولیاء کی طرف بڑھتے ہیں اس آزاد اختلاط سے کیا نتائج پیدا ہوتے ہیں یا ہو سکتے ہیں آپ ان کا اندازہ خود کر لیں۔

(۳) —— مہنگائی کے اس دور میں جب ہماری سوسائٹی کا ایک بڑا طبقہ بنیادی ضروریات زندگی تک سے محروم ہے وہاں عرق گلاب کا اس قدر ضیاع اور مال کا اس قدر اسراف جو بجائے خود گناہ تھا اب سے کار خیر سمجھ کر عمل میں لایا جا رہا ہے اور یہی بدعت کی حقیقت ہے پھر یہ عمل حکومت کی سرپرستی میں عمل میں لایا جاتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس کے ساتھ اور بھی کئی قباحتیں شامل ہو جائیں گی۔

(۴) —— یہ گلاب کا عرق جب قبر سے بہہ کر نکل جاتا ہے تو لوگ اسے بوتلوں میں بھر بھر کر آگے اپنے دیہات میں لے جاتے ہیں اور پھر اس سے برکت ڈھونڈنے والے مرد اور برکت ڈھونڈنے والی عورتیں ایسی ایسی خرافات میں مبتلا ہوتے ہیں کہ شرک و بدعت کی کوئی آفت نہیں جو ان مجلسوں میں نہ آتی ہو اور یہ سب کچھ قبر پرستی کے ایک حاشیے کی صورت میں جا بجا ملک و ملت پر اتار دیا جاتا ہے۔

(۵) —— مزار مبارک کو غسل دینے والے علماء اور نعت خواں اس دوران کو پھر نبی مقدس داڑھیوں سے ملتے ہیں جو سنت کے نام سے رکھی گئی تھیں یہ بدعت کی آلائش سے سنت کی کھلی

مزاروں کی نذر کرتے ہیں اور پھر صرف غوث ہی نہیں دیگروں کی دیگیں۔ حتیٰ کہ بڑے بڑے جیتی
بھینسوں کے نذرانے تو کرتے اور لنگروں تک ان مزاروں کی نذر کرتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ مولویوں کو
بڑی بڑی فیسیں دے کر ان درگاہوں پر لاتے ہیں اور ان سے وعظ کراتے ہیں کہ تم یہاں قاضی الحاجات
کے دروازے پر آ پہنچے ہو جو دینا ہے انہی سے لو۔ خدا تو بادشاہ ہے وہ ہر کسی کی براہ راست نہیں سنتا
تمہیں جو کچھ کہنا ہے یا جو کچھ دینا ہے بس انہی حضرات کے قدموں میں بیٹھ کر کہہ دیجئے اور جو دینا ہے وہ
بھی یہیں ڈال دیں۔ خدا ان کی کبھی سنتا نہیں اور تمہاری کبھی بھی سنتا نہیں —— پھر سادہ لوح بریلوی
ان میلوں کے میلوں میں اور جلوسوں کے جلوس میں اپنی ایمان جیسی متاع عزیز کو بھی نعرہ بازی میں ہار جاتے
ہیں اور وہ نہیں جانتے کہ ایک بڑے رب کے ماتحت کسی چھوٹے رب کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔
دنیا کے حکمرانوں کا اقتدار اور اختیارات بہت میں تقسیم ہو کر عمل میں آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خدائی اقتدار اور اپنی
قدرت میں کسی کو شریک نہیں کیا۔ نہ کسی فرشتے کو اور کسی پیغمبر اور ولی کو —— یہی عقیدہ اہل السنۃ والجماعۃ کا
ہے۔ رہے بریلوی تو ان کے بارے میں فقہ حنفی سے یہ فیصلہ لے لیجئے۔

واعلم ان النذر الذی یقع للاموات من اکثر العوام وما یؤخذ من الدراہم
والشمع والزیت ونحوہا الی ضرائح الاولیاء الکرام تقربا الیہم فہو بالاجماع
باطل وحرام [1]

ترجمہ: اور جان لو کہ اکثر عوام جو مرحومین کے نام پر نذریں دیتے ہیں اور نقد روپے
اور چراغ اور ان میں ڈالا جانے والا تیل اور اس قسم کی دوسری چیزیں اولیائے کرام
کی درگاہوں میں لاتے ہیں تاکہ اس طور کہ ان کا انہیں قرب حاصل ہو یہ سب بالاجماع
باطل اور حرام ہیں۔

اس نذر کو باطل اور حرام کہنے کی وجوہ علامہ شامیؒ نے یہ لکھی ہیں۔

قولہ باطل وحرام لوجوہ منہا انہ نذر لمخلوق والنذر للمخلوق لا یجوز

[1] الدر المختار کتاب الصوم جلد [illegible] حاشیہ الطحاوی

لانه عبادة والعبادة لا تكون لمخلوق ومنها ان المنذور له ميت والميت لا يملك ومنها انه ظن ان الميت يتصرف في الامور دون الله تعالى و اعتقاده ذلك كفر[1]

ترجمہ: صاحب درمختار کا ان چڑھاؤں کو باطل اور حرام کہنا کئی وجوہ سے درست ٹھہرتا ہے ان میں ایک یہ ہے کہ یہ مخلوق کی نذر ماننا ہے اور مخلوق کی نذر ماننا جائز نہیں۔ نذر ماننا ایک عبادت ہے اور عبادت خالق کی ہے مخلوق کی نہیں اور ایک یہ وجہ بھی ہے کہ جس کی نذر مانی ہے وہ میت ہے (اس جہان سے جا چکا) اور میت کسی چیز کی مالک نہیں ہو سکتی اور اس کے حرام ہونے کی وجہ ایک یہ بھی ہے کہ وہ نذر ماننے والا یہ گمان کئے ہوئے ہے کہ فوت شدگان اللہ کے سوا سے تو تصرف فی الامور میں اور اس کا ایسا عقیدہ رکھنا کفر ہے۔

علامہ طحطاوی لکھتے ہیں کہ ایسی اشیاء کا کھانا معذورین کے سوا اور کسی کے لیے روا نہیں۔ کسی شرافت منصب کے لیے کسی اچھے خاندان والے کے لیے اور کسی صاحب علم کے لیے اس کے علم کی عزت کے باعث یہ کھانا جائز نہ ہوگا۔

ولم يثبت في الشرع جواز الصرف للاغنياء للاجماع على حرمة النذر للمخلوق ولا ينعقد ولا تشتغل به الذمة وانه حرام بل سحت[2]

ترجمہ: شریعت میں یہ کہیں ثابت نہیں کہ یہ نذر غنی لوگوں کے لیے کھانا جائز ہو۔ اس بات پر اجماع ہے کہ مخلوق کی نذر ماننا (وہ کتنا ہی بڑا ولی کیوں نہ ہو) حرام ہے اور یہ نذر منعقد ہی نہیں ہوتی اور اس پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں آتی اور یہ حرام ہے بلکہ حرام سے بھی آگے بڑھ کر یہ درجہ سحت میں ہے۔ (رشوت جیسی خباثت اس میں آ چکی)۔

یہ صرف درمختار اور اس کی شروح کی بات نہیں اس سے پہلے علماء احناف اپنی قدیمی کتابوں میں

---

[1] رد المحتار للعلامة الشامی جلد ۲ ص ۱۲۸ [2] طحطاوی علی الدر المختار جلد ۱ ص ۲۴۶

⑤ نذر کئے گئے بکرے اور مرغے

باقی رہا نذر چیزوں کا چڑھاوا، وہ اس سے بھی بڑھ کر گناہ ہے۔ جو لوگ وہاں حیوانات کو عرس کے تہواروں کے طور دوسرے جنہیں ذبح کرتے ہیں گو وقت ذبح وہ اللہ کا نام ہی لیتے ہوں لیکن وہاں قبروں پر جا کر ان کا ذبح کرنا ان میں ان اصحاب مزارات کا اعزاز و تقرب بھی ان لوگوں کے پیش نظر ہوتا ہے۔ یہ گناہ بدعت سے کچھ آگے جا کر شرک کے درجے کو پہنچتا ہے۔ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ لکھتے ہیں۔

و حیوانات راکہ نذر مشائخ می کنند و بر سر قبرہا رفتہ آں حیوانات را ذبح می نمایند در روایات فقہیہ ایں عمل را نیز داخل شرک ساختہ اند۔[1]

ترجمہ۔ اور یہ لوگ جو بزرگوں کے لیے جانوروں کی نذر مانتے ہیں اور پھر ان کی قبروں پر جا کر ان بکروں اور مرغوں وغیرہ کو وہاں ذبح کرتے ہیں فقہ کی روایات میں ان کے اس عمل کو بھی داخل شرک کیا گیا ہے۔

حیوانات بکرے بھیڑیں اور مرغے تو ایک طرف رہے، بریلوی وہاں نذر منت اور دیگر کھانوں تک کا چڑھاوا چڑھانے کو بھی دین کی ایک بڑی خدمت سمجھتے ہیں۔

⑥ قبروں پر لڑکیوں کا چڑھاوا

نہایت افسوس ہے کہ بریلویوں نے قبروں پر کی جانے والی بدعات میں لڑکیوں کے چڑھاوے بھی شامل کر رکھے ہیں۔ جیسے بکرے اور مرغے مزارات کے نذرانے کے طور پر ذبح کئے جاتے ہیں۔ یہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کا ارشاد آپ پڑھ آئے ہیں کہ فقہائے کرام نے اسے شرک قرار دیا ہے۔

یہ لڑکیوں کا چڑھاوا اس سے آگے کی ایک اور بدعت ہے جسے چل گئی، اس کا عرس ہو گیا۔ عرس عربی میں دلہن کو کہتے ہیں یہ لوگ عرس منایا کرتے ہیں اور نہایت بے حیائی سے اسے صاحب مزار کے نام

---

[1] مکتوبات شریف دفتر سوم مکتوب ۴۱

نگاہ رکھتے ہیں کہ اندر سے وہ ان کاموں کا لطف لیتے ہیں۔ وہ ظاہر سے یہ مجاورین بالآخر کے بزرگ کا کیف جو یہاں ان محفلوں میں حاضری دیتے ہیں۔ (معاذ اللہ) افسوس بریلویت لوگوں کو کہاں سے کہاں لے گئی۔

مولانا احمد رضا خاں حضرت سید احمد بدوی کبیر کے مزار پہ ایک تاجر کا کنیز پیش کرنا اور صاحب مزار کا اسے قبول کرنا بڑی خوش اعتقادی سے ذکر کرتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:۔

وہ تاجر حاضر ہوا اور اس نے وہ کنیز مزار اقدس کی نذر کی[1]

مزاروں کے چڑھاوے وصول کرنا کس کے ہیں؟ ان کے مجاورین اور قائمین۔ اب یہ لڑکی جو مزار اقدس پہ چڑھاوے کی صورت میں آئی اسے کون لے جائے گا؟ اور یہ کس کی قسمت کہلائے گی؟ مجاورکی یا مجاور جیسے مخدوم کی۔ مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں یہاں مجاور کو قبر سے اشارہ ہوا کہ اب وہ یہ کنیز حضرت سید عبد الوہاب کو جو وہاں حاضر مزار تھے انہیں دے دے اور پھر اس حاضر بزرگ کو قبر سے جو آواز آئی اسے مولانا احمد رضا خاں کے الفاظ میں پڑھیے:۔

عبد الوہاب اب دیر کاہے کی ہے، فلاں حجرہ میں لے جاؤ اور اپنی حاجت پوری کرو[2]

مولانا احمد رضا خاں بریلوی اپنی محفلوں میں ایسے واقعات مزے لے لے کر سناتے حضرت سیدی احمد بدوی کے مزار پر بہت بڑا میلا اور ہجوم ہوتا تھا سیدی عبد الوہاب اکابر اولیاء کرام میں سے تھے اس مجمع میں چلے آتے تھے ایک تاجر کی کنیز پر نظر پڑی پھر وہی کنیز مزار کی نذر چڑھی مزار سے آواز آئی ہم نے یہ کنیز تمہیں دی۔ مولانا احمد رضا خاں فرماتے ہیں۔ معاً وہ تاجر حاضر ہوا اور اس نے وہ کنیز مزار اقدس کی نذر کی۔ خادم کو اشارہ ہوا انہوں نے آپ کی نذر کر دی (پھر حضرت نے مزار سے) ارشاد فرمایا عبد الوہاب اب دیر کاہے کی ہے فلاں حجرہ میں لے جاؤ اور اپنی حاجت پوری کرو۔

معلوم ہوتا ہے باہر والے بزرگ کو اتنی جلدی نہ تھی جتنی اندر والے بزرگ کو تھی۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ مولانا احمد رضا خاں ان بزرگوں کے نام سے یہ چٹخارے کیوں لیتے رہے، تاہم اس

---

[1] ملفوظات حصہ سوم ص۴۴۔ ۴۵ [2] ملفوظات ص۴۵ حصہ سوم

سے یہ بات ضرور واضح ہوئی کہ بریلویوں کے ان قبروں پہ لڑکیوں کے چڑھاوے بھی چڑھتے ہیں۔

مزاروں کے گرد حجرے کیا اسی کام کے لیے ہوتے ہیں؟ اور کیا صاحب مزارات اس طرح کمروں کے مہتمم بنے ہیں جس طرح ہوٹلوں کے مالک اپنے مسافروں کو کمرے بتاتے ہیں اور چابیاں دیتے ہیں۔ اس وقت اس کی تفصیل ہمارا موضوع نہیں۔ ہم یہاں صرف کہنا چاہتے ہیں کہ فقہ حنفی کی رو سے مزاروں پر چڑھاوے خواہ وہ نیلوں اور نوٹوں اور سونے چاندی کی شکل میں ہوں یا بکروں اور مرغوں کی صورت میں یا خوبصورت لڑکیوں کے قالب میں مزاروں کے یہ سب نذرانے شرعاً حرام ہیں۔ اس میں تملیک شرعی ہوتی ہی نہیں۔ علامہ شامی تصریح فرماتے ہیں کہ تملیک میت کو نہیں ہو سکتی میت کسی چیز کی مالک نہیں ہوتی۔ جو اس کے اپنے پیچھے املاک ہوں وہ بھی وارثوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں اور اس کی ملکیت میں کچھ نہیں۔ جب اموات تملیک کا محل ہی نہیں تو یہ کنیز کی صاحب مزار کو تملیک کیسی؟ اور پھر صاحب مزار کی طرف سے اس باہر کے مرد کو تملیک کیسی؟ —— صاحب مزارات تو ایسے حیلوں میں نہ خود مالک بنتے ہیں اور نہ کسی کو وہ مالک کرتے ہیں۔

یتیم پوتے کی وراثت کا مسئلہ

اسلام کے قانون وراثت میں بیٹوں کے ہوتے یتیم پوتا دادا کا وارث نہیں ہوتا۔ یہ اس لیے کہ اس کا باپ اپنے باپ کی وفات کے وقت اموات میں تھا۔ میت کسی چیز کی مالک نہیں ہوتی سو وہ اپنے باپ کی وفات پر کسی چیز کا مالک نہ بنا۔ جب وہ خود کسی چیز کا مالک نہیں تب وہ اپنے بیٹے کو اپنے باپ کے مال سے کچھ نہیں دے سکتا۔ سو یہ صحیح ہے کہ فوت شدگان کو گو وہ اولیاء کبار ہی کیوں نہ ہوں کوئی کنیز تملیک نہیں کی جا سکتی اور وہ میت بھی آگے کسی مجاور اور زائر کو اس کا مالک نہیں کر سکتی۔ معلوم نہیں مولانا احمد رضا خان نے کیسے یہ فتویٰ دے دیا کہ حضرت احمد کبیر نے مزار سے سیدی عبد الوہاب کو اس کنیز سے حاجت پوری کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

⑦ عورتوں کی عرسوں پر حاضری

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو پہلے زیارت قبور سے روک رکھا تھا اور یہ حکم مردوں اور عورتوں دونوں صنفوں کو شامل تھا۔ بعد میں آپ نے زیارت قبور کی اجازت دے دی تھی۔
صحیح مسلم میں حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا ..

کنت نھیتکم عن زیارة القبور فزوروھا [1]

ترجمہ: میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا۔ اب تم قبروں پر جاؤ۔

یہاں یہ سوال اٹھتا ہے کہ کیا اس اجازت میں عورتیں بھی شامل ہو گئیں یا ان کے لیے ممانعت ہی رہی؟ اس میں علماء کے اقوال دونوں طرف ملتے ہیں لیکن ایک دوسری حدیث میں نہایت کھلے طور پر عورتوں کو زیارت قبور سے منع کیا گیا ہے۔ اسی آیت نے حضرت سیدنا محمد عربی کے خزانہ پاک لکی کو حاضر دیکھا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ عورتوں کی قبروں پر بار بار حاضری ہرگز اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں خصوصاً جب کہ وہ عام قبروں عرسوں پر بہت سج کر حاضری دیتی ہوں۔ عرسوں کی حاضری تو عام قبروں کی حاضری سے بہت آگے ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ..

لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم زائرات القبور والمتخذین علیھا المساجد والسرج [2]

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان عورتوں پر لعنت کی جو بار بار قبروں پر حاضری دیں اور ان مردوں پر بھی جو قبروں پر مسجدیں بنائیں اور چراغاں کرتے ہیں۔
علامہ عینی اس حدیث پر لکھتے ہیں ..

واحتج بھذا الحدیث قوم فقالوا انما اقتضت الاباحة فی زیارة القبور للرجال دون النساء [3]

---

۱ صحیح مسلم جلد ۱ ص ۳۱۴ ۲ رواہ الترمذی و ابن ماجہ عن ابی ہریرۃ [illegible]

مولانا احمد رضا خان بھی عورتوں کی قبروں پر حاضری کو بھی منع کرتے ہیں وہ ان کے لیے اجازت کے قائل نہیں ہیں:

عورتوں کو مزارات اولیاء و مقابر عوام دونوں پر جانے کی ممانعت ہے۔[1]

ایک اور جگہ پر لکھتے ہیں:

جب وہ جانے کا ارادہ کرتی ہے اللہ اور فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں اور جب گھر سے چلتی ہے سب طرف سے شیطان اس کو گھیر لیتے ہیں اور جب قبر پر آتی ہے میت کی روح اسے لعنت کرتی ہے اور جب پلٹتی ہے اللہ کی لعنت کے ساتھ پھرتی ہے۔[2]

علامہ عینی لکھتے ہیں:

ولقد کرہ اکثر العلماء خروجهن الی الصلوات فکیف الی المقابر وما اظن سقوط فرض الجمعة علیهن الا دلیلا علی امساکهن عن الخروج فیما عداها[3]

ترجمہ: اکثر علماء عورتوں کے مسجدوں میں جانے کو مکروہ قرار دیتے ہیں سو ان کا مقبروں میں جانا کیسے روا ہو سکتا ہے۔ ہاں میں سمجھتا ہوں کہ ان سے جمعہ کی فرضیت اس لیے ساقط ہوئی کہ اور مقامات پر ان کا گھر سے نکلنا جائز نہ تھا۔

⑧ قبروں کے طواف

پھر قبروں پر کی جانے والی بدعات میں ایک طواف بھی ہے جو یہ لوگ قبروں کے گرد کرتے ہیں۔ اسلام میں طواف، اعتکاف، اور نماز عبادات ہیں۔ اور عبادت زبانی ہو یا بدنی یا مالی ایک حضرت رب العزت کے سوا کسی کے لیے جائز نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی تعمیر جن کاموں کے لیے کی تھی ان میں طواف بھی ہے۔ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کو حکم دیا گیا تھا دیکھئے پ ۱ البقرہ ع ۱۵

وعهدنا الی ابراهیم واسمعیل ان طهرا بیتی للطائفین والعاکفین والرکع السجود۔

---

[1] احکام شریعت جلد ۲ ص ۱۵۵ [2] فتاویٰ افریقہ ص ۲۲ [3] عمدۃ القاری جلد ۸ ص ۷۱

لو طاف حول مسجد سوی الکعبة الشریفة یخشی علیہ الکفر[1]

ترجمہ: اگر اس نے کعبہ شریف کے سوا کسی اور مسجد کا طواف کیا تو اس پر کفر لوٹنے کا اندیشہ ہے۔

اب اس میں بریلویوں کی اس جرأت اور جسارت کو بھی دیکھئے کس بے دردی سے یہ اپنے جاہل عوام کے دین و ایمان سے کھیلتے ہیں۔

داتا صاحب کی مسجد شریف میں ایک نماز باجماعت ادا کرنے کا ثواب ستر مقبول حج کے برابر ہے۔ آپ (سرکار کرمانوالے) فرمایا کرتے تھے کہ نادار مسلمان کو چاہیئے کہ اگر وہ حج بیت اللہ شریف کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو وہ حضرت داتا گنج بخش کے مزار اقدس کا طواف کرے اسے حج کا ثواب حاصل ہوگا۔[2]

دسویں صدی کے مجدد حضرت ملا علی قاری علیہ رحمۃ ربہ الباری روضہ اقدس پر زیارت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ولا یطوف ای لا یدور حول البقعة الشریفة لان الطواف من مختصات الکعبة المنیفة فیحرم حول قبور الانبیاء والاولیاء ولا عبرة بما یفعله الجهلة ولو کانوا فی صورة المشائخ والعلماء[3]

ترجمہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ شریف کے گرد طواف نہ کرے۔ یہ اس لیے کہ طواف مختصات کعبہ میں سے ہے اور کسی جگہ روا نہیں۔ سو انبیاء کرام اور اولیاء عظام کی قبروں کے گرد طواف کرنا حرام ہے اور جو جاہل لوگ (بریلوی) ایسا کرتے ہیں ان کی بات کا کوئی اعتبار نہیں۔ یہ جہلاء حرم میں سے ہی نہیں کبھی مشائخ اور علماء کی صورتوں میں بھی ہوتے ہیں ان کے غلط فتووں سے سند نہ لی جائے۔

معلوم ہوا قبروں پر عرسوں کے موقع پر جو بڑے بڑے پیر طواف کرانے کے موقع پر ان بدعات کو سند جواز دینے کے لیے تقریریں کرتے نظر آتے ہیں یہ بھی جہلاء ہی سے ہوتے ہیں ان کی بڑی بڑی پگڑیوں اور لمبے

---

[1] معراج الدرایہ [2] خزینۂ کرم سوانح حیات حضرت کرمانوالہ ص ۳۴۸ [3] شرح مناسک جلد ص

فقہاء نے عالمگیری میں صراحت سے لکھا ہے کہ اس طرح زمین کو چومنا سجدہ کے قریب قریب ہے۔

وأما تقبيل الأرض فهو قريب من السجود[1]

ترجمہ: اور زمین کو چومنا یہ سجدہ (تعظیمی) کے قریب قریب ہے

شریعت محمدی میں جس طرح بندگان اور پیروں کو سجدہ تعظیمی حرام ہے یہاں ان کے استقبال یا رخصت کو چومنا اور ان کے سامنے زمین پر گر پڑنا بھی حرام ہے۔ ہدایہ میں ہے۔

أما في شريعتنا فلا يجوز لأحد أن يسجد لأحد بوجه من الوجوه ومن فعل ذلك فقد كفر[2]

ترجمہ: ہماری شریعت میں یہ ہرگز جائز نہیں کہ کوئی انسان کسی دوسرے کو کسی بھی پہلو سے سجدہ کرے جو ایسا کرے گا سو اس نے خدا کے ساتھ کفر کیا۔

جہاں تک قبروں کا تعلق ہے وہاں صرف وہی کام جائز ہے جو سنت متوارثہ ہو اور وہ زیارت قبر اور ان کے لیے کھڑے ہو کر دعا کرنے سے آگے نہیں بڑھتی۔

ويكره عند القبر ما لم يعهد من السنة والمعهود منه ليس إلا زيارته والدعاء عنده قائما[3]

ترجمہ: اور قبر کے پاس ہر وہ کام مکروہ ہے جو سنت سے نہیں چلا آیا اور جو چیز سنت سے ثابت ہے وہ یہی ہے کہ اس قبر کی زیارت کی جائے اور اس کے پاس کھڑے ہو کر اس کے لیے دعا کی جائے۔

کہاں گیا بریلویوں کا وہ مفروضہ کہ منع کی دلیل لاؤ اصل ہر چیز میں اباحت ہے متروک اشیاء میں اباحت کو تکتے نئے مسائل بنانے کا زینہ نہ بناؤ۔ یہاں ہم ان چیزوں کے پابند ہیں کہ کسی ایسے کام کو صحیح سمجھیں جو اوپر سے ہم تک نقل ہو کر ہو اور پہلوں سے پچھلوں کو ملے اور جو چیز سنت میں معہود نہیں وہ صحابہ کے عمل

---

[1] فتاویٰ عالمگیری جلد ۵ صفحہ ۳۶۹ [2] ہدایہ جلد ۴ صفحہ [3] فتاویٰ عالمگیری جلد ۵ صفحہ ۳۵۱

میں آتی نہیں، اسے ہرگز ہرگز دین نہ بنایا جاسکے گا۔

یہ قبروں پر کی جانے والی خرافات ایک عام انسان پر کیا اثر ڈالتی ہیں اور وہ بریلویوں کے اس خود ساختہ دین کا کیا تاثر لیتا ہے۔ اسے پاکستان کے چیف آف آرمی سٹاف جنرل اسلم بیگ کی بیگم کے ان تاثرات میں ملاحظہ کیجیے۔

> حضرت داتا صاحب (حضرت علی ہجویری لاہوری) کے مزار پر جو کچھ ہوتا ہے یہ سب شرک ہے جہاں لاکھوں روپے کی چادریں چڑھانے کی بجائے ننگے بدن لوگوں کو ڈھانپنا چاہیئے۔ لاکھوں روپے کے عرق گلاب کو مزار دھونے پر ضائع کر رہے ہیں یہ رقم غریبوں میں بانٹنی چاہیئے۔[1]

جونہی یہ خبر چھپی بریلوی مولویوں نے ریزولیشن پاس کرنے شروع کر دیئے کہ حکومت پاکستان جنرل مرزا اسلم بیگ کو ملازمت میں توسیع نہ دے کیونکہ اس کی اہلیہ سے داتا کی توہین ہوگئی ہے۔

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اخبار «سکاٹ لینڈ» کے میوزیم میں سلطان ٹیپو شہید کی تلوار کو دیکھ کر یہ دیکھتے ہوئے کہ اس کے دستے پر ہر جگہ «یا اللہ» لکھا ہے «یا محمد» کہیں نہیں لکھا، یہ کہہ دیا تھا کہ وہ بھی وہابی تھا۔ خدا کو پکارا کرتا تھا، دیکھ لیا کہ اس کا کیا بنا۔ اگر کہیں تلوار پر «یا غوث» لکھا ہوتا تو انگریزوں کے مرے ہوئے سپاہی بھی زندہ ہو کر بھاگ جاتے۔ مدد کی لنگ بجتے، کیا حضرت پیر صاحب نے بارہ برس کے ڈوبے ہوئے بیڑے تیرا کر نہیں دکھائے۔ استغفر اللہ العظیم

پاکستان میں ان کے مولوی گلے پھاڑ کر کہتے ہیں کہ ۱۹۶۵ء کی جنگ میں حضرت داتا صاحبؒ نے بھارتی حملوں کو روکا تھا وہ نہ روکتے تو ہماری افواج بھارتی فوجوں کو کیسے پیچھے دھکیل سکتی تھیں — درحقیقت وہ نہیں جانتے کہ میدان جنگ میں کثرت و قلت فیصلے نہیں کرتیں ایمان اور عزم کی دولت ہے جس سے بارہا قلت نے کثرت پر فتح پائی ہے۔

پھر جب ان کو کہا جاتا ہے کہ سرکار اجمیر نے ہندوستان کے مسلمانوں کو کیوں نہیں سنبھالے تو اس

---

[1] روزنامہ جنگ لاہور ۲۸ ستمبر ۱۹۹۰ء

کے جواب میں کچھ تھوڑی دیر تو وہ ان یہ کہہ کر چپ ہو جاتے ہیں کہ ہندو بڑا ظالم ہے ہم کیا کر سکتے ہیں؟ ہم جواباً کہتے ہیں کہ اور کچھ نہیں تو آپ اللہ رب العزت کو تمام عالموں کا مالک سمجھتے ہوئے اور اپنا حاجت روا اور مشکل کشا جانتے ہوئے اپنا ایمان تو بچا سکتے ہیں یہ کیا کر گئی کم کاری ہے۔ ان حالات میں اپنا ایمان تو بچا لیجئے، شرک و بدعت کی دلدل میں کب تک دھنستے جاؤ گے؟

⑨ قبر پر اذان دینا

قبروں پر کی جانے والی بدعات میں ایک بدعت بریلویوں کی قبر پر اذان بھی ہے۔ بانی مذہب مولانا احمد رضا خاں نے اس پر ایذان الاجر فی اذان القبر کے نام سے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے مفتی احمد یار خاں صاحب گجراتی نے جاء الحق میں اسے ثابت کرنے کے لیے ص [illegible] سے ص [illegible] تک اس پر بڑی بحث کی ہے۔ تاہم اس بدعت میں بریلوی علماء عوام کی تائید حاصل نہیں کر سکے۔

اس مسئلہ پر گفتگو کرنے سے پہلے چند امور بطور تمہید پیش نظر رہیں:۔

① ——مسلمانوں کا فوت ہونا، ان کا جنازہ پڑھنا اور دفن ہونا یہ کوئی ایک آدھ دفعہ کا نہیں، مسلم معاشرے میں ایسے واقعات اور حادثات اس کثرت سے پیش آتے ہیں کہ ان کی تعداد شمار کسی انسان سے ممکن نہیں ہو سکتی —— آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات کی زندگی میں سینکڑوں جنازے پڑھائے، خلافت راشدہ میں بھی لاتعداد جنازے اٹھے، صحابہ کرامؓ نے ہزاروں جنازوں میں شرکت کی، قرون ثلاثہ مشہود لہا بالخیر میں کبھی کسی جنازے کے موقع پر قبر پر اذان دینے کا واقعہ پیش نہیں آیا اور روایات حدیث میں کوئی ضعیف سے ضعیف اثر تک ایسا نہیں ملتا کہ اس دور تعامل میں وقت دفن کسی قبر میں یا قبر پر اذان دی گئی ہو۔ اگر ایسا کبھی ہوا ہوتا تو ضرور وہ امت تک نقل ہوتا۔ یہ کیسے ہو سکتا کہ اتنا کثیر الوقوع عمل پوری امت سے اس طرح مخفی رہے اور کسی نے اسے نقل و روایت نہ کیا ہو۔

② ——بریلوی علماء اسے کس راہ سے دین بناتے ہیں؟ یہ وہی ان کا مفروضہ ہے کہ جس سے کہیں منع تو نہیں کیا گیا۔ قرآن و حدیث میں اس پر کہیں منع وارد نہیں۔ لہذا ہم نے اس کا ثبوت نہ

مولانا احمد رضا خاں کی اپنے ہی علم کے اصول کے تحت رہنے کی کوشش

مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں کہ جب قبر کے پاس دعا جائز ہے تو اذان بھی تو ایک دعا ہی ہے سو اذان کہنے سے انسان اس سنت مقصودہ سے نہ نکلے گا اور قبر کے پاس اذان کہنا جائز ہو گا۔ مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں۔

> اذان خود دعا ہے بلکہ بہترین دعا ہے کہ وہ ذکر الٰہی ہے اور ہر ذکر الٰہی دعا، تو وہ دعا سنت ثابتہ کی ایک فرد ہوئی۔[1]

دعا عربی میں بلانے اور پکارنے کو کہتے ہیں۔ اللہ کے حضور جب ہم دعا کرتے ہیں تو اسے پکارتے ہیں۔ اذان میں اگر بلانا ہے تو مسلمانوں کو نماز کو ـــــ حی علی الصلوٰۃ کی پکار مسلمانوں کے لیے ہے خدا کو پکارنا اذان میں نہیں ہے۔ ذکر الٰہی بالواسطہ دعا ہے براہ راست دعا نہیں ہے۔

اذان کو دعا بایں طور کہا جا سکتا ہے کہ اس میں مسلمانوں کو نماز کی طرف بلایا جاتا ہے لیکن یہ بایں طور دعا نہیں کہ اس میں خدا سے کچھ مانگا جا رہا ہو۔ دعا اذان کے بعد کرتے ہیں اذان کہنے والے بھی اور سننے والے بھی ـــــ سو یہ دعا کا مقام اذان کے بعد ہے اور اس کے لیے دعا حدیث میں موجود ہے۔

مولانا احمد رضا خاں کا اذان کو دعا کہہ کر اذان عند القبر ثابت کرنا ایک دھوکا دہی کے سوا کچھ نہیں ـــــ معلوم نہیں ان لوگوں کے نزدیک دین اتنا بے قدر کیوں ہو گیا ہے کہ جو جی چاہے جب چاہے اس پہ بدعت کا دھبہ رکھ دے۔ ہمارا خیال ہے کہ مولانا احمد رضا خاں جب یہ بات لکھ رہے ہوں گے ان کا اپنا ضمیر بھی انہیں ضرور ملامت کرتا ہو گا۔ اس لیے کہ وہ خود کہہ چکے ہیں۔

> اذان ... یہ تو خالص ذکر بھی نہیں[2]

قبر کے پاس دعا میت کے لیے ہے اور یہ اللہ کے حضور ایک طلب اور درخواست ہوتی ہے۔ اذان

---

[1] ایذان الاجر صفحہ ۵ [2] فتاویٰ رضویہ جلد ۲ صفحہ ۵

میں بزرگانہ مسلمانوں کے لیے ہے۔ اور اس میں اللہ کے حضور کوئی طلب اور استدعا نہیں۔ وہ طلب بعد
اذان دعا کی صورت میں کی جاتی ہے۔

قبر پر اذان کہنے میں اہل بدعت کا اختلاف

جب یہ بدعت چلی تو اہل بدعت میت کو قبر میں اتارتے وقت اذان دیتے تھے۔ اہل سنت
اس وقت بسم اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ کہتے ہیں۔ اہل بدعت پھر اس سے بھی کچھ بڑھے اور
اذان اس وقت کہنے لگے جب میت دفن ہو جائے اور قبر بن جائے۔ اور وہ یہ سمجھیں کہ اب قبر میں
سوال و جواب ہو رہا ہے اور اب اذان سے میت کے دل کو مانوس کرنا مطلوب ہے۔

میت کے لیے اس وقت دعا کرنا تو احادیث سے ثابت ہے۔ لیکن اس وقت وہاں اذان
کہنا یہ کسی روایت سے ثابت نہیں۔

حنفی کی کتاب ذوالمجاز میں دفن کے بعد اذان ایک ہندی رسم بتایا گیا ہے اور اسے بدعت
لکھا گیا ہے کہ یہ ہندوستان میں رائج ہوئی تھی۔

مشکوٰۃ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ایک روایت ملتی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا:
المیت یسمع الاذان ما لم یطین۔[1]

ترجمہ: میت برابر اذان سنتی رہتی ہے جب تک قبر پر مٹی نہ لیپ دی جائے۔

اس میں میت کے اذان سننے کا تو بیان ہے وہ یہ کہ میت قبر مکمل ہونے تک مسلسل اذان سنتی
رہتی ہے لیکن اذان دینے کا کوئی ذکر نہیں ہے اور یہ مسلسل اذان کہاں
سے آرہی ہے جو قبر میں داخل کرنے سے لے کر اس آخری مرحلے تک برابر جاری رہے — کیا اذان
اتنی لمبی ہے کہ اس وقت تک وہ جاری رہے؟ اتنی لمبی تو شیعوں کی اذان بھی نہیں ہوتی۔

تاہم اس روایت سے اتنا تو پتہ چلتا ہے کہ قبر مکمل ہونے کے بعد مردہ اذان نہیں سنتا۔ اب
اس دور میں جو بریلوی دفن کے بعد اس خیال سے اذان دیتے ہیں کہ مرنے والا ان کلمات سے مانوس
ہو، ان کا یہ خیال تو یکسر غلط ثابت ہوا۔ مردہ دفن کے بعد سے سن ہی نہیں رہا۔ اس کی صدا اس حدیث

---

[1] غنیہ ص۵۹۵ در حاشیہ فتاوے برہنہ

جائیں اور یہ کہ اس پر چھت بنائی جائے۔

امام الائمہ امام محمد (۱۸۹ھ) فرماتے ہیں :-

ولا نری ان یزاد علی ما خرج منہ ونکرہ ان یجصص او یطین ...... الخ

المنع فی جعلہ تربیعا ...... تجصیصہا قال محمد بہ ناخذ وھو قول

ابی حنیفۃ۔[۱]

ترجمہ: ہم صحیح نہیں سمجھتے کہ زمین سے جو کچھ نکلا اس سے زیادہ قبر پر ڈالا جائے اور ہم

مکروہ جانتے ہیں کہ اس پر پلستر کیا جائے یا لپائی کی جائے۔ حضور نے اسے

چوکور کرنے سے بھی منع کیا اور چونا لگانے سے بھی اور یہی ہمارا فیصلہ ہے۔

کھانے قبروں پہ لے جانے

یہاں کے کھانے یہاں کے زندوں کے لیے ہیں اگلے جہان کے کھانے یہاں کے سے نہیں وہ جدی طرح کے ہیں ان کا نقل نہیں تک یہاں کی قبروں پر یہاں کے کھانے پینے کی چیزیں لے جانا اس کی کسی طرح دین فطرت سے مناسبت نہیں۔ مولانا احمد رضا خان کے جنازہ کے ساتھ ان کے پیر دو دودھ لے گئے تھے اب تک معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ دودھ کہاں گیا۔ یہ بات بھی جائز نہیں سمجھی جاسکتی کہ قبر میں ہی کسی کونے میں رکھ دیا ہو گا۔ قبر پر چھڑکا ہو یہ بات بھی سمجھ میں نہیں آتی وصایا شریف کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیں۔

ایک صاحب بوقت دفن بلا اطلاع دودھ برف خانہ ساز لے آئے۔[۲]

اس سے یہ تو پتہ چلا کہ دفن کے وقت یہ دودھ کا برف لایا گیا لیکن یہ پتہ نہیں ملا کہ وہ دودھ کہاں گیا۔ قبر کے کسی کونے میں رکھا گیا حضرت کے ساتھ ہی دفن کر دیا گیا۔ اس واقعہ کو ساٹھ سال سے اوپر ہو رہے ہیں مگر اب تک بھی اس کا پتہ نہیں دیا گیا

مولانا احمد رضا خاں نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی تھی کہ یہ کھانے ہفتہ میں ایک دو بار

---

[۱] کتاب الآثار ص۸۳ و ج المعانی جلد ۱۹ ص۱۷۹ [۲] وصایا شریف ص۸

بھیج دیا کریں۔ یہ ایصال ثواب کی تجویز نہیں ہو سکتی ان کھانوں کے بھیجنے کی تلقین ہے۔ وصایا شریف میں ہے کہ آپ نے اپنی وفات سے دو گھنٹے سترہ منٹ پہلے عمدہ اور لذیذ کھانوں کی یہ فہرست مرتب فرمائی اور کہا ؛۔

اعزہ سے اگر بطیب خاطر ممکن ہو تو ہفتہ میں دو تین بار ان اشیاء سے بھی کچھ بھیج دیا کریں۔ [1]

فوت شدگان کو ثواب تو بھیجا جا سکتا ہے یہ چیزیں کیسے بھیجی جا سکتی ہیں کفن بھیجنے کی ایک ترکیب مولانا احمد رضا خاں نے یہ تجویز کی ؛۔

ایک بی بی نے مرنے کے بعد خواب میں اپنے لڑکے سے فرمایا کہ میرا کفن ایسا خراب ہے کہ مجھے اپنے ساتھیوں میں جاتے شرم آتی ہے پرسوں فلاں شخص آنے والا ہے اس کے کفن میں اچھے کپڑے کا کفن رکھ دینا صبح کو صاحبزادے نے اٹھ کر اس شخص کو دریافت کیا معلوم ہوا کہ وہ بالکل تندرست ہے اور کوئی مرض نہیں تیسرے روز خبر ملی کہ اس کا انتقال ہو گیا ہے۔ لڑکے فوراً نیا عمدہ کفن سلوا کر اس کے کفن میں رکھ دیا اور کہا کہ یہ میری ماں کو پہنچا دینا۔ رات کو وہ صالحہ خواب میں تشریف لائیں اور بیٹے سے کہا خدا تمہیں جزائے خیر دے تم نے بہت اچھا کفن بھیجا (ملفوظات مولانا احمد رضا خاں جلد ۱ ص۳۱)

چیزیں بھیجنے کا یہ عمل ان چیزوں کو ضائع کرنا ہے کیا اس سے بہتر یہ نہیں تھا کہ کسی مسکین کو اس کے کپڑے بنا دیئے جاتے۔

مولانا احمد رضا خاں کے ساتھ جو دودھ کا برف خانہ ساز بھیجا گیا تھا آگے پڑھ کر ہمارے ہاں کے ایک دوست نے ہمیں ایک اطلاع دی کہ یہ بدعت بریلویوں کی اپنی بنائی نہیں بلکہ

---

[1] ایضاً

یہ عمل صدیوں سے چینیوں میں چلا آرہا ہے بریلویوں نے یہ عمل چینیوں سے لیا ہے ہمارے وہ دوست ایک خط میں لکھتے ہیں:

ہم نے بذاتِ خود چینیوں کے کئی جنازے دیکھے ہیں برما میں چینی قوم ایک بڑی تعداد میں آباد ہے اُن کے جب کوئی شخص فوت ہوتا ہے تو تین دن آنے جانے والوں کی ضیافت ہوتی ہے تیسرے دن میت کو قبرستان میں لے جاتے ہیں اور مرنے والے کی مرغوب غذاؤں کی ایک لمبی قطار جنازہ کے پیچھے پیچھے بھیجی جاتی ہے یہ چیزیں قبرستان تک میت کے ساتھ ساتھ جاتی ہیں اور وہاں رکھ دی جاتی ہیں ... الخ

ہمیں اب بریلویوں کے تیجے کا مستند بھی سمجھ میں آگیا علامہ البیرونی نے کتاب الہند میں تیجے کو ہندوؤں کی ایک مذہبی رسم قرار دیا ہے لیکن ہمیں برما کے اس واقف حال دوست نے بتایا کہ ہندوستان میں بھی یہ رسم چینیوں سے گئی ہوگی۔ یہ بات ہمیں ابھی تک سمجھ میں نہیں آئی کہ مولانا احمد رضا خاں کا چینیوں سے کیا تعلق تھا جو اُن کے تیجے کے عمدہ کھانوں پر انہوں نے برصغیر پاک و ہند میں اپنے پیروؤں کو ایک لمبی فہرست کے اعلیٰ اور عمدہ کھانوں پر جمع کر دیا۔ چینی تو سانپ بھی کھاتے ہیں تو کیا بریلوی بھی سانپ کھانے پر آجائیں گے

⑪ قبروں پر سجادہ نشین اور مجاوروں کے ڈیرے

قبروں کے مجاور بننے والے معاشرے میں خاندانی سجادہ نشینوں کا ایک طبقہ اٹھ آیا مجرموں کو ان خصوصاً کی درگاہوں سے پورا فائدہ اٹھایا اور مجاوروں نے اپنے خفیہ کاروبار چلائے۔ علماء حق نے اگر کہیں ان بدعات سے روکا تو بریلوی علماء نے ان سجادہ نشینوں اور مجاوروں کو پورا تحفظ دیا۔ جب تک پولیس نہ آتے وہاں ہر طرح کے مجرموں کو پناہ مل جاتی ہے اور عام بریلوی یہ سمجھتے ہیں کہ یہ حضور والے ہیں جن کے سائے میں گنہگاروں کی پردہ پوشی ہوتی ہے۔ مولانا احمد رضا خاں نے تو ان سب کو خبیث فرقے کہہ کر اپنی ذمہ داری پوری کر دی لیکن بریلوی علماء کبھی ان عرسوں پر ہونے والی کارروائیوں کے خلاف زبان نہیں کھول سکتے، ورنہ وہ کھول بھی کیوں کہ مجاوروں نے انہیں بلوا کر

دوسروں میں تقریریں کرا کر دربار کی جیبیں گرم کاروان کے گلے پر صوبے کا سیمنٹ لگا رکھا ہے۔

(۱۲) مزاروں پر غلط قسم کا کاروبار

بزرگوں کے مزاروں پر کیا کچھ ہوتا ہے ایسے آپ مولانا احمد رضا خان کے حوالے سے ملاحظہ کر چکے حضرت محمد بن علی کے مزار سے حضرت سید عبدالوہاب کو حکم ہوا تھا کہ اس کنیز کو فلاں حجرہ میں لے جاؤ اور اپنی حاجت پوری کرو۔ یہ بھی آپ نے ملفوظات کے حوالے سے سن لیا۔ اب یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ حجروں کی یہ روایتیں ابھی تک باقی ہیں اور جہت کی قبروں پر یہ کاروبار جاری ہے۔

ایک صحافی جو بھیس بدل کر ایک دربار پر رہا

ان مزاروں پر جو روایتیں ہیں کی حاضری کے جو نقصانات سامنے آئے ہیں کیا آپ نے کبھی ان پر غور کیا۔ ایک صحافی حضرت علی ہجویری کے مزار پر بھیس بدل کر گیا اس نے وہاں کیا دیکھا؟

روزنامہ پاکستان کا فیچر رائٹر انور جاوید ڈوگر نے فقیر اور پیر کے روپ میں لاہور میں داتا دربار پر سات روز گزارے اور انہوں نے وہاں بھی اضافی کمروں کی یہی صدائے بازگشت سنی۔ انہیں بتایا گیا تھا کہ داتا دربار پر گھومنے والی لڑکیوں کو اگر کوئی نوٹوں کا لفافہ پکڑا دے تو وہ اس لفافے کو فوراً سمجھ جاتی ہیں۔ ڈوگر صاحب نے یہی کیا اور ایک رقم ایک لڑکی کے ہاتھ میں تھما دی اس نے کیا کہا اسے آپ روزنامہ پاکستان کے سنڈے ایڈیشن میں بعنوان "ہم نے داتا کے ملنگ کو دیکھا" ۹ اگست کے سنڈے پاکستان کے صفحہ پر دوسری تیسری سرخی یہ ہے۔

"اب بتائیے کہاں چلنا ہے؟ آپ کے پاس جگہ ہے یا میں کسی کمرے کی چابی حاصل کروں؟" وہ رقم پکڑ کر بولی، میرے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ اس لمحے میں

ضمیر کا مجرم بنا کھڑا تھا۔

آپ نے دیکھا مولانا احمد رضا خاں کے ذکر کردہ حجرے کی یاد داتا کے ملنگ کو کس مقام پر لے آئی اس میں اس لڑکی کی یہ بات کہ کیا میں کسی کمرے کی چابی حاصل کروں بتاتی ہے کہ کمروں کی یہ چابیاں ان لڑکیوں کے پاس نہیں ہوتیں جو خادم ان کمروں کے انچارج ہوتے ہیں لڑکیوں کو چابی وہ دیتے ہیں۔ مولانا احمد رضا خاں کے مذکورہ الفاظ کہ فلاں حجرہ میں لے جاؤ اور اپنی حاجت پوری کرو بھی لائق شرم ہیں اور داتا دربار کی اس زائرہ کے الفاظ کہ میں کس کمرے کی چابی حاصل کروں اور زیادہ لائق شرم ہیں اور یہ سب کھیل تصوف کے مقدس پردے کے پیچھے کھیلا جا رہا ہے۔

پاؤڈر بیچنے والے بھی ان حلقوں میں بہت ملیں گے اور کئی چہرہ نور ڈاکو اور چھپے قاتل ان درگاہوں میں مولویوں کے ٹھک بیٹھے کسی گھات لگانے کا دھندا میں مصروف نظر آئیں گے اور جو ان پر ذرا انگلی اٹھائے اس پر علی الفور وہابی ہونے کا فتوے لگ جائے گا۔

(۱۴) مرید عورتیں پیروں کی باندیاں

مرید عورتوں کا پیر سے رشتہ کتنا مخلصانہ اور گہرا کیوں نہ ہو اس پر شریعت کی پوری گرفت قائم رہنی ضروری ہے۔ طریقت شریعت کے متوازی کوئی دوسری راہ نہیں ہو سکتی کہ شریعت میں پیر سے پردہ واجب ہے۔ یہاں مرید عورت باندی کے درجے میں نہیں ہے کہ پیر ان پر قرآن کا یہ حکم جاری کرے۔

والذین هم لفروجهم حافظون الا علی ازواجهم او ما ملکت ایمانهم فانهم غیر ملومین۔ (پ۱۸ المؤمنون ۵)

ترجمہ. وہ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں. ہاں یہ حکم بیویوں اور باندیوں کے بارے میں نہیں ہے. ان کے بارے میں ان پر کوئی ملامت نہیں ہے.

مگر افسوس کہ بریلوی علماء ان مرید خواتین کو پیروں کی باندیاں قرار دیتے ہیں.

مولانا احمد رضا خاں کے زنانخانہ میں پیر صاحب کی اچانک آمد

عام طور پر پیر صاحبان کی ایسی آمد کا کسی کو پتہ نہیں چلتا کہ وہ کب زنانخانہ میں داخل ہوتے لیکن کبھی چل بھی جاتا ہے. ایک دفعہ ایک سید صاحب غلطی سے مولانا احمد رضا خاں کے زنانخانہ میں چلے گئے. سید صاحب نے جب معذرت کی تو مولانا احمد رضا خاں نے فرمایا. مریدوں کی یہ عورتیں سب پیروں کی باندیاں ہیں. اعلیٰ حضرت کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں :-

> حضرت یہ سب آپ کی باندیاں ہیں. آپ آقا (مالک) اور آقا زادے ہیں معذرت کی کیا حاجت ہے میں خوب سمجھتا ہوں حضرت اطمینان سے تشریف رکھیں. [1]

مریدوں کی بیویاں شرعاً باندیاں نہیں ہوتیں نہ ان سے باندی والے معاملات جائز ہیں افسوس قوم کی وہ بیٹیاں جنہیں ان کی ماؤں نے آزاد جنا تھا مولانا احمد رضا خاں نے ایک فتوے کی جنبش میں انہیں باندیاں بنادیا اور اپنے گھر پیروں کے لیے کھول دیئے.

---

[1] ماہنامہ المیزان بمبئی احمد رضا نمبر ص ۲۷

⑭ جنازہ دیکھتے کھڑے ہوجانا

بریلوی اس بات پر بہت زور دیتے ہیں کہ کسی بزرگ کا جنازہ نکلے تو عوام کا فرض ہے کہ سے دیکھتے کھڑے ہوجائیں۔ ان کے ہاں جب زندہ بزرگوں کے لیے قیام تعظیمی کیا جاتا ہے تو ان کے جنازے کے لیے قیام تعظیمی کیوں نہ کیا جائے اپنے اس موقف کی تائید میں بریلوی یہ حدیث پیش کرتے ہیں۔

عن ابی سعید الخدریؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا رأیتم الجنازہ فقوموا فمن تبعها فلا یقعدن حتی توضع ۔ جامع ترمذی ج ۱ ص ۱۲۰

ترجمہ: جب تم کسی جنازہ کو آتے دیکھو تو دیکھتے کھڑے ہوجاؤ جو اس کے پیچھے چلے وہ اس وقت تک نہ بیٹھے جب تک چارپائی زمین پر نہ رکھ دی جائے

فقال ابوعیسیٰ حدیث ابی سعید فی هذا الباب حدیث حسن صحیح وهو قول احمد و اسحاق قالا من تبع الجنازہ فلا یقعد حتی توضع عن اعناق الرجال

یہ امام احمد اور امام اسحاق کا مسلک ہے۔

ہم اس مسئلہ میں امام احمد اور امام اسحاق کے مسلک پر نہیں ہیں کاش بریلویوں نے اس مسئلہ میں بھی حنفی مذہب ہی معلوم کیا ہوتا۔ حضرت امام محمد (۱۸۹ھ) کے موطا میں اس پر ایک مستقل باب ہے۔ باب القیام للجنازہ اور اس میں یہ حدیث روایت کی ہے۔

عن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یقوم للجنازہ ثم جلس بعد قال محمد و بهذا ناخذ لا نری القیام للجنازہ کان هذا شیاء فترک وهو قول ابی حنیفہ ۔ (موطا امام محمد ص ۱۶۹)

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنازہ کے لیے کھڑے ہوجاتے پھر اس کے بعد بیٹھ جاتے (امام) محمد کہتے ہیں یہی ہمارا موقف ہے ہم جنازہ کے لیے کھڑے ہونے کا نہیں کہتے ایسا کچھ وقت کے لیے تھا پھر اسے چھوڑ دیا گیا اور یہی امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔

امام ترمذیؒ حضرت علیؓ کی اس حدیث کا حاصل ان لفظوں میں بیان کرتے ہیں۔

ومعنی قول علی قام النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الجنازۃ ثم قعد یقول کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقوم اذا رای الجنازۃ ثم ترک ذلک بعد فکان لا یقوم اذا رای الجنازۃ [1]

(ترجمہ) حضرت علیؓ کا یہ کہنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جنازہ کے لیے کھڑے ہو جاتے تھے پھر بیٹھ جاتے اس کا معنی یہی ہے کہ ایسا پہلے ہوتا تھا پھر آپ نے اسے چھوڑ دیا پھر آپ جنازہ دیکھتے کھڑا نہ ہوا کرتے تھے۔

پھر یہ بات بھی تحقیق طلب ہے کہ یہ کھڑا ہونا کسی مسلمان کے لیے اعتنا ہوتا تھا یا کسی کافر کا جنازہ بھی ہو تو یہ کھڑا ہونا بطور اظہار افسوس ہو سکتا تھا۔

ان للموت فزعا فاذا رأیتم جنازۃ فقوموا۔ [2]

ترجمہ: موت پر ایک گھبراہٹ ہے سو جب تم کوئی جنازہ دیکھو تو ٹھہر جایا کرو۔

صحیح بخاری میں حضرت جابر سے مروی ہے۔

مرّ بنا جنازۃ فقام لها النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقمنا فقلنا یا رسول اللہ انها جنازۃ یهودی قال فاذا رأیتم الجنازۃ فقوموا [3]

حضرت سہل بن حنیف کہتے ہیں آپ نے فرمایا الیست نفسا کیا وہ یہودی جان نہیں [4]

حضرت عبداللہ بن عمرو کی ایک روایت میں ہے انما قمنا اعظاما للذی یقبض [5]

ہم حیران ہیں کہ جنازہ کے اس قیام سے بریلویوں نے یہ بات کہاں سے نکال لی کہ یہ عمل بزرگوں کے جنازہ کے لیے ہے اور پھر اس سے یہ لوگ تعظیمی قیام ثابت کرنے لگے ہیں۔

---

[1] جامع ترمذی جلد ۱ ص ۱۲۲ [2] صحیح ابن حبان جلد ۵ ص ۳۳ [3] صحیح بخاری جلد ۱ ص ۱۷۵ [4] ایضاً ص ۱۷۵ [5] صحیح ابن حبان جلد ۵ ص ۳۳

قبروں پر چراغاں کرنا

بریلویوں نے یہ غلط عقیدہ اختیار کر رکھا ہے کہ قبروں پر جو چراغ جلائے جاتے ہیں ان کی روشنی قبر کے اندر پہنچتی ہے اور سینکڑوں جاہل ایسے گذرے جو ان مزارات پر تیل کی نذریں مانتے ہیں کبھی ان مجاوروں سے پوچھو جو اس تیل کو جمع کرتے رہتے ہیں اور ہر ماہ اسے بیچ کر اچھی خاصی رقم کماتے ہیں اور جو شریف آدمی ان مزاروں پر تیل چڑھانے سے روکے اسے بزرگوں کا گستاخ سمجھتے ہیں۔

بزرگان دین کی قبریں ان کے نور ایمان سے روشن ہیں انہیں باہر کے چراغوں کی ضرورت نہیں باہر اگر روشنی کی جائے تو یہ صرف زائرین کی مدد کے لیے ہو سکتی ہے صاحب مزار کی مدد کے لیے نہیں وہ اس باہر کی روشنی سے مستغنی ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں۔

لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زائرات القبور والمتخذین علیہا المساجد والسرج[1]

ترجمہ حضور اکرمؐ نے ان عورتوں پر لعنت فرمائی جو بار بار قبروں پر جائیں اور ان مردوں پر جو وہاں جا کر نمازیں پڑھیں (کہ ان نمازوں سے انہیں سکون ملتا ہے) اور وہاں چراغاں کریں۔

---

[1] رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی مشکوٰۃ ص ۷۱

⑥ ایصالِ ثواب میں پیدا کی گئی بدعات

ایصالِ ثواب برحق ہے۔ زندوں کے نیک اعمال کا ثواب فوت شدگان کو پہنچتا ہے بشرطیکہ
۱۔ وہ دنیا سے ایمان کے ساتھ رخصت ہوئے ہوں۔ ۲۔ زندوں نے وہ عمل اخلاص سے کیے ہوں۔ ۳۔
اس عمل میں انفاق مال ہو تو وہ مالِ حلال ہو۔ ۴۔ عمل وجود میں آ گئے ہوں تو پھر اس کا ایصال ہو۔

پہلی شرط کہ غیر مومن کو کوئی نیک عمل ایصال نہیں کیا جا سکتا یہ صرف اللہ کے علم میں ہے
کہ کسی کا ایمان پر خاتمہ ہوا یا نہیں۔ اس لیے ہم اس پر سر دست کچھ نہیں کہتے۔

دوسری شرط کہ زندوں نے وہ عمل اخلاص سے کیا ہو جس میں رضائے الٰہی مطلوب ہو اجرت
لینا پیش نظر نہ ہو اسے بریلویوں کی مجلسوں میں دیکھیں کیا طالب علموں کی پارٹیاں مدارس یا
مساجد سے قرآن خوانی کے لیے نہیں بھیجی جاتیں اور ان طلبہ کی اس پر مالی خدمت نہیں کی جاتی اور
کیا کئی لوگ ان مجلسوں میں صرف کھانے کے لیے ہی نہیں آتے۔ اب خود اندازہ کریں ان کے اس عمل
میں اخلاص اور رضائے الٰہی کی طلب کہاں تک ہوتی ہوگی۔

تیسری شرط کہ ایصالِ ثواب میں انفاق مال، مالِ حلال سے ہو اس شرط پر کہاں تک عمل ہوتا
ہے اسے تیجے، دسویں اور چالیسویں کے موقع پر دیکھیں کہ مرحوم کا مال ابھی وراثت میں نہیں آیا اس
کے کمسن یتیم بچے اذن دینے کی پوزیشن میں بھی نہیں مگر بریلوی مولویوں کے تقاضے پورے کرنے کے
لیے ختم کی تمام اشیاء اس ایک بیوہ اور یتیموں کے مال سے آ رہی ہیں۔ کیا یہ مالِ حلال پر ایصالِ ثواب
ہو رہا ہے

چوتھی شرط کو دیکھیے کہ کھانا ابھی کسی مسکین و محتاج کے حلق سے نہیں اترا ابھی وہ مولوی صاحب
کے سامنے دھرا ہے یہ نیک عمل کہ کوئی مستحق اسے کھائے ابھی وجود میں نہیں آیا ختم پڑھ کر اس عمل کا
ایصالِ ثواب کیا جا رہا ہے جو ابھی سرے سے واقع نہیں ہوا۔ کھانا کھلا کر دعا ہوتی تو بے شک ایک عمل
کا ایصالِ ثواب تھا لیکن اب یہ ختم ایک ڈرامہ بازی کے سوا اور کیا وجہ رکھتا ہے اسے آپ سوچیں

دسویں اور چالیسویں کو بھی وہ اعتقادی فضیلت دیتے ہیں اور پھر ہر سال ربیع الاول کو وہ اسی طرح ایک خوشی کا دن بناتے ہیں جب حضورؐ پیدا ہوئے تھے یہ دنوں کا تعین ان کی اپنی طرف سے ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں فضیلت کی سالانہ گردش نہیں دی۔ علامہ شامی لکھتے ہیں:۔

ان تخصیص الذکر بوقت لم یرد به الشرع غیر مشروع [1]

ترجمہ بیشک ذکر کو کسی وقت کے ساتھ خاص کرنا جس پر دلیل وارد نہیں ناجائز ہے۔

مولانا احمد رضا خاں کہتے ہیں:۔

جب چاہیں کریں اپنی دنوں کی تخصیص ضروری جاننا جہالت ہے۔ [2]

⑦ ایصالِ ثواب میں مختلف کھانوں کا تعین

بریلویوں کے ہاں حضرت شیخ عبدالحق کے ختم میں سہتی (روٹی) شاہ مدار کے ختم میں مالیدہ، شیخ سدو کے گلگلے، بو علی قلندر کے ختم میں پائے، گیارہویں شریف میں کھیر اور دیگر کئی مختلف انواع کھانوں میں متنازہ ہیں۔ مولانا احمد رضا خاں نے اپنے لیے اکیس کھانوں کی فہرست مرتب فرمائی جو وصایا شریف میں درج ہے۔ کھانوں کی مقدار سے نہیں۔ مولانا احمد رضا خاں سے سوال کیا گیا۔

مسئلہ میت کے سوم کا کس قدر وزن ہونا چاہیے اگر چھوہاروں پر فاتحہ دی جائے تو ان کا کس قدر وزن ہو۔

الجواب۔ کوئی وزن شرعاً مقرر نہیں اتنے ہوں جن میں ستر ہزار عدد پورا ہو جائے [3]

ایک چھوہارا اگر نصف تولے کا ہو تو بریلویوں کے ہر تیجہ میں دس من ۲۹ سیر ۲ چھٹانک چھوہارے ضروری ہیں

ایصال ثواب کے لیے مختلف کھانوں کا تعین کتاب وسنت میں کہیں نہیں مولانا محمد عمر اچھروی نے مقیاس حنفیت میں جو

---

[1] رد المحتار جلد ۱ ص ۲۰۰ [2] فتاوے رضویہ جلد ۱ ص ۳۳ [3] عرفان شریعت حصہ اول ص ۲

باب بابتے ہیں یہ ان کے اپنے پسند کے باب ہیں شریعت میں یہ سب تعیینات بدعات ہیں۔

ایصال ثواب کے مختلف دن مقرر کرنے کی حکمت

بریلوی مولویوں نے ایصال ثواب کے لیے جو تیجہ، دسواں، ساتویں دن، دسویں دن، اکیسویں دن اور چالیسویں دن کی تعیین کی وہ اس لیے کہ انہیں وقت نا وقت مسلسل کھانے ملتے رہیں جمعہ کے یہ دن جمعرات کے علاوہ ہیں، پھر محلے میں ایک ہی کے دن تو نہیں چلتے۔ دو تین گھروں کے دن آپس میں اس ترتیب سے چلتے ہیں کہ مولوی صاحبان کو کبھی گھر میں کھانا پکانے کی ضرورت نہیں پڑتی اگر دنوں کی یہ تعیینات نہ ہوتیں تو ایصال ثواب کے کھانے اس طرح سنبھالے نہ جا سکتے۔

شامی میں ہے:۔

یکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع ونقل الطعام الی المقابر فی المواسم [1]

ترجمہ: پہلے تیسرے اور ساتویں دن کھانا پکانا اور کھانے ان خاص دنوں میں قبروں پر لے جانا مکروہ ہے۔

حضرت علی متقی (ھ) بدعات تعزیت کے ذیل میں تیجے کی رسم کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

ان هذا الاجتماع فی الیوم الثالث خصوصا لیس فیه فرضیة ولا فیه وجوب ولا فیه سنیة ولا فیه استحباب ولا فیه منفعة ولا فیه مصلحة فی الدین بل فیه طعن وبد مذمة وملامة علی السلف..... فیکون حراما لتضمنه هذا القبائح [2]

ترجمہ: یہ خاص طور پر تیسرے دن کا اجتماع اس کا نہ فرضیت ہے نہ وجوب اور نہ سنیت اور اس میں استحباب بھی نہیں اس میں نہ کوئی فائدہ ہے اور نہ دین کی کوئی بہتری بلکہ اس میں سلف پر طعن ان کی بُرائی اور ان پر ملامت ہے۔ یہ عمل ان قبائح پر مشتمل ہونے کے باعث حرام ٹھہرے گا۔

[1] رد المحتار جلد ۱ صفحہ ۶۲۸ [2] ماخوذ از تفہیم المسائل صفحہ ۱۱۶

خاص خاص تاریخوں پر خاص خاص اعتقاد

بریلوی علماء نے ہر قمری ماہ کی گیارہ تاریخ کو اپنی برکت سے متبرک سمجھ رکھا ہے اور دیہات کے جاہل لوگوں میں یہ بات اتنی عام پائی جاتی ہے کہ یہاں سے گیارہ تاریخ کو کوئی گوالہ دودھ لے کر کسی دوکان پر آ جائے۔ ان کا عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ جو بھی اس دن کا دودھ گیارہویں شریف کی کھیر میں نہ دے گا اس کی کوئی نہ کوئی بھینس مر جائے گی بھینس کو مارے گا کون؟ اس میں بریلویوں کے دو قول ہیں۔ ایک عوام کا اور ایک ان کے بڑے مولویوں کا — عوام کہتے ہیں کہ حضرت پیران پیر بھینس کو مار دیتے ہیں اور مولوی کہتے ہیں حضرت اس مزاج کے نہیں کہ یونہی بھینس کو ماریں پھر یہ کام ان کا کوئی نائب کرتا ہو گا۔

خیال کیجئے جس عمل کو یہ خود صرف مباح کہتے تھے اس کا التزام اور اس پر اصرار انہیں کہاں سے کہاں لے گیا۔ دنوں میں سے کسی خاص دن کو چن لینا اور اس کی فضیلت کا عقیدہ بنا لینا یا کسی دن کو اپنی طرف سے نحوست قرار دے دینا اور خود ہی بعض کاموں کے لیے بعض کا تعین لازم ٹھہرا لینا یہ عجیب اعتقاد ہے جو بریلویوں کے دل و دماغ پر چھایا ہوا ہے۔

مولانا احمد رضا خان کا منگل کے بارے میں عقیدہ

ہندوؤں کے ہاں منگل کا دن نحس سمجھا جاتا ہے۔ مولانا احمد رضا خاں کا عقیدہ بھی تھا کہ منگل کے دن کوئی کپڑا نہ کاٹنا چاہیئے اس میں برکت نہ رہے گی۔ آپ نے فرمایا:۔

جو کپڑا منگل کے دن قطع ہو وہ جلے گا یا ڈوبے گا یا چوری ہو جائے گا۔ [1]

[1] ملفوظات حصہ سوم ص ۷

یہی وجہ ہے کہ یہ میری منگل کے دن کبھی حجامت نہیں بنواتے کہ اب یہ سر قطع ہو گا یا جلے گا یا ڈوبے گا۔

ایصال ثواب کے لیے جمعرات کا انتخاب

ایصال ثواب کے لیے جمعرات کو خاص فضیلت دینا جیسا کہ بریلویوں نے عام روش رکھی ہے یہ ان کی اسی سوچ کا نتیجہ ہے شب برات اگر کبھی جمعرات کو آجائے تو ان کے مولویوں کے چہرے اکثر غمگین ہوتے ہیں کہ ہمارا ایک ختم مارا گیا

گیارہویں کے لیے چاند کی گیارہ کا انتخاب

ایصال ثواب کے لیے سب دن برابر تھے لیکن معلوم نہیں کہ ان مولویوں کو گیارہ تاریخ زیادہ کیوں پسند ہے۔ کیا اس لیے تو نہیں کہ گیارہ کے عدد میں ایک کے برابر ایک کھڑا ہے۔ انہیں اس میں شرک کی ایک جھلک دکھائی دی کہ گیارہ (۱۱) کی دفعی صورت اسی طرح ہے اور یہ بریلویوں کو بہت پسند ہے۔

نامناسب نہ ہو گا کہ ہم ان کے گیارہویں شریف کے ختم کو یہاں کچھ تفصیل سے بیان کریں اور ایسے اس کے تاریخی پس منظر کے ساتھ قارئین کے سامنے پیش کریں۔

کسی نے ہم سے پوچھا تھا کہ بڑی گیارہویں کو عربی میں کیا کہتے ہیں؟ ہم نے کہا یہ دونوں لفظ (۱) بڑی اور (۲) گیارہویں عربی کے نہیں ہیں اور عرب ممالک میں یہ عمل ہی نہیں کہ اس کے لیے کوئی اصطلاح وجود میں آئی ہو۔ مجبوراً ہم اسے گیارہویں شریف کے عنوان سے ہی ہدیہ قارئین کرتے ہیں۔

پڑھیں اور قبروں پر جاکر یا کسی دوسری جگہ ختم پڑھیں یہ سب کام بدعت ہیں۔
یہ خاص تیسرے دن کا اجتماع اور دوسرے تکلفات اور مرحوم کی وصیت کے بغیر یتیموں کے مال سے دعوتیں لہٰذا ناجائز اور حرام ہے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد معصوم صاحب بھی لکھتے ہیں۔

مخدوما! طعام دادن لله تعالیٰ بے رسم و ریا و ثواب آں بمیت گزرانیدن خوب است و عبادت بزرگ، اما برائے تعیین وقت اصل ثابتہ علیحدہ ظاہر نہ شدہ و روز سوم گل دادن بمروان بدعت است۔[۱]

مخدوما! اللہ تعالیٰ کے نام پر بغیر رسم و شہرت کے، اور بغیر دکھاوے کے غریبوں کو کھانا کھلانا اور اس کا ثواب میت کو پہنچانا، یہی بات اور بڑی اعلیٰ عبادت ہے لیکن اس کے لیے کوئی وقت مقرر ٹھہرانا اس کے لیے شریعت میں کوئی اصل جس پر اعتماد کیا جاسکے نہیں ملتی، اور تیجے پر پھول لانا بدعت ہے۔

اب حضرت علامہ شامیؒ کا فیصلہ بھی سن لیں۔ آپ حدیث جریر پر اعتماد کرتے ہیں۔

وحیث دل الحدیث المذکور علی کراهته ولا سیما اذا کان فی الورثة صغار او غائب مع قطع النظر عما یحصل عند ذلك غالباً من المنکرات الکثیرة کایقاد الشموع و القنادیل ..... واخذ الاجرة علی الذکر وقراءة القرآن وغیر ذلك مما هو مشاهد فی هذه الازمان وما کان کذلك فلا شك فی حرمته وبطلان الوصیة به۔[۲]

ترجمہ: اہل میت کے ہاں سے کھانا حدیث مذکور کی بنا پر مکروہ ہے خصوصاً جبکہ کچھ وارث نابالغ ہوں یا کوئی وارث غائب ہو۔ قطع نظر ان بہت سی منکرات کے جو ایسے موقع پر کی جاتی ہیں جیسے شمعیں اور قندیلیں جلانا ..... اور ذکر اور قرآن خوانی پر اجرت لینا وغیرہ جو آج کل ہمارے مشاہدہ میں آرہی ہیں اور جو اس طرح کا عمل ہو اس کے حرام

---

۱ مکتوبات حضرت خواجہ محمد معصومؒ مکتوب ۸۱ ۲ رد المحتار جلد ۵ صفحہ ۶۶۳ طبع قدیم

ہونے میں کوئی شک نہیں اور اس کی وصیت بھی ہو تو یہ وصیت باطل ہے۔

نقشبندی سلسلے کے شیخ کبیر حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ (۱۲۲۵ھ) کی وصیت ملاحظہ فرمائیں جو مالابدمنہ کے ساتھ چھپی ہے۔ آپ لکھتے ہیں۔

بعد مردن من رسوم دنیوی مثل دہم و بستم و چہلم و ششماہی و برسینی ہیچ نکنند۔[1]

ترجمہ: میری وفات پر دنیوی رسمیں جیسے دسواں، بیسواں، چالیسواں، ششماہی اور برسی وغیرہ کچھ نہ کریں۔

اب چودھویں صدی میں چلیے، مولانا عبدالحی لکھنویؒ (۱۳۰۴ھ) لکھتے ہیں۔

مقرر کردن روز سوم وغیرہ بالتخصیص و او را ضروری انگاشتن در شریعت محمدیہ ثابت نیست۔ صاحب نصاب الاحتساب آں را مکروہ نوشتہ۔[2]

ترجمہ: تیسرے دن کھانا وغیرہ خاص طور پر مقرر کرنا اور اس کو ضروری سمجھنا شریعت محمدیہ میں اس کا کوئی ثبوت نہیں، صاحب نصاب الاحتساب نے اسے مکروہ لکھا ہے۔

چودھویں صدی کے مولانا احمد رضا خاں بھی لکھتے ہیں۔

اہل میت کا اہتمام طعام کرنا سرے سے ناجائز ہے۔[3]

اور اس سے پہلے آپ یہ بھی لکھ آئے ہیں۔

یہ دعوت خود ناجائز و بدعت شنیعہ و قبیحہ ہے۔ امام احمد اپنے مسند میں اور ابن ماجہ سنن میں بسند صحیح حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں۔

کنا نعد الاجتماع الی اهل المیت وصنعهم الطعام من النیاحة۔ ہم گروہ صحابہ اہل میت کے یہاں جمع ہونے اور ان کے کھانا تیار کرنے کو مردے کی نیاحت سے شمار کرتے تھے جس کی حرمت پر متواتر حدیثیں۔[4]

علامہ طیبیؒ (۷۴۳ھ) اور ملا علی قاریؒ (۱۰۱۴ھ) نے عاصم بن کلیب کی روایت میں استقبلہ

۱۔ مالابدمنہ ص۱۹۱ ۲۔ فتاویٰ مولانا عبدالحی جلد ۱ ص ۳۔ احکام شریعت حصہ دوم ص۱۹۲ برقی پریس مراد آباد ۴۔ ایضاً ص

جواب دے چکے ہیں مگر معلوم نہیں بریلوی علماء کھانے کے مسئلہ میں کیوں اس قدر دلدادہ ہو چکے ہیں کہ اپنے اعلیٰحضرت کی مخالفت سے بھی نہیں بچ سکتے۔

بریلوی علماء اس مسئلے میں مولانا احمد رضا خاں کے نہیں مولانا عبدالسمیع رامپوری کے پیچھے چلے ہیں۔ بدعات میں بریلویوں کے امام دراصل یہ ہیں۔ مولانا احمد رضا خاں کی زیادہ شہرت تکفیر کی وجہ سے ہوئی ہے۔ بدعات میں ان کے اصل پیشوا مولانا عبدالسمیع رامپوری مؤلف انوار ساطعہ ہیں

مسائل اربعین میں لکھا ہے کہ حضرت نے فرمایا ہے طعام المیت یمیت القلب ... مگر یہ قبول کرنا اس کھانے کا جس کو روح میت کے واسطے کیا ہوئے ہم کہتے ہیں کہ اگر اس حدیث کو صحیح رکھو گے تو دوسری حدیثیں جو ترغیب خیرات میں میت کی طرف سے آئی ہیں اور باجماع امت وہ معمول ہیں ان کا کیا جواب دو گے[1]

پھر اس حدیث پر مولانا محمد عمر اچھروی اور مفتی احمد یار خاں صاحب نے اپنے موقف کی بناء رکھی ہے۔ وہ حدیث مشکوٰۃ باب المعجزات میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنازہ سے واپس آ رہے تھے کہ ایک شخص مرحوم کی عورت کی طرف سے حضورؐ کی خدمت اقدس میں آیا اور آپ کو اور دیگر صحابہ کرامؓ کو کھانے کی دعوت دی آپ گئے اور صحابہ بھی گئے اور وہاں کھانا کھایا۔ اس حدیث میں یہ الفاظ تحقیق طلب ہیں۔

فلما رجع استقبله داعی امرأته۔[2]

ترجمہ: جب آپ واپس لوٹے تو آپ کو اس کی بیوی کے ایک قاصد نے بلایا۔

صاحب مشکوٰۃ (۷۴۰ھ) نے اس حدیث پر ابوداؤد اور بیہقی کا حوالہ دیا ہے علامہ طیبیؒ (۷۴۳ھ) نے اس کے لیے امام احمد کا حوالہ دیا ہے۔

ما رواه الامام احمد بسند صحیح وابوداؤد عن عاصم بن کلیب۔[3]

---

[1] انوار ساطعہ ص۱۲۲ [2] مشکوٰۃ [illegible] [3] طیبی [illegible]

تحقیق روایت عاصم بن کلیب

صاحب مشکوٰۃ اور علامہ حلبی کے ان حوالوں کی جب اصل کتابوں سے تلاش کی گئی تو معاملہ برعکس نظر آیا وہاں داعی امرأتہ کے الفاظ نہیں ملے

سنن ابی داؤد کے کتاب البیوع میں باب فی اجتناب الشبہات میں یہ روایت اس طرح ہے۔

فلما رجع استقبلہ داعی امرأۃ فجاء وجیئ بالطعام فوضع یدہ۔[1]

ترجمہ جب آپ واپس ہوئے تو آپ کو کسی عورت کا ایلچی ملا سو آپ تشریف لائے اور کھانا لایا گیا پس آپ نے اس میں اپنا ہاتھ ڈالا۔

علامہ حلبیؒ کے حوالے کے مطابق مسند احمد کو دیکھا تو وہاں یہ الفاظ ملے۔

فلما رجعنا لقینا داعی امرأۃ من قریش۔[2]

ترجمہ۔ پس ہم جب واپس ہوئے تو ہم راستے میں ایک قریشی عورت کے قاصد سے ملے

پھر یہ روایت طحاوی شریف کے کتاب الصید والذبائح جلد ۲ صفحہ ۲ میں بھی مل گئی اس میں بھی امرأۃ من قریش کے الفاظ ہیں۔ امرأتہ (اس مرحوم کی عورت) کے الفاظ کسی مستند کتاب میں نہیں ملے حضور کو کھانے پر دعوت دینے والی کوئی اور عورت تھی مرحوم کی بیوی نہ تھی۔

مشکوٰۃ میں امام بیہقی کا حوالہ بھی دیا گیا ہے بیہقی کی روایت میں بھی دعت امرأۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی طعام کے الفاظ ہیں اسے علامہ سیوطیؒ نے خصائص کبریٰ میں اس باب میں نقل کیا ہے۔

باب اخبارہ صلی اللہ علیہ وسلم بالشاۃ التی اخذت بغیر حق۔[3]

ترجمہ۔ یہ باب اس بارہ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح اس بکری کی خبر دی جو بغیر اجازت مالک کے حاصل کی گئی تھی۔

---

[1] سنن ابی داؤد جلد ۲ صفحہ ۱۱۷ [2] مسند امام احمد جلد ۵ صفحہ ۲۹۳ [3] خصائص کبریٰ جلد ۱ صفحہ ۱۳۱

اس روایت میں گو جنازے کا ذکر نہیں لیکن اس بکری کا ذکر موجود ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ وہی روایت ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازے سے واپس لوٹنے کا ذکر ہے۔

ان تفصیلات سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام میں اہل میت کے ہاں دعوتیں اڑانے کی ہرگز ہرگز اجازت نہیں جس روایت کے سہارے بریلوی علماء لمبے چوڑے ختم پڑھنے گھروں میں پہنچ جاتے ہیں یہ ایک ان کی اپنی بنائی راہ ہے فقہ حنفی میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

ایصال ثواب کا کھانا کون لوگ کھائیں

اہلسنت کا بریلویوں سے ایک یہ اختلاف بھی چلا آتا ہے کہ جو کھانا متعلقین میت کو ثواب پہنچانے کے لیے کھلایا جائے اسے کون کھائیں؟ اہلسنت کہتے ہیں یہ صرف مساکین اور غرباء کا حق ہے بریلوی کہتے ہیں ہمارے مولوی صاحبان اور اپنے اعزہ و اقارب بھی کھا سکتے ہیں۔

بریلوی عوام کو چاہیے کہ وہ خود بھی سوچیں۔ اپنے مولویوں کا لقمہ نہ بنے رہیں خود سوچیں کہ ثواب کس طرح زیادہ ملتا ہے مولویوں کو کھلانے سے یا مسکینوں یتیموں کو کھلانے سے؟ ایصال ثواب اسی ثواب پہنچانے کا نام ہے جتنا ثواب ہے گا اتنا ہی مرحوم کو پہنچے گا مولویوں کو کھانا کھلانا ان کی دعوت ہے خیرات نہیں اور ثواب خیرات کا ہوتا ہے صدقات کا ہوتا ہے دعوتوں کا نہیں ایصال ثواب کا کھانا صرف غرباء کا حق ہے۔ افسوس کہ بریلوی مولوی یہاں مولانا احمد رضا خاں کی اس بات کو بھی بھول جاتے ہیں کہ میت کا کھانا غنی نہ کھائے۔

مردہ کا کھانا صرف فقراء کے لیے ہے عام دعوت کے طور پر جو کرتے ہیں یہ منع ہے غنی نہ کھائے۔[1]

پھر یہ بھی لکھتے ہیں۔

اپنی دعوتوں کی گنتی ضروری جاننا جہالت ہے۔[2]

---

[1] احکام شریعت حصہ دوم ص ۱۵ [2] فتاوی رضویہ جلد ۴ ص ۲۲۴

پیارے سنی بھائیو! کیا سوجی حرام نہیں، کیا دودھ حرام ہے؟ کیا چینی حرام ہے؟ جب ان میں سے کوئی چیز بھی حرام نہیں تو تیجے کا حلوہ کیسے حرام ہو گیا اور پھر سب ایک دوسرے کو دکھا کر حلوہ کھائیں گے اور کہیں گے کہ ہمارا اس دعوت سے مقصد صرف ان لوگوں کی تردید ہے جو ان اسلامی طریقوں کو ناجائز سمجھتے ہیں۔

پھر یہی نہیں کہ اہل میت پر (بلا وارثوں کی اجازت کے) ان تمام رسوم کا اور ختموں کا بوجھ ڈال دیا جاتا ہے، خیرات کے یہ کھانے بھی غرباء و مساکین تک نہیں پہنچتے۔ بڑے بڑے امیر، ثروت حضرات اور تاجر لوگ خیرات کے ان کھانوں کو اس عزت و آبرو کے ساتھ کھاتے ہیں کہ ایک لمحہ کے لیے بھی انہیں یہ گمان نہیں گزرتا کہ یہ صدقات غرباء و مساکین اور یتیموں اور بیواؤں کا حق ہے اور اگر کوئی سعادت مند صالح شخص اس پر کچھ لب کشائی کرتا ہے تو محلہ کے چودھری بڑی بڑی آسانی سے فارغ ہو جاتے ہیں کہ ملا کا اپنا اپنا خیال ہے کچھ ایسے لوگ ہیں جو ختموں کو نہیں مانتے ہم سنی عقیدہ کے لوگ تو ہمیشہ سے تیجا اور چہلم کھاتے آ رہے ہیں۔

ہندوؤں کے تہواروں کی مٹھائی

علامہ البیرونی جو سلطان محمود غزنوی کے ہمراہ ہندوستان آئے تھے لکھتے ہیں کہ اموات کو ثواب پہنچانے کے لیے خاص خاص دنوں کی تعیین دراصل ہندوؤں کی رسم ہے وہ مختلف ذاتوں کے مردوں کو مختلف دنوں میں کھانے بھیجنے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

ہندوؤں کے ہاں ختم کو سرادھ کہتے ہیں سرادھ کا کھانا تیار ہو جائے تو اس پر پنڈت وید پڑھتے ہیں تب یہ کھانا ان کی اموات کو پہنچتا ہے۔ مولانا احمد رضا خاں ہندوؤں کے اس عقیدے کو جانتے تھے، اس لیے وہ ان کے ساتھ ان معین دنوں میں شریک ہونے کے لیے تیار نہ تھے۔ انہوں نے مسئلہ بنایا کہ جب ان کا مقرر کردہ دن گزر جائے تو اگلے دن تم ان کے کھانے کھا سکتے ہو۔

عرض: کافر جو ہولی دیوالی میں مٹھائی وغیرہ بانٹتے ہیں مسلمانوں کو لینا جائز ہے

یا نہیں؟

ارشاد: اس روز نہ لے ہاں اگر دوسرے روز دے تو لے لے یہ نہ سمجھ کر کہ ان

خبثاء کے تہوار کی مٹھائی ہے۔[1]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا احمد رضا خان کے ہاں خاص کاموں کے لیے خاص دنوں کی تعیین ایک اصولی فساد رکھتی ہے ورنہ وہ اہل ہنود کی تعیین فاسد کے طور پر اسی دن وہ مٹھائی کھا لیتے یہ جو کہا اگلے دن کھا لے بتلاتا ہے کہ وہ اس غیر شرعی تعیین میں ہولی کی مٹھائی کھانا پسند نہ کرتے تھے۔ سو جو لوگ اہل بدعت کی غیر شرعی تعیین میں ختموں میں شامل نہیں ہوتے وہ حق بجانب ہیں۔

غیر مسلموں کے تہواروں پر انہیں تحفے دینا

ہندوؤں کی ہولی کی مٹھائی اگلے دن لینا کس نام کی مٹھائی لینا ہوگا یہی نا کہ یہ ہولی کی مٹھائی ہے۔ نام تو یہی چلے گا۔ مجوس نوروز کا دن اور مہرجان کا دن مناتے تھے۔ فقہاء نے ان ناموں سے انہیں ہدیہ دینا ناجائز ٹھہرایا جب انہیں ہدیہ دینے کی اجازت نہیں تو لینے کی کیسے ہوگی۔ درمختار میں ہے:

(والاعطاء باسم النیروز والمهرجان لا یجوز) ای الهدایا باسم هذین الیومین حرام

اور اگر اس دن کی کچھ تعظیم بھی ساتھ شامل ہو جیسے آج کل کئی مسلمان کرسمس پر عیسائیوں کو کرسمس کارڈ بھیجتے ہیں تو یہ اور بھی بڑا گناہ ہوگا۔ درمختار میں اس سے آگے لکھا ہے۔

---

[1] ملفوظات حصہ اول ص [illegible]

(وان قصد تعظيمه) كما يعظمه المشركون يكفر، قال ابو حفص الكبير

وان رجلا عبد الله خمسين سنة ثم اهدى لمشرك يوم نيروز بيضة يريد

تعظيم اليوم فقد كفر وحبط عمله [1]

ترجمہ: اور اگر اس نے اس دن کی تعظیم پیش نظر رکھی جیسا کہ مشرکین اس دن (نوروز کے دن) کی تعظیم کرتے ہیں تو اس نے کفر کیا۔ امام ابو حفص کبیر کہتے ہیں اگر کسی شخص نے پچاس سال ایک خدا کی عبادت کی پھر اس نے کسی مشرک کو یوم نوروز پر ایک انڈا ہدیہ میں دیا اس سے اس کی مراد اس دن کی تعظیم تھی تو وہ کافر ہو گیا اور اس کے تمام عمل جاتے رہے۔

معلوم نہیں مولانا احمد رضا خاں کس طرح ہولی کی مٹھائی اس کے دن لینا جائز سمجھتے تھے۔ کیا وہ مٹھائی ان ہندوؤں کی اپنی بنائی ہوئی نہ ہوتی تھی؟ یہ بات بھی سوچنے کی ہے۔

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد:

کسی مسئلہ کے جائز یا ناجائز ہونے کا فیصلہ دینے سے پہلے یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ اس مسئلے کی عملی صورت کیا ہے، اور جس طرح اسلام میں اعمال کے پیچھے عقائد کا پس منظر ہوتا ہے، اس گیارہویں کے پیچھے کون سے عقائد کارفرما ہیں۔ گیارہویں کا فیصلہ اس کے پس پشت پر لپٹے والے عقائد کے پیش نظر اس کی عملی صورت پر کیا جائے گا ——— اور عملی صورت سے مراد کسی خاص فرد یا خاص حد میں دی جانے والی گیارہویں نہیں، اس میں عامۃ الناس کے عمل و روش کو دیکھا جائے گا جو مسئلہ عام طور پر رائج ہو اس میں عوام کا اعتبار ہونا چاہیئے نہ چند خواص کا جو خاص طور پر اس کی حدود و شروط کا کسی درجے میں سدباب کر دیتے ہیں۔

علماء کو چاہیئے کہ ایسے مسائل میں وہ عوامی ذہن اور عمل کا لحاظ کریں۔ اپنی فقہی موشگافیوں سے عوام کو بے حالت میں نہ لے جائیں، عوام کے سطح علم، ان کی سوچ اور فکر اور ان کے عقیدہ و عمل کو سامنے رکھیں۔ علماء کرام اپنی مقتدرانہ حیثیت میں عوام کے حالات کو جاننے اور سمجھنے اور ان کے مطابق انہیں گمراہی سے نکالنے یا اس میں دھکیلنے کے ذمہ دار ہیں۔ محض اپنے کھانے یا آئے دن کچھ پکانے کھانے کھلانے کی سہولت میں جا پڑنا اور اپنے معتقدوں کی آخرت کو برباد کرنا یہ کوئی ایسی تھوڑی غلطی نہیں ہے کہ آپ سے آخرت میں اس کے بارے میں کوئی سوال نہ ہو۔ ؎

تو ادھر ادھر کی بات نہ کر — یہ بتا کہ قافلہ کیوں لٹا

مجھے راہزنوں سے گلہ نہیں — تری رہبری کا سوال ہے

سو گیارہویں کے موضوع پر اس کے اعتقادی پس منظر، عملی صورت حال اور عرفی پیرایہ عمل ہی وہ امور ہیں جن کے جانے بغیر اس کے جائز یا ناجائز ہونے کا فیصلہ دینا جلد بازی ہوگی۔ اس کا شرعی

حیثیت پر بھی وہ یہیں زیر بحث آنی چاہیئے۔ بلکہ ان پر بحث سے پہلے ان کا تاریخی منظر بھی سامنے ہونا چاہیئے۔

ہم ان شاء اللہ العزیز ان پانچ امور پر ترتیب سے گفتگو کریں گے۔ واللہ ھو الموفق لما یحبہ و یرضی بہ۔ اب اس کی شرعی حیثیت پانچویں نمبر پر آئے گی اور اس میں یہ بات بھی سامنے آئے گی کہ اس میں اور کتنی بدعات لپٹی ہوئی ہیں اور اس کی نسبت حضرت الشیخ سید عبدالقادر جیلانیؒ کی طرف کرنا (اور اسے گیارہویں شریف کہنا) ان کے ذمے لگانا کتنا بڑا ظلم اور علم پر ستم ہے۔

گیارہویں کا تاریخی پس منظر

سیدنا الشیخ عبدالقادر جیلانیؒ (۵۶۱ھ) چھٹی صدی میں ہوئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس سے پہلے اسلام کی پہلی پانچ صدیوں میں حضرت سرکار بغداد کے نام ایصال ثواب کی یہ رسم یا تقریب کہیں نہ تھی۔ اب آپ کے بعد یہ کب جاری ہوئی؟ اس کی تاریخی تحقیق نہایت ضروری ہے۔ دسویں صدی کے مجدد حضرت ملا علی قاریؒ (۱۰۱۴ھ) گیارہویں صدی کے مجدد حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ (۱۰۳۴ھ) پھر آپ کے معاصر حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (۱۰۵۲ھ) بلکہ ان سے آگے آنے والے عمدہ مشائخ نقشبندیہ حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ (۱۲۲۵ھ) اور خاتم المحدثین حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (۱۲۳۹ھ) ان بزرگوں میں سے کوئی بزرگ اس کا ذکر نہیں کرتا ــــ اس سے پتہ چلتا ہے کہ تیرہویں صدی کے نصف اول تک اہل السنۃ والجماعۃ میں گیارہویں کے نام سے کوئی دینی تقریب یا مذہبی رسم قائم نہ ہوئی تھی۔

ہندوستان سے باہر عراق (جہاں حضرت سرکار بغداد شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا مزار ہے) اور مصر و شام بلکہ ملائشیا اور انڈونیشیا تک کہیں یہ بات ثابت نہیں کہ کسی مسجد یا مدرسہ یا کسی قبرستان میں کوئی تقریب اس نام سے کی گئی ہو اگر کوئی دوست اس پر کوئی مستند حوالہ پیش کر دے تو ہم اس کے بہت ممنون ہوں گے۔

گیارہویں کو تاریخی استناد دینے کے لیے بریلوی علماء کی پہلی کوشش

قصور کے مولانا محمد شریف نوری چودہویں صدی کے پیچھے بزرگ ہیں جنہوں نے گیارہویں کو تاریخی استناد مہیا کرنے کی کوشش کی ہے۔ آپ نے گیارہویں شریف کے نام سے ایک رسالہ لکھا ہے۔ آپ اس میں لکھتے ہیں:

حضرت مولانا عبدالحکیم سیالکوٹیؒ (۱۰۶۷ھ) عہد شاہجہان میں ہوئے ہیں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (۱۲۳۹ھ) کے والد حضرت شاہ ولی اللہؒ اورنگ زیب کی وفات سے چار سال پہلے پیدا ہوئے۔ اب حضرت مولانا عبدالحکیم سیالکوٹیؒ کو حضرت شاہ عبدالعزیزؒ سے جوڑنا بریلوی مفتیوں کا ہی کام ہو سکتا ہے ہم جیسے کمزور تو اس کی جرأت نہیں کر سکتے۔

بریلوی علماء کے عوامی مغالطے

قرآن و حدیث میں جہاں کہیں گیارہ کا لفظ آجائے بریلوی علماء پکار اٹھتے ہیں لیجئے گیارہویں ثابت ہوگئی۔ مولانا محمد عمر اچھروی قرآن کی اس آیت سے گیارہویں ثابت کرتے تھے جس میں ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے گیارہ ستاروں کو خواب میں سجدہ کرتے دیکھا۔ مولانا عبدالغفور ہزاروی والفجر ولیال عشر و قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی، سے گیارہ کا مجموعہ بناتے تھے۔

بریلوی عوام اپنے ان اکابر کے ان دلائل پر اب تک ناز کرتے ہیں کہ دیکھا گیارہویں قرآن کریم سے ثابت ہوگئی یا نہ، حالانکہ وہ خود جانتے ہوتے ہیں کہ ان آیات کے نزول کے وقت حضرت سید

تو جب صاحب کا چودہ سال کی عمر کا انتخاب پھر اپنے خاص رنگ پر بے جا درحقیقت کی باتیں کرتا ہو اس وقت زیر بحث نہیں۔ دونوں خان تھے۔ ہم یہاں صرف گیارہ روپے کے تبرک روزینہ کی بات کر رہے ہیں کہ مولانا افضل رسول بدایونی کو سرکار سے یہ جو تنخواہ ملتی تھی مولانا احمد رضا خان نے بھی اس عدد تبرک کو یاد رکھا۔ اب ان گیارہ روپوں سے جو مجلس ہوتی تھی اس کا نام گیارہویں کی مجلس ہو گیا۔ ہندوستان میں یہ گیارہویں شریف کی تاریخ ہے۔

انگریزی ملازمت میں گیارہویں کی یہ مجلس جس طرح گیارہ روپے کی انگریزی تنخواہ سے چلی اسے انگریزوں کے خلاف معاشرے میں کچھ پذیرائی حاصل نہ ہو سکی۔

جنگ عظیم اول انگریزوں اور جرمنوں میں لڑی جا رہی تھی ترک جرمنوں کے حلیف تھے اور روس انگریزوں کے ساتھ تھا۔ ہندوستان میں بریلوی شریف کے قصیدے پڑھ رہے تھے اور علماء دیوبند کی ہمدردیاں ترکوں کے ساتھ تھیں۔ ظاہر ہے کہ ان حالات میں جرمن انگریزوں اور ان کے تمام حلیفوں کے سخت خلاف تھے۔

جرمنوں نے دیکھ کر بریلوی مولوی گیارہویں شریف کے عنوان سے بریلویت کی صفیں کھڑی کر رہے ہیں۔ انہوں نے انہیں محفل دیوانگان مشہور کر دیا اور بے شک یہ محفل دیوانگان جرمنی میں بڑے اہتمام سے منائی جاتی ہے۔

نوائے وقت لاہور نے ... نومبر ۱۹۹۰ء کی اشاعت میں ذیل کی یہ خبر اس طرح سے شائع کی۔

پاگلوں کی عید لیکن مذاق اڑانا منع ہے

واشنگٹن (انٹرنیشنل ڈیسک) جرمنی میں گیارہویں مہینے کی گیارہ تاریخ کو رات گیارہ بج کر گیارہ منٹ پر پاگلوں کی عید منائی گئی۔ تقریب کے شرکاء کو اجازت تھی کہ وہ جو چاہیں پہنیں اور جو جی میں آئے کر گزریں۔ شرکاء نے عجیب و غریب لباس پہن رکھے تھے اور اوٹ پٹانگ حرکتیں کر رہے تھے۔ جیسے جس شریک ہونے کے قواعد کی رو سے ایک دوسرے پر ہنسنا اور مذاق اڑانا منع تھا۔

مومنوں کو ایک طرف رکھئے صرف مسلمانوں کو لیجئے ان کے عوام جس حسن عقیدت سے ان دیگوں اور حلووں کے جلووں پر ایمان قربان کرتے ہیں وہ بھی اپنی مثال آپ ہے۔ ان کے علماء تو تاویل کر کے اپنے نکلنے کی راہ بنا لیتے ہیں۔ لیکن زبوں حالی ان عوام کی قابل رحم ہے جو بھینس کا پورا دودھ اس راہ میں لگا دیتے ہیں مبادا گیارہویں والے پیر صاحب ہماری بھینس مار نہ دیں یا اس کا دودھ خشک نہ کر دیں۔

مسئلہ گیارہویں میں عوام و خواص کے دو مسلک

جہاں تک عوام کا تعلق ہے یہ ایک مشاہدے کا موضوع ہے اس پر کتابی حوالے کی بات نہیں چلتی۔ وہ اپنی بات کتابوں میں لکھیں تو عوام ہی کیا ہوئے اس اہمیت کے لوگ تو پھر ان کے خواص میں جا بیٹھیں گے سو اس باب میں آپ ان عوام کے عمل اور ان کے انہماک کو دیکھیں۔

گیارہویں دینے والے عوام میں آپ کو ایک بڑی تعداد ان لوگوں کی ملے گی جو باقاعدگی سے نہ نماز پڑھتے ہیں نہ زکوٰۃ دیتے ہیں اور نہ وہ ایصال ثواب کے مسئلہ کو سمجھتے ہیں۔ وہ گیارہویں حضرت پیر صاحب کا قرب حاصل کرنے کے لیے اور انہیں خوش کرنے کے لیے دیتے ہیں۔ جو گیارہویں نہیں دیتا اسے وہ برملا کہتے ہیں کہ وہ گیارہویں والے پیر صاحب کو مانتا ہی نہیں۔ گویا گیارہویں دینا حضرت پیر صاحب کے حضور ان کی پیری کو ماننے کا اقرار ہے۔

اہل علم غور فرمائیں کیا یہ نذر لغیر اللہ نہ ہوئی! کیا ان جاہلوں کا یہ عقیدہ نہ ٹھہرا کہ اگر ہم گیارہویں نہ دیں گے ہماری بھینس مر جائے گی۔ نہ بھی مرے تو پیر صاحب کم از کم اس کا دودھ تو ضرور کم کر دیں گے اور یہ کہ حضرت پیر صاحب متصرف فی الامور ہیں۔ دنیا کا نظام وہی چلا رہے ہیں۔

ہماری لاج کس کے ہاتھ ہے بغداد والے کے
بلائیں ٹال دینا کام کس کا غوث اعظم کا
فلکی ناخدا فی کل حال سے ہوا غالب
تصرف انس و جن سب پر ہے آقا غوث اعظم کا[1]

---

[1] ماہنامہ رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ مئی ۱۹۷۰ء

اس عقیدے سے کہ حضرت پوری دنیا میں متصرف الامور ہیں بلائیں وارد کرنا اور ٹالنا سب انہیں کے ہاتھ میں گیارہویں شریف کا ختم محض ایک ایصالِ ثواب کا عمل نہیں رہ جاتا۔ حضرت پیر صاحب کے حضور ایک نذر ہے ایک نیاز ہے اور حضرت کو اپنے اوپر خوش کرنے کی ایک حاجت لازمہ ہے۔

اب یہ مسئلہ تو فقہا سے پوچھیں کہ کیا اللہ کے سوا کسی کی نذر ماننا جائز ہے؟ اگر آپ حنفی ہیں تو فقہ حنفی کی اس صراحت کو دیکھ لیں:۔

والنذر للمخلوق لا یجوز لانه عبادة والعبادة لا تکون للمخلوق۔[1]

ترجمہ۔ اور مخلوق کی نذر ماننا جائز نہیں کیونکہ نذر عبادت ہے اور عبادت مخلوق کی روا نہیں۔

اور آگے جاکر علامہ شامی یہ بھی لکھتے ہیں:۔

ان ظن ان المیت یتصرف فی الامور دون اللہ تعالیٰ واعتقاده ذالک کفر۔[2]

ترجمہ۔ اگر کسی نے گمان کیا کہ مرحوم بزرگ دنیوی امور میں تصرف کرتے ہیں اور اس کا اعتقاد یہی ہے تو اس نے کفر کیا۔

فقہ حنفی کے اس فیصلے کے خلاف بریلویوں کا یہ اعلان ایک دفعہ پھر پڑھ لیں۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب لکھتے ہیں:۔

ان کا حکم جہاں میں نافذ — قبضہ کل دکھاتے یہ ہیں
قادر کل کے نائب اکبر — کن کا رنگ دکھاتے یہ ہیں[3]

جہاں تک تصرف کا تعلق ہے ان کا تصرف بدون اعتقاد تصرف ہے ہی نہیں اور اس کے بغیر یہ چل ہی نہیں سکتے۔ یہ اعتقاد تصرف ہی ہے جو انہیں خانقاہوں اور قبروں پر جھکے رکھتا ہے۔

---

[1] رد المحتار جلد ۲ صفحہ ۱۳۹ [2] ایضاً [3] حدائق بخشش حصہ ۳ صفحہ ۵

ذی تصرف بھی ہے ماذون بھی مختار بھی ہے
کار عالم کا مدبر بھی ہے عبد القادر[1]

اب اگر جناب مدرضا نے مصطفے نے یہ کہہ دیا تو یہ مولانا احمد رضا خاں کی کہی بات ہی کی صدائے بازگشت ہے۔

حکمی نافذ فی کل حال ہے ہوا نافذ
تصرف انس وجان سب پہ ہے آقا غوث اعظم کا

اس مصرعے کا مطلب یہ ہے کہ حضرت شیخ نے فرمایا ہے:-

میرا حکم ہر حال میں نافذ ہے کون ہے جو میرے تصرف کو روک سکے۔

عوام حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کو جس طرح مدبر عالم اور متصرف فی الامور سمجھتے ہوئے ان کی گیارہویں دیتے ہیں اور اعتقاد کے اس پس منظر کے ساتھ یہ صریحاً نذر لغیر اللہ ہے جو شرک کی سرحد کو چھو رہی ہے۔

پھر تاریخ کا تعین عوام کے ہاں واجبات میں سے ہے دن کو ختم ہو تو گیارہ تاریخ کو یہ گیارہ بجے ختم دلوائیں گے۔ رات کو ہو تو یہ رات گیارہ بجے ختم شروع کریں گے اور گیارہ بجکر گیارہ منٹ پر اسے ختم کریں گے۔ خواص کے کھانے کی مجلس میں پہلے گیارہ پلیٹیں رکھی جائیں گی اور پھر گیارہ ہاتھ کے کھانے بڑی گیارہویں شریف کے موقع پر زیب دسترخوان ہوں گے۔ عوام اسے گیارہ کے تصور میں ایسے محو سمجھے ہیں کہ بسا اوقات ان کے علما بھی ان کی اس گیارہ پرستی سے تنگ آ جاتے ہیں جب تک کھانا سامنے نہ لا کر رکھیں۔ ختم خواں کا گلا بھی پورا کام نہیں کرتا۔

یہ بات بریلوی عوام کی ہو رہی تھی۔ اب بریلوی خواص کی بات سن لیں انہیں اپنے ان اعمال بدعت پر کوئی دلیل نہیں ملتی۔ تو وہ صاف اقرار کرتے ہیں کہ اسلام میں یہ کوئی ضروری عمل نہیں ہے۔

مولانا ابوالبرکات کے صاحبزادے مولانا محمود احمد رضوی تھے وہ اپنے والد کی زندگی میں گیارہویں کیا

کے بارے میں اعلان کیا تھا۔

"نہ ہم فرض سمجھتے ہیں نہ واجب بلکہ جواز کے درجہ میں رکھتے ہیں[1]۔ جو شخص حضور غوث اعظم کی روح مبارک کو ایصال ثواب نہیں کرتا اس پر ہم کوئی حکم نہیں لگاتے کیونکہ مباح فعل کو واجب یا فرض کر دینا گمراہی ہے[2]۔"

پھر آگے جاکر لکھتے ہیں۔

"۱۔ دن معین کرنا بھی ہمارے ہاں ضروری نہیں۔ ۲۔ کھانا سامنے رکھا جائے یا پیٹھ کے پیچھے رکھ لیا جائے۔ ۳۔ غرباء میں کھانا وغیرہ تقسیم کر کے ثواب پہنچایا جائے ۴۔ یا قرآن پڑھ کر ہر طرح جائز ہے[3]۔"

جب دن معین کرنا ضروری نہیں تو ان کے علماء جو گیارہ تاریخ کے افضل ہونے پر یا گیارہ کے عدد کے متبرک ہونے پر تقریریں کرتے ہیں، کیا وہ سب بیکار نہ ہو گئیں۔

ان مولانا نے کھانا پیٹھ کے پیچھے رکھنے کی جو صورت بیان کی ہے یہ ہمیں سمجھ میں نہیں آتی مولانا کھانا پیٹھ کے پیچھے رکھ کر کیسے کھاتے ہوں گے۔ یہ تو بڑا مشکل کام ہے اور کیا یہ کھانے کی صریح بے ادبی نہیں۔ کھانا ہمیشہ سامنے رکھ کر ہی کھانا چاہیے اور یہی سنت ہے۔

مولانا نے ۳ میں یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ ختم پڑھنا کھانا کھلانے سے پہلے ضروری نہیں کھانا کھلا کر بھی ایصال ثواب کی نیت کی جا سکتی ہے — کھانا نہ ہو تو صرف قرآن کریم کا بھی ایصال ثواب کیا جا

---

[1] یعنی ثواب کے درجہ میں نہیں۔ اگر کوئی کہے کہ زمین سے سفر کرنا جائز ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس سے ثواب ملے گا۔ جن کاموں پر ثواب ملے ان کا کم از کم درجہ مستحب کا ہے یہ مستحب ایک شرعی حکم ہے جس کی دلیل شریعت سے لانی پڑتی ہے۔ اس سے بچنے کے لیے رضوی صاحب یہاں مباح کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ شریعت میں مباح اسے کہتے ہیں جس کے کرنے پر کوئی مواخذہ نہ ہو اور نہ یہ کہ کوئی اسے کار ثواب سمجھے۔

[2] ماہنامہ رضوان لاہور ستمبر ۱۹۵۶ء ایڈیٹر مولانا محمود احمد رضوی۔

[3] ایضاً شمارہ ۴ ستمبر ۱۹۵۶ء

سکتا ہے ـــ گیارہویں کے بارے میں یہ ان کے خواص کی رائے ہے۔

اس تفصیل سے پتہ چلتا ہے کہ بریلویوں کے ہاں مسئلہ گیارہویں پر بالکل دو متضاد ذہن کام کر رہے ہیں۔ ایک ان کے عوام کا اور ایک ان کے خواص کا ـــ یہ خواص جب اپنے عوام میں جاتے ہیں تو ان کے ساتھ ہو جاتے ہیں اور جب ہمارے سامنے آتے ہیں تو صاف لفظوں میں اقرار کرتے ہیں کہ یہ نہ واجب ہے نہ سنت نہ مستحب نہ گیارہ تاریخ کی کوئی تخصیص ہے نہ گیارہ بجے کی اور نہ کھانا سامنے رکھ کر ختم پڑھنے کی۔

کیا ہم اس مقام پر پوچھ سکتے ہیں کہ گیارہویں کے موضوع پر مسجد وں میں جو آئے دن سر پھٹول ہوتی رہتی ہے کیا وہ ـ کتنے کے لیے محض ایک بات ہے جو مستحب یا مباح سے آگے نہیں بڑھتا اور اگر اس اختلاف کو ختم کرنے کے لیے یہ چھوٹے درجے کے اعمال یکسر چھوڑ دیے جائیں تو اس میں کون سا آسمان ٹوٹ پڑے گا۔ بریلویوں کو چاہیے کہ وہ ایسے چھوٹے درجے کے اختلافات کو جو مستحب یا مباح سے آگے کسی درجے میں نہ ہوں یکسر چھوڑ دیں۔

بریلویوں کے مولانا محمود احمد رضوی نے جس طرح کھل کر بات کہی ہے کہ مسلمانوں کے لیے گیارہویں شریف کوئی ضروری عمل نہیں صرف مباح کے درجے کا ہے۔ اسی طرح جمعیت علمائے پاکستان کے ممتاز رہنما شاہ فرید الحق نے بھی مسلمانوں کے باہمی اتحاد کے لیے ایک بہت اچھی بات کہی ہے۔ روزنامہ جنگ راولپنڈی نے اپنی ۲۰ اکتوبر ۱۹۹۰ء کی اشاعت میں آپ کے اس بیان کو نمایاں طور پر شائع کیا ہے:۔

جو چیزیں فرائض اور واجبات میں شامل نہیں انہیں ختم کر دینا چاہیے

بریلوی رہنما ان کاموں کو جو آئے دن امت میں اختلاف کا موجب بنتے رہتے ہیں ختم کرتے ہیں یا نہیں ہمیں اس سے بحث نہیں تاہم ہم یہ عرض کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اگر آپ نے اس طرح کے ایصال ثواب کو نہیں چھوڑنا تو کم از کم اتنا تو کیجیے کہ گیارہویں شریف کا کھانا خود نہ کھائیں نہ دوسروں کو کھلائیں اسے صرف غریبوں کا حق سمجھیں اور یہ کھانا انہی تک پہنچائیں پھر دیکھیے اس نیکی کا اجر کے

سکتا لوگوں میں اتفاق بڑھتا ہے یا نہ۔

حالات یہ ہیں کہ کوئی شخص بریلوی مولویوں کو گیارہویں کے ان کھانوں سے نہیں ہٹا سکتا۔ یہ پلاؤ زردہ حلوہ اور کھیر تو ان کے دلوں کی جان اور ان کی دولت ایمان ہیں۔ کاش کہ یہ مولوی مولانا احمد رضا خاں کی اس بات کو ہی مان لیں۔

مُردہ (مرحومین) کا کھانا صرف فقراء کے لیے ہے عام دعوت کے طور پر جو کرتے ہیں یہ منع ہے غنی نہ کھائے۔[1]

ایک اور جگہ پر لکھتے ہیں:

شریعت میں ثواب پہنچانا ہے دوسرے دن ہو یا تیسرے دن۔ باقی یہ تعیین عرفی ہے جب چاہیں کریں۔ انہی دنوں کی گنتی ضروری جاننا جہالت ہے۔[2]

عوام و خواص کے اختلاف کی صورت میں راہ عمل

آپ یہ بات تفصیل سے پڑھ چکے ہیں کہ گیارہویں کے مسئلے میں عوامی ذہن اور بریلوی علماء کے عقیدے میں کچھ اختلاف پایا جاتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ عوام و خواص کے اس اختلاف کی صورت میں ان کے لیے راہ عمل کیا ہے۔

فقہ حنفی کی روشنی میں اس صورت حال میں عوام کی بات کا اعتبار ہوگا خواص کا نہیں۔ عوام کو شرک و بدعت کے اس اندھیرے سے نکالنے کے لیے ایسے اعمال کو یکسر ختم کرنا ہوگا۔ رہے علماء تو ان کو نقصان صرف اس طرح طرح کے کھانوں سے محرومی کا ہوگا اور یہ کوئی بڑا نقصان نہیں عوام کا دین و ایمان اگر بچ جائے گا۔ یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ ان کے مولوی جو عوام کی دولت پر پلتے ہیں انہی کے ایمان اور ان کی آخرت کو تباہ کر رہے ہیں۔

نماز کے بعد سجدہ کرنا اپنی ذات میں کوئی عمل ناجائز نہیں مباح ہے لیکن عوام اسے سنت

---

[1] احکام شریعت حصہ دوم ص۲۵ [2] فتاویٰ رضویہ جلد دوم ص۲۲۴

یا واجب سمجھنے لگیں تو یہ سجدہ شکر خواص کے لیے بھی ناجائز ہو جائے گا کیونکہ ایسے اختلاف کی صورت میں اعتبار عوام کا ہوگا خواص کا نہیں۔ جلیل القدر حنفی فقیہ علامہ حلبی لکھتے ہیں :-

وما یفعل عقیب الصلوٰۃ فمکروہ لان الجہال یعتقدون انہا سنۃ او واجبۃ وکل مباح یؤدی الیہ فمکروہ[1]

ترجمہ۔ اور یہ جو نماز کے بعد سجدہ کا رواج ہو چلا ہے یہ مکروہ ہے کیونکہ عوام اسے سنت یا واجب سمجھنے لگیں گے اور ہر مباح جو عوام کی نظر میں اس درجہ پر پہنچا دیا گیا وہ مکروہ ہے۔

اب کیا عوام اور بریلوی جہلاء اس عمل کو یار ہویں کو اپنے ذہن میں سنت اور واجب کے درجے میں نہیں سمجھتے ہیں تو اب بریلوی علماء کو چاہیئے کہ انہیں ان بدعات سے روکیں نہ کہ انہیں تنہائی میں کہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تو صرف دیوبندی اعتراضات کو ٹالنے کے لیے یہی باتیں لکھتے ہیں یہ نہیں کہ ہمارے اصل عقیدے ایسے ہوں۔ اصل عقیدے میں ہم تمہارے ساتھ ہیں۔

واذا خلوا الی شیٰطینہم قالوا انا معکم انما نحن مستہزءون۔

یاد رکھئے ان لوگوں کو ان کی یہ تجارت ہرگز کوئی فائدہ نہ دے گی انہوں نے خود ہدایت کے بدلے گمراہی خرید رکھی ہے

اولٰئک الذین اشتروا الضلالۃ بالہدیٰ فما ربحت تجارتہم وما کانوا مہتدین۔

ترجمہ۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی، سو نہ فائدہ دیا ان کو ان کی تجارت نے اور نہ ہیں وہ ہدایت پانے والے۔

یہ حضرات دل سے خود بھی اپنے عوام کے ساتھ ہیں اسے محض ایصال ثواب نہیں جانتے ورنہ مگر جیسا سے محض ایک مباح عمل سمجھتے تو شاہ فریدالحق کے مشورے پر اسے چھوڑ دیتے۔

---

[1] غنیۃ المستملی ص۵۹۷

اب اگر بریلوی مولوی اعتقادِ ملت کے وسیع تر مقصد کے لیے گیارہویں کی رسم نہیں چھوڑتے تو اس سے کیا سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ اسے صرف ایصالِ ثواب نہیں سمجھتے۔ حضرت الشیخ سید عبدالقادر جیلانیؒ کی عظمت و سطوت کے آگے نذر مانتے ہیں مبادا حضرت پیر صاحبؒ کا جلال ان کی بھینسوں کو نہ مار ڈالے۔

اب آپ ہی بتائیں کیا یہ محض ایصالِ ثواب ہے یا نذر لغیر اللہ ہے؟ کیا اس میں حضرت پیر صاحب کی تعظیم ساتھ نہیں اور کیا یہ گیارہویں والے حضرت پیر صاحب کے جلال کے آگے جھکے نہیں جا رہے۔ ایصالِ ثواب عام اموات کا بے شک ایصالِ ثواب ہوگا لیکن گیارہویں کو تو یہ لوگ حضرت پیر صاحب کے حضور ایک نذرانہ تعظیم اور ایک منت سمجھتے ہیں جس سے ان کے بگڑے کام بنتے ہیں اور رُکے ہوئے بیڑے تیرتے ہیں۔ یہ ایک نیاز ہے جسے یہ پیر صاحب کے حضور پیش کرتے ہیں۔

اس بات کے ثبوت کے لیے کہ ان کے ہاں گیارہویں صرف ایصالِ ثواب نہیں یہ پیر صاحب کے حضور ایک نذرانہ تعظیم ہے۔ ایک نیاز ہے اور ایک منت ہے۔ بریلوی مذہب کے بانی مولانا احمد رضا خاں کی یہ عبارت کو دیکھیے:

مسلمانوں کو دنیا سے جانے کے بعد جو ثواب قرآن مجید کا تنہا یا کھانے کے ساتھ پہنچاتے ہیں عرف میں اسے فاتحہ کہتے ہیں۔ اولیاء کرام کو جو ایصالِ ثواب کرتے ہیں اسے تعظیماً نذر و نیاز کہتے ہیں۔[1]

یہ ختم گیارہویں پیر صاحب کی ایک منت ہے۔ اس کے لیے قصور کے مولوی عبید اللہ صاحب کے رسالہ نذر اولیاء کا مسئلہ ملاحظہ ہو آپ لکھتے ہیں:

سرکار بغداد کی نذریں ٹالی جاتی نہیں۔[2]

اب آپ ہی انصاف کریں یہ گیارہویں کا ختم کیا محض ایصالِ ثواب ہے یا یہ حضرت پیر صاحب کی منت ہے کہ آپ کہیں ہماری بھینس کو نہ مار دیں اس لیے یہ نذرانہ تعظیم پیش کیا جا رہا ہے۔

---

[1] احکام شریعت صفحہ ۲ [2] نذر اولیاء صفحہ ۶

نذر کرنا قرار دینے کے معنیٰ میں بھی ہو سکتی ہے مگر نذر ماننا دینے کے معنیٰ میں نہیں ہوتا نذر ماننا ان بزرگوں کے تقرب کی خواہش اور ان سے اپنے کام نکلوانے کی ایک التجا ہے اور یہ مشکل اس کے لیے ایک نذرانہ ——— جو ان کے بگڑے کام بناتا ہے اور انہیں شرک کی دلدل میں گراتا ہے ——— ہے کوئی خوش نصیب جو اس دلدل سے نکلے اور شرک سے توبہ کرے

افسوس کہ یہ لوگ تو بتوں پر چڑھائی گئی نذروں کو بھی حلال سمجھتے ہیں انہیں کھانے سے غرض ہے اور صورت جو بھی ہو ہوتی رہے۔ اور گیارہویں میں تو بتوں کی بات نہیں حضرت پیران پیر کو تعظیماً ثواب ہدیہ کیا جاتا، گیا یہ ان کے نام کی نذریں نہیں؟ ایصال ثواب میں تعظیم کی نیت آنے سے ہی یہ عمل نذر بن جاتا ہے۔

جب ان کے ہاں کوئی نذر ممنوع نہیں تو گیارہویں شریف جسے یہ حضرت پیران پیر کی نذر مانتے ہیں ظاہر ہے کہ ان پر اس کے نذر لغیر اللہ ہونے کا کوئی الزام نہیں آتا۔ اگر یہ لوگ اپنے عوام کو مغالطہ دینے کے لیے اسے ایصال ثواب کہتے رہیں تو یہ صرف ان کی ایک مصلحت ہے لیکن اس مصلحت سے یہ نذر ایصال ثواب نہیں بن جاتی۔

شیخ سدو کے بکرے اور شاہ مدار کے مرغے

بات صرف گیارہویں کی کھیر کی نہیں نہ یہ کہ یہ ایصال ثواب نہیں یہاں بزرگوں کی تعظیماً نذر ماننا ہے۔ یہ لوگ جب شیخ سدو کے مزار پر بکرے لے جاتے ہیں تو انہیں وہاں خدا کے نام سے ذبح کرتے ہیں مگر اس میں تعظیم اور تقرب شیخ سدو کا ملحوظ ہوتا ہے گھر کی عورتیں بھی جب نذر مان لیں تو ان کے ہاں خاوند کو اس نذر کا پورا کرنا ضروری ہے۔ یہاں رہے یاد اب یہ ایصال ثواب ہوا یا نذر ماننا۔ آپ فیصلہ کریں یہ ایک حقیقت ہے کہ یہ اعمال گیارہویں کی کھیر ہو یا شیخ سدو کے بکرے، شیخ عبد الحق

کی سہ منی ہو یا شاہ مدار کے مینڈھے سب جاری ہیں۔ مگر بریلویوں نے اہل سنت میں پذیرائی پانے کے لیے اس کا نام ایصالِ ثواب بنا رکھا ہے اور اصل نیت ان کا نذر ماننا ہوتا ہے۔

مولانا احمد رضا خاں کے والد مولانا نقی علی خاں لکھتے ہیں:

> جب گھر کی بی بی نے شیخ سدو کا بکرا یا مدار صاحب کا مرغا مان لیا تو میاں کو کرنا ضرور ہے ایمان رہے یا نہ رہے۔[1]

ماننے کے لفظ پر غور کیجئے۔ یہ منت ماننا ہے یا ایصالِ ثواب کرنا آپ ہی فیصلہ کریں ہم کہیں گے تو آپ کو شکایت ہوگی کہ ہمارے رازوں سے پردہ کیوں اٹھا رہا ہے ہم کہیں گے

ـــ نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا

کیا مولانا احمد رضا خاں کے والد بھی دیوبندیوں سے ملے ہوئے تھے۔

بریلوی مولویوں کی اپنے لیے نذر جائز کرنے کی دلیل

جب ہم کہتے ہیں کہ نذر و نیاز کی دیگیں اور ختم کے کھانے اغنیاء اور مولویوں کے لیے جائز نہیں یہ خالصۃً فقراء اور مساکین و یتامیٰ کا حق ہے۔ بریلوی علماء کہتے ہیں کہ حضرت کے اس قانون سے ہم مستثنیٰ ہیں۔ نذر کا کھانا مذہبی پیشواؤں کے لیے شروع سے جائز رہا ہے۔ انجیل میں اس کی شہادت موجود ہے اور شریعت محمدی نے اسے منسوخ نہیں کیا۔ یہ عمل ہے ہمارے پاس ختم اور ایصالِ ثواب کے چالیسویں کھانے کی یہ اصل موجود ہے۔ انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ بیان حضرت داؤد کے ذکر میں موجود ہے

> وہ خدا کے گھر میں گیا اور نذر کی روٹیاں کھائیں جن کا کھانا نہ اس کو روا تھا نہ اس کے ساتھیوں کو مگر صرف کاہنوں کو۔[2]

کاہن یہودیوں کے مذہبی پیشوا تھے وہ نذر کے کھانے بے دریغ ہڑپ کرتے تھے۔ حضرت

---

[1] سرور القلوب ص ۱۶۹ [2] دیکھو متی باب ۱۲ آیت ۳ مطبوعہ ۱۹۰۶ء مشن پریس لدھیانہ

عیسیٰ علیہ السلام رہے ان کے لیے روٹیوں اور مختر کے او، رنے کو جائز نہیں کیا جب سے یہ بات ایک نادان دل سے کہی ہے جیسے آج ہم کسی کو بریلوی مولوی کس طرح عرس اور چہلموں کا حق جتاتے اور معلوم کرتے ہیں۔ اس حدیث سے اگلی آیت ملاحظہ ہو:

> تم نے تورات میں نہیں پڑھا کہ کاہن سبت کے دن ہیکل میں سبت کی بے حرمتی کرتے ہیں اور بے قصور رہتے ہیں۔

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ آپ یہ بات بطور طنز فرما رہے ہیں۔ ان میں اور آج کے بریلوی مولویوں میں فرق ہے تو سبت اور جمعرات کا —— وہ سبت کے دن ہیکل کی روٹیاں توڑتے تھے، اور یہ جمعرات کو۔

ثانیاً عیسائی پادری اگر انجیل کے اس جزئیہ سے استدلال کریں تو کر سکتے ہیں، ان کا اصل مذہب یہ ہے کہ پادری تنخواہ نہیں لیتا۔ شادی شدہ نہیں ہوتا، نہ وہ کوئی جائیداد خریدتا ہے، وہ اگر نذرانوں پر گزر اوقات کرے تو بات سمجھ میں آتی ہے۔ لیکن بریلوی مولوی تو اس حال میں نہیں ہیں ان کے لیے یہ الحلال تو سب کا کھانا اور جمعرات کا ختم کیسے حلال ہو گئے؟ فاعتبروا یا اولی الابصار

> تم نے اگر عیسائیوں کے پیچھے چلنا ہی ہے تو یہ خطرہ بھی لینا پڑے گا کہ دنیا کہے بریلویت عیسائیت کی ہی ایک نشاۃ جدیدہ ہے۔

مولانا احمد رضا خان نے تو مطلقاً یہ فیصلہ صادر فرمایا تھا: اس میں بریلویوں کے لیے انجیل کے بیان کی طرح کوئی استثناء نہیں رکھا تھا۔ تم کہاں کھو گئے۔ اس خلاف مولویت پر اپنے اعلیٰ حضرت کو بھی بھول گئے۔

ہم اس پر اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔ واللہ اعلم و علمہ اتم و احکم۔

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کی خوشی اجتماعی طور پر منانا عید میلاد النبی کہلاتا ہے عید یہاں خوشی کے معنی میں ہے۔ جیسے کوئی دوست دیر سے ملے تو ہم فقرہ کہتے ہیں کہ آج عید ہو گئی۔ عید میلاد النبی میں بھی عید اسی معنی میں ہے عید کی حقیقت شرعی اس سے مراد نہیں ہوتی جس طرح عید کے دن اجتماعی خوشی ہوتی ہے کسی خوشی کو عید بنانا اسے اجتماعی شکل میں منانا ہے۔ ولادت نبی کی اجتماعی خوشی کرنے کو عید میلاد النبی کہا جاتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کی خوشی کو اجتماعی طور پر منانا ایک ایسا عمل ہے جس کا سبب باعث اور محرکات سب عہد صحابہ میں بھی موجود تھے۔ یہ کوئی نیا مسئلہ نہیں جو آج سامنے آیا ہو۔ وہ تمام محرکات و دواعی جن پر آج عمل کی بنا رکھی جاتی ہے عہد صحابہؓ اور قرون مشہود لہا بالخیر میں بھی بتمام و کمال موجود تھے۔ لیکن کہیں کوئی اس کا ثبوت نہیں ملتا کہ صحابہ نے کبھی اس موقع پر اجتماعی خوشی کی ہو تو کیوں؟ اور نہ کبھی آپ کی اولاد حضرت سیدہ فاطمہؓ حضرت ام کلثومؓ حضرت امامہؓ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ نے ہی کبھی اپنے والد اور نانا کا یوم ولادت منایا ہو اس کا آپ کو کبھی ثبوت نہ ملے گا آخر اس کی وجہ کیا ہو سکتی ہے۔ کیا آپ نے اس پر کبھی غور کیا۔

ولادت اور وفات کا تعلق ذاتیات سے ہے۔ نکاح اور اولاد کا موضوع بھی انسان کی ذات ہوتی ہے۔ صحابہ کرامؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آئینہ ذات میں نہیں آئینہ رسالت میں دیکھتے تھے۔ آپ کی ولادت کی خوشی بھی اسی لیے ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ ورنہ محض ولادت کی خوشی تو ابولہب کو بھی ہوئی تھی جس نے آپ کی ولادت کی خبر سنتے ہی خبر دینے والی باندی آزاد

کی ولادت کی خوشی کا اہتمام خود [illegible] گئی تھی جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود دنیا میں تشریف فرما تھے۔ [illegible] وقت بھی [illegible] کہ آپ کے یوم پیدائش پر مبارکباد نہ کہی گئی تھی، نہ کبھی آپ کے سامنے آپ کے یوم پیدائش [illegible] کیا گیا تھا۔

آپ کی تاریخ پیدائش میں اگرچہ اختلاف ہے (محقق بات ۹ ربیع الاول ہے) لیکن یوم ولادت (سوموار) میں کوئی اختلاف نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے غالباً اسی حکمت سے کہ آپ کے یوم پیدائش کو کہیں کوئی شرعی تقدس نہ ملے سوموار کو ہی پہلی وحی فرمائی۔ آپ غار حرا میں تھے جب پہلی وحی آئی اور وہ سوموار کا دن تھا۔ اب اس دن کو ایک یاد نہیں دو یادوں نے گھیر لیا۔ تاہم اس دن کو کوئی شرعی حیثیت نہیں دی گئی۔ شرعی حیثیت دنوں میں سے صرف جمعہ کو حاصل ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن کا روزہ رکھا مگر کبھی صحابہؓ کو اس کی تعلیم نہ دی نہ کبھی اجتماعی طور پر اسے منانے کا حکم دیا۔ صحابہؓ نے آپ سے سن کر اسے اپنے ہاں رائج نہ کیا نہ کسی امام اور مجتہد نے اس دن کے روزے کو اجتماعی صورت دی ہے۔

حضرت ابو قتادہ الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے سوموار کے دن روزہ رکھنے کا پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا۔

ذاك يوم ولدت فيه ويوم بعثت او انزل علی فيه[1]

ترجمہ۔ اس دن میں پیدا ہوا تھا اور اسی دن میری بعثت ہوئی یا فرمایا سوموار کے دن ہی مجھ پر پہلی وحی اتری۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات بھی پوچھنے پر ارشاد فرمائی۔ صحابہؓ کو اس یوم ولادت پر نہ کسی عمل کا حکم دیا نہ روزے کا۔ اللہ رب العزت نے اسی دن آپ پر وحی کا آغاز فرمایا۔ اب کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص اس ولادت کی خوشی میں سوموار کا روزہ رکھ سکے۔ جب وہ ایسا کرے گا آپ کی بعثت کا تصور خواہ مخواہ اس پر محیط ہوگا اور دونوں کے ملنے سے بات یہاں پر کسے

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ ص ۳۶۸

مگر مسلمانوں کے لیے آپ کی ولادت کی خوشی بھی رسالت کے باعث ہے۔ وہ خوشی جو آپ کی پیدائش پر ابولہب نے کی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں آپ کی بعثت کو احسان فرمایا ہے۔ اس بعثت سے چالیس سال پہلے آپ کی ولادت ہو چکی تھی مگر اس ولادت پہ بہار اس وقت آئی جب اللہ تعالیٰ نے بطور رسول آپ کی بعثت فرمائی اور آپ اللہ تعالیٰ کے نمائندے ٹھہرے لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولا۔

آپ کی اس حیثیت کو سامنے رکھے بغیر جب آپ کی ولادت کی خوشی منائی جائے گی تو وہ ایک مطلق محبت کا اظہار تو ہو سکے گا ولادت آئینہ رسالت میں نہ دیکھی جا سکے گی۔ یہ وہ محبت ہے جو ہر کسی کی بات نہیں ابو طالب کو بھی حاصل ہوئی ہے۔

یہ بات تو واضح ہے کہ آپ کی ولادت باسعادت کی اجتماعی خوشی منانا عہد صحابہؓ اور اگلے دونوں قرنوں میں نہ تھا لیکن یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ اس کا آغاز کب ہوا۔

سب سے پہلے ملک اربل مظفر ابو سعید (م ۶۳۰ھ) نے محفل میلاد قائم کی اور اس کے بدعت ہونے سے کسی مسلمان کو انکار نہیں ہے بریلوی بھی اسے بدعت تسلیم کرتے ہیں۔ گو اس سے آگے وہ اسے حسنہ کہہ کر اپنے لیے معافی کی گنجائش پیدا کر لیتے ہیں۔

محفل میلاد کا مرکزی عمل قیام تعظیمی ہوتا ہے۔ اس کے بارے میں مولانا محمود احمد رضوی مدیر ماہنامہ رضوان صراحت سے لکھتے ہیں:-

> لوگوں کی یہ عادت جاری ہو گئی ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش مبارک کا ذکر سنا فوراً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے یہ قیام بدعت ہے جس کی کوئی اصل نہیں یعنی بدعت حسنہ ہے[1]

بھلا وہ بدعت بھی جس کی سرے سے کوئی اصل نہ ہو بدعت حسنہ ہو سکتی ہے۔ اسے آپ خود حل فرمائیں۔ تاہم مولانا محمود احمد رضوی کی یہ بات لائق تحسین ہے کہ انہوں نے سیرت حلبیہ کی

---

[1] ماہنامہ رضوان لاہور نومبر ١٩٧٦ء صفحہ

میں تسلیم کر لیا کہ یہ قیام تعظیمی بدعت ہے جس کا کوئی اصل نہیں، رہی یہ بات کہ ان کے نزدیک یہ بدعت حسنہ ہے تو اس کے جواب میں ہم اس پر اکتفا کریں گے کہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے کسی بھی بدعت حسنہ کو بھی اپنانے کی اجازت نہیں دی۔ آپ فرماتے ہیں:۔

بدعت کیا اور حسن کیا خیر کسی بدعت میں حسن نہیں دیکھتا۔ یہاں اندھیرا ہی اندھیرا ہے

اس سے پوری طرح بچنا چاہیئے۔

قیام تعظیمی تو ایک طرف رہا آپ تو خود محفل میلاد کو بھی پسند نہیں کرتے۔ اپنے مخدوم زادوں کو لکھتے ہیں:۔

بہ نظر انصاف بہ بینند کہ فرضاً حضرت ایشاں دریں اوان در دنیا مے بودند وایں مجلس واجتماع منعقد مے شد آیا بایں امر راضی مے شدند وایں اجتماع را مے پسندیدند یا نہ، یقین فقیر آں است کہ ہرگز ایں معنی را تجویز نہ فرمودند بلکہ انکار مے نمودند[1]

ترجمہ۔ انصاف سے دیکھئے اور فرض کیجئے کہ اگر حضرت والا اس وقت دنیا میں موجود ہوتے اور یہ مجالس واجتماع منعقد ہوتے تو کیا آپ اس سے راضی ہوتے؟ اور اس اجتماع کو پسند کرتے۔ مجھے یقین ہے آپ اسے ہرگز جائز نہ فرماتے بلکہ سے منکرات میں شمار کرتے۔

یہاں یہ بحث نہیں کہ حضرت مجدد ثانیؒ کے عقیدے میں حضرت والاؐ اس وقت اس دنیا میں موجود ہیں یا نہ؟ ہم یہاں صرف یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ آپ اگر یہاں ہوتے تو ان محافل و مجالس کو قطعاً پسند نہ کرتے —— رہا یہ امر کہ لوگ حضورؐ کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوں۔ آپ نے دنیا میں رہتے ہوئے کبھی اس کی اجازت نہ دی تھی۔ صحابہ کرامؓ کبھی آپ کے لیے دائرہ باندھ کر یا صف بنا کر کھڑے نہ ہوتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آپ اسے ناپسند کرتے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

---

[1] دفتر اول مکتوب ۲۷۳

لم یکن شخص احب الیہم من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکانوا اذا رأوہ لم یقوموا لما یعلمون من کراہیتہ لذلک۔[1]

ترجمہ کوئی شخص صحابہ کرامؓ کو آنحضرتؐ سے زیادہ پیارا نہ تھا لیکن جب وہ آپ کو دیکھتے تو کھڑے نہ ہوتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ حضورؐ اس قیام تعظیمی کو ناپسند کرتے ہیں۔

یہ کون سا قیام ہے جس سے صحابہؓ رکے رہتے تھے اور حضور رسالت سے اسے مکروہ جانتے تھے اور یہ وہ قیام ہے جو تسانی ہو کر حضورؐ کبھی ادھر سے آنکلے اور یہ ادب سے اٹھ کھڑے ہوں۔ حضورؐ سامنے ہوں اور یہ قیام آپ کے سامنے ہو —— جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس قیام تعظیمی کو بھی مکروہ جانتے تھے تو آپ اگر کہیں وہ قیام دیکھ لیتے جو آج بریلویوں میں رائج ہے تو اس سے آپ کس قدر پریشان ہوتے یہ آپ سوچیں۔

سامنے حاضری کی صورت میں قیام تو کسی خدمت کے لیے بھی ہو سکتا ہے جیسے حضرت سعد بن معاذؓ جب آئے تو چونکہ وہ زخمی تھے آپ نے صحابہؓ کو کہا قوموا الی سیدکم —— یہ قیام لخدمت تھا۔ فانزلوہ من الحمار (رواہ احمد) اس قیام کی تو کچھ سمجھ آتی ہے لیکن جب سامنے بھی کوئی تشریف فرما نہ ہوں اور یہ قیام تعظیمی صرف خیالات تصور باندھ کر ہو اور اسی تصور میں پھر نماز کی طرح ہاتھ بھی باندھ لیے جائیں تو یہ قیام اس قیام سے اور بھی وحشت ناک ہو جائے گا جسے صحابہ کرامؓ حضور رسالت میں مکروہ سمجھتے تھے۔ یہ قیام تعظیمی تو اب قیام تعبد کے قریب قریب آلگا ہے۔

پھر اس سے آگے کا تنزل اور بھی خطرناک ہے کہ اس وہم پہ جینے والا آپ کو حاضر و ناظر بھی تصور کرتا ہو۔ ورنہ اسے واجب بھی بتاتا ہو۔ مولانا عبدالسمیع رامپوری جو تحریک بدعات میں بریلویوں کے اعلیٰحضرت ہیں (جس طرح آخر میں مولانا احمد رضا خاں ان کے اعلیٰحضرت ہیں) قائلین قیام کے دہ نمبر مفتی سے نقل کرتے ہیں اور قیام کو واجب ٹھہراتے ہیں۔

---

[1] ترمذی جلد ۲ صفحہ ۱۰۰ مسند امام احمد جلد ۳ صفحہ ۱۳۲ مشکوٰۃ صفحہ ۴۰۳

یجب القیام عند ذکر ولادتہ صلی اللہ علیہ وسلم استحسنہ العلماء الاعلام وقضاۃ الدین والاسلام[1]

ترجمہ: حضورؐ کی ولادت کے ذکر کے وقت قیام کرنا واجب ہے اس واجب کو بڑے بڑے علماء نے پسند کیا ہے۔

ہم مفتی احمد یار صاحب گجراتی کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے انوار ساطعہ کے اس فقرے کی کھلے طور پر تردید فرما دی۔ لیکن افسوس کہ جھوٹ بول کر — کہ وجوب قیام کا فتوے اب تک ان کے کسی عالم نے نہیں دیا۔ دیکھئے کیا یہ کھلا جھوٹ نہیں؟ مفتی صاحب موصوف لکھتے ہیں:

یہ مسلمانوں پر محض بہتان ہے کہ وہ قیام میلاد کو واجب سمجھتے ہیں نہ کسی عالم دین نے لکھا ہے کہ قیام واجب ہے۔[2]

جب میلاد شریف قیام کے بغیر بھی ہو جاتا ہے تو آج قیام تعظیمی محفل میلاد کا رکن اعظم کیوں بن گیا ہے؟ بریلوی علماء اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ دوسرے عقیدے کے لوگ اگر کسی مشترک اجتماع میں آ نکلیں اور وہاں حضورؐ کی ولادت کا بیان ہو تو انہیں مجلس سے نکالنے کے لیے یہ قیام واجب ہو جاتا ہے کہ وہ تو اس بدعت میں شامل ہونے سے معذور ہوں گے یا بیٹھے رہیں گے یا چلے جائیں گے پہلی صورت میں وہ تارک واجب ہوں گے اور دوسری صورت میں وہ آسانی سے دور و سلام کے منکر قرار دیئے جا سکیں گے۔ بس یہ ایک ضرورت ہے اور اس صورت میں قیام واجب ہو جاتا ہے سو یہ قیام تعظیمی نہ ہوا قیام تفرقہ ہوا جس کا مقصد مسلمانوں کے ایک دوسرے طبقے کو مجلس سے اٹھانا یا تفرقہ پیدا کرنا ہوتا ہے۔ بہرحال اس میں شک نہیں کہ ان کے ہاں ایک صورت میں یہ قیام واجب بھی ہے اور مفتی احمد یار صاحب نے مذکورہ بالا عبارت میں جو اس کا انکار کیا ہے وہ درست نہیں ہے۔

مجلس میلاد میں بوقت صلوٰۃ و سلام قیام کرنا مستحب و مستحسن ہے اور ایک صورت میں واجب ہے۔[3]

۱۔ انوار ساطعہ ص ۲۶۳ ۲۔ جاء الحق ص ۲۵۲ ۳۔ جامع الفتاوی جلد ص ۲۴۹

قیام بوقت صلوٰۃ وسلام ہے یا بوقت ذکر ولادت۔ اسے فقط نظام الدین ملتانی کے قول سے
ہی معلوم ہوتا ہے ان کی زیادہ تر توجہ صرف اس صورت پر تھی جس میں یہ قیام واجب ہو جاتا ہے اور
تفرقے کی کوئی صورت نکل ہی آتی ہے۔

بریلوی علماء کا جب اصل مقصد ہی تفرقہ اور اہل السنۃ والجماعۃ کی باہمی تفریق ہے تو کیا وہ
یہ اپنا مقصد کسی اور طریق سے حاصل نہیں کر سکتے۔ اپنے اس مذموم مقصد کے لیے حضور کے نام کو استعمال
کرنا کون سا ایمان اور کس قسم کی تعظیم شان رسالت ہے یہ آپ سوچیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک کو تفرقہ بین المسلمین کے مقصد کے لیے استعمال
کرنا اور وہ چیز جو شرعاً واجب نہ تھی اسے اس لیے واجب کرنا کہ بیٹھ کر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کے
قائلین (جیسا کہ نماز میں بیٹھ کر صلوٰۃ وسلام پڑھا جاتا ہے) مجلس سے نکل جائیں۔ یہ ایسی مذموم
حرکت ہے کہ اس کے مجوز بریلوی علماء شاید ہی اس باب میں اللہ کے حضور کوئی عذر پیش کر سکیں۔

ملک اربل کے محفل میلاد مقرر کرنے پر علماء کا ردعمل

ملک اربل کا اصل مقصد علماء کرام کو ائمہ مجتہدین کی پیروی سے ہٹانا اور خود نئے نئے اجتہادات
کا خوگر کرنا تھا جب وہ قرآن و حدیث سے آزادانہ اجتہاد اور استنباط کریں گے تو پھر کون سی بات
ہے جو ثابت نہ ہو سکے اور کون سی بات ہے جو رد نہ ہو سکے ——— اصول فقہ کی جب پیروی نہیں
تو اب جو مسئلہ چاہو قرآن و حدیث کے نام سے چلا دو۔ کیا مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی پوری
سیاسی گاڑی اسی راہ سے نہیں چلائی ——— یاد رکھیے اگر کوئی چیز اس بے دینی راہ روی سے
روک سکتی ہے تو وہ ائمہ سلف کی پیروی ہے اور ملک اربل اس کا مخالف تھا۔

ملک اربل کے یہاں پر وہ جو غیر مقلد عالم اس فتنے کو ہوا دے رہا تھا وہ عمر بن دحیہ ابوالخطاب
(٦٣٣ھ) تھا۔ اس کا مسلک حافظ ابن حجر (٨٥٢ھ) کی زبان سے سنیے:-

كثير الوقيعة في الائمة وفي السلف من العلماء خبيث اللسان احمق

22
6

جائز ہے بلکہ سنت رسول ہے۔

حضورؐ کے سوموار کے روزے میں تو یوم بعثت کا بھی ذکر ہے معلوم نہیں اہلحدیث حضرات نے یہ یوم پیدائش کا روزہ اور وہ بھی بہ نیت شکرانہ یہ کہاں سے نکال لیا ہے۔

ہم نہ یوم پیدائش پر شکرانے کی نماز کی تائید کرتے ہیں نہ روزے کی۔ اگر یہ کوئی لائق عمل بات ہوتی تو کیا صحابہ کرامؓ اس پر عمل پیرا نہ ہوتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم پیدائش کو اجتماعی طور پر منانے کی طرح مظفر الدین ملک اربل نے اپنے وقت کے غیر مقلد عالم عمر بن دحیہ ابو الخطاب کے فتوے سے ڈالی تھی ـــ علمائے اہلسنت نے حنفی ہوں یا حنبلی، مالکی ہوں یا شافعی کسی نے اس اجتماعی خوشی کو شرعی تقدس نہیں دیا نہ اس باب میں صحابہؓ کا کوئی خاص عمل منقول ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یوم پیدائش پیر کا دن ہے جو ہر ہفتے آتا ہے معلوم نہیں بریلوی حضرات اس یوم پیدائش کو ۱۲ ربیع الاول پر کیسے لے آئے اور افسوس ہے کہ اہلحدیث حضرات نے آپ کے یوم پیدائش کا روزہ رکھنے کو ۱۲ ربیع الاول کی سمت میں کیسے سیٹ کر دیا۔ اگر ان کے علماء آپ کے یوم پیدائش پر شکرانے کا روزہ رکھتے ہیں تو انہیں اس بات کی وضاحت کر دینی چاہیئے تھی کہ ہم سوموار کے دن حضورؐ کی پیدائش کے شکرانہ میں روزہ رکھتے ہیں نہ کہ ربیع الاول کے کسی خاص دن جب حضورؐ اس دنیا میں تشریف لائے تھے۔

علمائے دیوبند کے ہاں صرف ذکر ولادت مندوب ہے اور وہ بھی کسی خاص دن سے مخصوص نہیں۔ محفل میلاد اور چیز ہے اور ذکر ولادت باتخصیص وقت و دن اور چیز ـــ لوگ اس امر مندوب پر جتنی قیدیں بڑھاتے جائیں گے اس عمل میں کراہت آتی جائے گی۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (۱۳۲۳ھ) کہتے ہیں:۔

نفس ذکر ولادت مندوب ہے اور اس میں کراہت قیود کے سبب سے آتی ہے۔[۱]

ملک اربل نے غیر مقلد علماء کی ذکاوت پر جو محفل میلاد ترتیب دی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم

---

[۱] فتاویٰ رشیدیہ جلد ۱ صفحہ

کے یوم پیدائش کو اجتماعی طور پر منانے کی طرح ڈالی، علامہ نصیر الدین شافعی، علامہ ابن امیر الحاج مالکی، حافظ ابن تیمیہ حنبلی (٧٢٨ھ) اور حضرت مجدد الف ثانی حنفی (١٠٣٤ھ) نے اپنے اپنے وقت میں اس کی پرزور تردید کی اور بدعت کے سیلاب کے آگے ہر طرف سے روک کے پل باندھے۔ علامہ ابن امیر الحاج مالکی لکھتے ہیں:-

ومن جملة ما احدثوه من البدع مع اعتقادهم ان ذلك من اکبر العبادات واظهار الشعائر ما يفعلونه فی الشهر الربيع الاول من المولد وقد احتوی ذلك علی بدع ومحرمات ...... لان ذلك زيادة فی الدين وليس من عمل السلف الماضين[1]

ترجمہ: ان بدعات میں سے جو لوگوں نے اس اعتقاد سے قائم کر رکھی ہیں کہ یہ بڑی عبادات میں اور شعائر اسلام کا اظہار ہیں وہ عمل بھی ہے جو یہ ربیع الاول میں آپ کی پیدائش پر کرتے ہیں اور اب یہ کام بہت سی بدعات اور منکرات پر مشتمل ہو گیا ہے...... یہ سب دین میں زیادتی ہے اور اس پر سلف صالحین کا عمل ثابت نہیں۔

کسی عمل کا تنہا جائز ہونا اور کنارہ آخر اور تق گمان بھی پیدا ہو کہ یہ کام بدعت ہے یا سنت۔ تو علماء احناف نے اس کے چھوڑنے کا ہی حکم دیا ہے۔

علامہ ابن نجیم (٩٧٠ھ) لکھتے ہیں:-

ويلزم ان ما تردد بين بدعة وواجب احتياطاً فی ان ماله يترك كالسنة[2]

ترجمہ: اور جو چیز بدعت ہونے اور سنت ہونے میں زیر بحث ہو اسے چھوڑ دیا جائے۔

اور علامہ شامی (١٢٥٢ھ) لکھتے ہیں:-

---

[1] مدخل جلد ۱ صفحہ ۸۵ [2] البحر الرائق جلد ۲ صفحہ ۱۶۵

لذا تردد الحکم بین سنۃ وبدعۃ کان ترک السنۃ راجحاً علی فعل البدعۃ

ترجمہ جب کوئی مسئلہ سنت اور بدعت میں اٹکا ہو تو اس سنت کو چھوڑنا بدعت کا خطرہ لینے سے بہتر ہے۔

علامہ شامی کا یہ فیصلہ آپ کے سامنے ہے احناف ہمیشہ اسی اصول پر چلے ہیں۔ اور اہل بدعت نے ہمیشہ یہ کہہ کر بدعات کے لیے راہ ہموار کی کہ اس میں حرج کیا ہے۔ ہم اسے کوئی دین کا حکم نہیں سمجھتے۔

ہندوستان میں ربیع الاول کے جلسے

انگریزوں کے ہندوستان آنے پر یہاں کے مذہب کی عجب حالت تھی۔ انگریز اپنی ضروریات کے تحت دین میں ترامیم لانے کے ضرورت مند تھے۔ ہندوؤں کو مسلمانوں کے خلاف شدھی اور سنگٹھن کی تحریکوں پر لایا جارہا تھا اور عیسائی اپنے سکولوں ہسپتالوں اور گرجوں میں کرسمس کی جھنڈیاں لگاتے تھے۔ ان حالات میں مسلمانوں کے لیے وقت کا تقاضا تھا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان و سیرت اور صداقت و رسالت پر جلسے شروع کریں۔ اس جلسوں میں اس بات کا پورا دھیان رکھا جاتا تھا کہ ان جلسوں کا موضوع محض ولادت نہیں صداقت رسالت ہو تاکہ مسلمان عیسائیوں کی کرسمس اور ہندوؤں کی جنم اشٹمی سے کسی مشابہت اور متابعت کا خطرہ مول نہ لیں اور یہ بھی ایک وقتی ضرورت تھی۔

مفتی اقلیم ہند حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب محدث دہلوی نے اس موقع پر ان جلسوں کی عام اجازت دے دی۔ آپ نے کہا:

تاریخ کا یہ تعین کسی شرعی پہلو سے نہیں ایک انتظامی امر ہے جیسے پر بجاب کے قریہ تقریب بدعت نہیں بنتی۔ اس تاریخ پر اس اجتماع کا ہونا دین نہیں سمجھا جائے گا اور اسے یوم ولادت کی تخصیص نہ دی جائے کسی دن کو کوئی تخصیص دینا کسی عالم یا گروہ کے اختیار میں نہیں یہ صرف شریعت ہے جو کسی عام کی تخصیص کرے

یا کسی مطلق میں تعیین لائے۔

آنحضرت کی ولادت کی تاریخی یاد

مسلمان اپنے دین کا آغاز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس بعثت کو اپنا انعام قرار دیا ہے نہ کہ آپ کی ولادت کو۔ اس سے چالیس سال پہلے ہو چکی تھی اور حضور نے اپنی قبل از بعثت کی زندگی میں بھی کبھی اپنی تاریخ نہ منائی تھی نہ عربوں میں انگریزوں کی طرح یوم پیدائش منانے کا کہیں کوئی رواج تھا۔

انگریز کرسمس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یاد میں مناتے ہیں، انہوں نے مسلمانوں کو اپنے ساتھ ملانے کے لیے خود مسلمانوں کے لیے ۱۲ ربیع الاول کی چھٹی رکھی مگر علماء اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کو محض ایک تاریخی حیثیت دیتے رہے اسے کوئی شرعی حیثیت نہ دی۔

محمدی اسلام کا آغاز آپ کی بعثت سے

کرۂ ارض کے نصیب جاگے جب اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی نوع انسان کی اپنی رہنمائی کے لیے مبعوث فرمایا۔ آپ کی بعثت مومنین کے لیے اللہ رب العزت کا ایک بہت بڑا احسان تھا (لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم پ ۴ آل عمران ۱۶۴)

آپ کی بعثت کب ہوئی؟ ولادت کے تقریباً چالیس سال بعد جب آپ حرا میں خلوت گزیں تھے اور تنہائی میں آپ کا دل لگا ہوا تھا مورخین اس کی تاریخیں مختلف بتلاتے ہیں صحابہ کرامؓ اس دن کی تعیین و تحقیق نہ کر سکے۔ اللہ تعالیٰ کو منظور تھا کہ مسلمان آپ کی بعثت کو آئندہ ہر سال نہ منائیں جن مورخین نے اس کا ذکر کیا ہے وہ ایک تاریخی حیثیت سے ہے شرعی حیثیت سے نہیں اور محدثین اسے درس و تدریس کے پیرایہ میں آگے بیان کرتے رہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت بھی ایک تاریخی واقعہ ہے اللہ رب العزت کی بہت بڑی نعمت ہے اسلام نے اسے بھی ایک شرعی حیثیت نہیں دی نہ اس دن کے لیے بطور

اظہار تشکر شریعت میں کچھ اعمال مقرر فرمائے محدثین نے سے ایک تاریخی حقیقت کے طور پر ذکر کیا ہے مسلمان ہمیشہ بلا تعیین تاریخ آپ کے ایام ولادت میں ربیع الاول یا اس سے کچھ پہلے یا کچھ بعد فرداً فرداً خوشی کا اظہار کرتے رہے ہیں صحابہؓ کے عہد میں اجتماعی طور پر اس یاد میں کوئی اجتماعی عمل اختیار نہیں کیا گیا اور اس میں بھی مورخین مختلف رہے ہیں کہ آپ کی ولادت باسعادت ربیع الاول کی کس تاریخ کو ہوئی محققین نے آپ کی تاریخ ولادت ۹ ربیع الاول بتائی ہے۔ مسلمان آپ کی ولادت اور اس وقت کے واقعات کو جتنی تاریخی عظمت دیں کم ہے لیکن شریعت میں اس دن کی یاد میں کوئی اجتماعی عمل نہیں رکھا گیا نہ خلفائے راشدینؓ نے کبھی اس دن کی کبھی تعیین کی تھی۔ یہ حقیقت ہے کہ اس دن کی طرح انسان پر اللہ رب العزت کا اتنا بڑا احسان ہوا کہ ہم سوچ بھی نہیں سکتے۔

اسی طرح انبیاء سابقین کی دنیا میں تشریف آوری اور ان کے کارنامے اسلام کا عظیم تاریخی سرمایہ ہیں لیکن شریعت محمدی میں ان دنوں کی یاد میں کوئی اعمال طے نہیں کیے گئے۔ تاریخ کے یہ عظیم واقعے کو سالانہ شرعی آداب دینا دین فطرت میں کسی طرح ممکن نہ تھا

قرآن کریم نے ان تاریخی واقعات کو تذکیر کا سامان ضرور دیا ہے تقریب کا نہیں قرآن کریم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا گیا۔

ولقد ارسلنا موسیٰ بآیٰتنا ان اخرج قومک من الظلمٰت الی النور وذکرھم بایّٰم اللہ۔ (پ ۱۳ ابراہیم ۵)

ترجمہ: اور بے شک ہم نے موسیٰ کو اپنے نشان دے کر بھیجا کہ نکال اپنی قوم کو اندھیروں سے اجالے میں اور یاد دلا ان کو ایام اللہ۔

یعنی ان دنوں کے واقعات یاد دلا جب ان پر شدائد و مصائب کے پہاڑ ٹوٹے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو ان سے رہائی نصیب فرمائی۔ یہ خدا کی قدرت کے نشان ہیں دیکھو وہ کس طرح دنوں کو دنوں سے بدلتا ہے تلک الایام نداولھا بین الناس۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے پانچ علوم قرآن میں پچھلے تین علوم ان عنوانوں سے ذکر فرمائے ہیں:۔

۳۔ تذکیر بآلاء اللہ ۴۔ تذکیر بایام اللہ ۵۔ تذکیر بمابعد الموت

سو مسلمانوں میں ہم ایام گذشتہ کا بیان بطور تذکیر ہوتا رہا بطور تقریب کہ شریعت نے ان دنوں کے کچھ اعمال مقرر فرمائے ہوں اور صحابہ کرامؓ نے ان تواریخ کو تاریخی اہمیت دی ہو لیکن ان دنوں کی کبھی تقریبات نہ کی تھیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریفہ اور ولادت کے وقت ظاہر ہونے والے ارہاصات اور واقعات کو اگر تاریخی حیثیت سے بیان کیا جائے اور ان میں کسی تاریخ کا تعین شرعی حیثیت سے نہ ہو صرف اتفاقی طور پر بے تکلف ہو اور اس میں صرف ذکر ولادت نہیں آپ کی بعثت اور پھر سیرت کا بیان بھی ہو جائے تو اس میں کوئی شرعی گرفت نہ آئے گی ربیع الاول میں یا اس سے کچھ پہلے یا کچھ بعد ایسے جلسے ہوتے رہیں تو اس سے ربیع الاول کی کچھ تخصیص بھی لازم نہ آئے گی۔

ربیع الاول کا مہینہ آتا ہے تو مسلمانوں میں اس کی تاریخی حیثیت خود بخود تازہ ہو جاتی ہے ان ایام مولد میں مسلمان اگر آپ کی ولادت، بعثت، معجزات اور سیرت کا عام ذکر کریں کسی دن کی شرعی تعیین نہ سمجھیں تو اس میں اہل سنت کا اہل بدعت سے کوئی اختلاف نہیں۔ اختلافات ان بدعات اور شرکیہ عقائد کی وجہ سے ہیں جو ان اہل بدعت نے اپنی مروجہ محفل میلاد میں داخل کر رکھے ہیں اکابر علمائے اہل سنت نے حضورؐ کے ذکر ولادت کو ہمیشہ مستحسن قرار دیا ہے۔

علمائے اہل سنت کے ہاں حضورؐ کی ولادت کا ذکر

① حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ لکھتے ہیں:۔

نفس ذکر میلاد فخر عالم علیہ السلام کو کوئی منع نہیں کرتا بلکہ ذکر ولادت آپ کا مثل دیگر سیر و حالات کے مندوب ہے

ذکر ولادت فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم مستحسن ہے۔ ص۱۲۲

(۲) نفس ذکر وہ سب کے نزدیک مندوب ہے۔ ص۱۲۴

معاذ اللہ فخر عالم کے ذکر ولادت کو کوئی برا نہیں جانتا ہے منا کیر کو برا جانتے ہیں۔ ص۱۲۶

(۴) حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں۔

وہ محفل میلاد جس میں قیود مروجہ متعارفہ میں سے کوئی قید نہ ہو نہ قید مباح نہ قید مکروہ نہ قیود سے مطلق ہو مثلاً کچھ لوگ اتفاقاً جمع ہو گئے کسی نے ان کو اہتمام سے نہیں بلایا کسی اور ضرورت سے آ گئے تھے اس مجمع میں خواہ کتاب سے یا زبانی حضور پُرنور سرور عالم فخر آدم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات شریفہ (ولادت کے وقت ظاہر ہونے والے معجزات وغیرہ) اور دیگر اخلاق و شمائل و معجزات و فضائل جناب کے صحیح صحیح روایات سے بیان کیے گئے اور اثنا بیان میں اگر ضرورت امر بالمعروف و بیان احکام کی دیکھی جاوے تو اس سے بھی دریغ نہ کیا گیا یا بقصد اجتماع، استماع وعظ و احکام (وعظ سننے کے لیے) اور اس کے ضمن میں ان واقعات (تاریخ شریفہ ولادت باسعادت کے واقعات) و فضائل کا بیان بھی آ گیا یہ وہ صورت کہ ما نکیر (انکار) جائز بلکہ مستحب و سنت ہے۔[۱]

خاص یوم ولادت کی بجائے ایام مروجہ میں عیسائیوں کے ولادت مسیح منانے (کرسمس منانے) سے بھی مشابہت نہیں رہتی۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے والد محترم شاہ عبدالرحیم صاحبؒ نقشبندی سلسلے کے ایک بڑے بزرگ تھے آپ یوم ولادت کی بجائے ایام مروجہ میں کبھی کبھی ایسا کرتے کہ لوگوں میں کچھ کھانا اور مٹھائی

۲ مثلاً یہ کہ فلاں جگہ فلاں صاحب کا وعظ ہوگا ... احکام دین کی باتیں ہوں گی۔

۱ اصلاح الرسوم ص

وغیرہ تقسیم کرتے اور اس کا ایصالِ ثواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح عالی کے لیے ہوتا۔ جتنے بڑے بزرگ کا خاص یوم ولادت کی تعیین نہ کرنا اور ایام مولد کے عنوان سے اسے عام رکھنا بتلاتا ہے کہ وہ کس قدر محتاط تھے۔ آپ اپنی کتاب الدر الثمین میں بائیسویں حدیث میں لکھتے ہیں :۔

اخبرنی سیدی الوالد قال کنت اصنع فی ایام المولد طعاماً صلۃً بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم ..... فقسمتہ بین الناس۔ [۱]

ترجمہ۔ مجھے میرے آقا والد محترم نے بتایا کہ میں ایام مولد میں کھانا بناتا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ایصال کے لیے ... پھر میں اسے لوگوں میں تقسیم کر دیتا

یہ اظہار خوشی مسجد میں نہیں نہ اس کام کے لیے کوئی مجلس سجتی۔ شیخ کا عمل شریعت میں حجت نہیں اور نہ ہی دیکھا گیا کہ حضرت شاہ ولی اللہ نے خود کبھی یہ عمل کیا ہو۔ کھانے کا ایصال ثواب اپنی جگہ جائز ہے بشرطیکہ اس کے ساتھ بدعات کی آمیزش نہ ہو۔ حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ لکھتے ہیں :۔

ایصالِ ثواب طعام وقرآت باموات کو کسی نے منع نہیں کیا۔ اس باب میں جو منع ہے تو اس طرح و ہیئت سے ایصال کو منع کرتے ہیں جس میں تشبہ کفار لازم آجاوے یا تقیید مطلق کی آجاوے [۲]

حضرت شاہ ولی اللہؒ ایک دفعہ اتفاقی طور پر خاص آپ کے یوم ولادت میں (مثلاً ۱۲ ربیع الاول کو) آپ کے مکان ولادت (مکہ مکرمہ میں آپ کے مکان) پر جا نکلے اور وہاں مشاہدہ کیا کہ بڑے عجیب و غریب انوار اتر رہے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں :۔

فتاملت تلک الانوار فوجدتھا من قبل الملٰئکۃ الموکلین بامثال ھذا المشاھد وبامثال ھذہ المجالس ورایت یخالط انوار الملٰئکۃ انوار الرحمۃ۔ [۳]

---

[۱] الدر الثمین ص۴۰ [۲] براہین قاطعہ ص۴۸ [۳] فیوض الحرمین ص۲۷

ترجمہ: میں نے ان انوار پر غور کیا میں نے دیکھا کہ وہ ان فرشتوں کی طرف سے
آرہے ہیں جو ایسے مقامات پر اور ایسی مجالس پر موکل ہیں اور میں نے دیکھا
فرشتوں کے اور انوار رحمت آپس میں مل رہے ہیں۔

کیا وہ انوار اسی دن اتر رہے تھے؟ نہیں ایسے مشاہد زیارت گاہوں پر) فرشتے یا انوار ایسے دن رات حاضر رہتے ہیں اور ان کی یہ مجالس ہمیشہ کے لیے ہیں ان کے سپرد یہی حاضری ہے وہ اس کام کے لیے مکلفین میں سے ہیں۔ پھر ان انوار ملک سے انوار رحمت الٰہیہ ملتے ہیں اور وہاں دن رات یہ سماں بندھا ہے کاش کوئی دیکھنے والی آنکھ ہو۔

بریلویوں کا یہ کہنا کہ وہ انوار صرف اسی دن اترے تھے جس دن شاہ صاحب نے انہیں دیکھا اس لیے ہم میلاد کی مجلسیں میلاد کے دن کرتے ہیں صحیح نہیں۔ شاہ صاحب نے یہ کہیں نہیں کہا کہ وہ انوار صرف اسی دن اترے تھے۔ اس طرح تو بریلوی یہ بھی کہہ دیں گے کہ روضہ انور پر بھی وہ انوار صرف وفات کے دن اترے ہیں اس لیے وہ بارہ وفات مناتے ہیں۔ [illegible] اللہ تعالیٰ نے زمین پر سیاح فرشتوں کا بھی ایک سلسلہ قائم کر رکھا ہے جو امتیوں کا درود وسلام لے کر دن رات روضہ انور پر حاضری دیتے ہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ بھی خاص یوم ولادت کی بجائے پورے شہر ربیع الاول میں کچھ ایسی محفلوں کے منعقد ہونے کا ذکر کر گئے ہیں۔ یہ کون لوگ تھے جو ایسا کرتے تھے۔ یہ عام اہل اسلام کا تذکرہ ہے معلوم ہوتا ہے اس وقت میلاد النبیؐ کے کسی خاص دن کی تعیین نہ تھی۔ تاہم حضرت شیخ نے ان بدعات کا سختی سے نوٹس لیا ہے جو اہل بدعت نے ان محفلوں میں قائم کر رکھی تھیں آپ لکھتے ہیں:۔

ولا یزال اهل الاسلام یحتفلون بشهر مولده صلی الله علیه وسلم ... ولقد
اطنب ابن الحاج فی المدخل فی الانکار علی ما احدثه الناس من البدع

والاھواء والغناء بالآلات المحرمۃ عند عمل مولدہ الشریف فاللہ تعالیٰ یثیبہ علی قصدہ الجمیل ویسلک بنا سبیل السنۃ فانہ حسبنا ونعم الوکیل۔ ؎

ترجمہ:

اور اہل اسلام ربیع الاول میں ایسی محفلیں کرتے چلے آرہے ہیں اور علامہ ابن امیر الحاج نے المدخل میں بڑی تفصیل سے ان بدعات کا رد کیا ہے جو لوگوں نے ان میں پیدا کرلی ہیں وہ خواہشات کے مرتکب ہوتے اور حرام کردہ آلات سے حضور کے عمل ولادت پر گانے لگے ہیں۔ اللہ تعالیٰ علامہ ابن امیر الحاج کو اپنے اس قصد پر اجر جمیل عطا فرمائے اور ہمیں سبیل سنت پر چلائے کہ وہ ہمیں کافی ہے اور بہت اچھا کارساز ہے۔

حضرت شیخ نے جو یہ کہا ہے کہ لوگ ہمیشہ سے یہ محفلیں منعقد کرتے چلے آرہے ہیں اس سے ان کی مراد ساتویں صدی سے ہے کہ (جب ان محافل کی ابتدا ہوئی تھی) ان کے اپنے دور کی بات ہے یہ نہیں کہ قرون ثلثہ مشہود لہا بالخیر میں بھی یہ محفلیں ہوتی تھیں۔ پھر جب یہ محفلیں قائم ہوئیں تو بہت کم محافل ایسی ہوں گی جن میں یہ بدعات اور خرافات نہ آگھسی ہوں تاہم علمائے حق کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے کہ وہ ہمیشہ ان بدعات پر انکار کرتے رہتے ہیں۔

علامہ امیر ابن الحاج مالکی (ھ) کا انکار علی البدعات

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے علامہ امیر ابن الحاج کے انکار علی البدعات کی بہت تعریف فرمائی ہے اور انہیں دعائیں دی ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ان کی بھی ایک عبارت ہدیہ قارئین کردیں۔ آپ لکھتے ہیں:-

؎ ما ثبت بالسنۃ ص ۸۲

من جملۃ ما احدثوہ من البدع مع اعتقادھم ان ذلک من اکبر العبادات

واظھار الشرائع ما یفعلونہ فی الشھر الربیع الاوّل من المولد وقد

احتوی ذلک علی بدع ومحرمات. لان ذلک زیادۃ فی الدین لیس

من عمل السلف الماضین[1]

ترجمہ: ان بدعات میں سے جو لوگوں نے اس اعتقاد سے کر رکھی ہیں کہ یہ بڑی عبادات ہیں اور شعائر اسلام کا اظہار ہیں ان میں وہ عمل بھی ہے جو یہ ربیع الاوّل میں آپ کی پیدائش پر کرتے ہیں اور اب یہ کام بہت سی بدعات اور محرمات پر مشتمل ہو گیا ہے ۔۔۔۔ یہ سب دین میں زیادتی ہے اور اس پر سلف صالحین کا عمل ثابت نہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق کی نظر میں یہ محافل میلاد کیا ہیں؛ اسے ان کی اس عبارت کے آئینہ میں دیکھیں۔

بے شک امام ابن الحاج نے اپنی کتاب مدخل میں ان بدعتوں نفسانی خواہشوں اور حرام آلات کے ساتھ گانے بجانے پر شدید انکار کیا ہے جو لوگ محفل میلاد میں کرتے ہیں۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت شیخ کے دور میں عام محافل میلاد ان بدعتوں سے پوری طرح خالی نہ تھیں آج بریلوی حضرات حضرت شیخ کے انکار کے وارث نہیں۔ وہ ان محافل میلاد کے پوری بدعت سمیت داعیہ ہو چکے ہیں

علامہ ابن حجر ہیتمی (۹۷۴ھ) حضرت شیخ (۹۵۸۔۱۰۵۲ھ) سے کچھ پہلے ہوئے ہیں آپ نے اکثر محافل میلاد کو خیرو شر کا مجموعہ بتایا ہے ظاہر ہے کہ حق و باطل کا مجموعہ باطل کے تابع ہوگا۔ مگر اسے تابع آپ لکھتے ہیں:۔

---

[1] مدخل صفحہ ۸۵

> اکثر محافل میلاد جو ہمارے ہاں رائج ہیں ان میں اچھی اور بری دونوں طرح کی باتیں پائی جاتی ہیں۔ خیر کی باتیں مثلاً صدقہ و خیرات، ذکر درود اور سلسلہ مولد حضور کی تعریف اور بری باتوں میں سے (میلاد شریف میں آنے والی) عورتوں کا اجنبی مردوں (نعت پڑھنے والوں) کی طرف دیکھنا۔[1]

علامہ ابن حجر کے دور میں کچھ ایسی محفلیں بھی تھیں جن میں کوئی عیب اور شرعی خرابیاں نہ ہوتی تھیں۔ لیکن آپ فرماتے ہیں:۔

> لیکن ایسی محفلیں بہت کم ہوتی رہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ پہلی قسم کی محفلیں (جن میں بدعات گھس چکی ہوں) ممنوع ہونا چاہئیں کیونکہ شریعت کا یہ قاعدہ بڑا مشہور ہے کہ فوائد حاصل کرنے سے نقصانات کا دور کرنا مقدم ہے لہٰذا جو شخص جانتا ہے کہ کسی محفل میلاد میں ایک بھی شرعی خرابی پائی جاتی ہے باوجود اس کے وہ اس میں شرکت کرتا ہے تو وہ خدا کی نافرمانی کرنے والا ہے اور گنہگار رہے گا۔ اگر فرض کرلیا جائے کہ اس شخص نے اس محفل میلاد میں خیر کے کام بھی کیے تو بھی یہ خیر اس شر کا تدارک نہیں کرسکتا جو اس میں پایا جاتا ہے۔[2]

محفل میلاد کا مرکزی نقطہ عمل

بریلویوں نے مجلس میلاد میں کھڑے ہوکر سلام پڑھنے کو اپنے اس عمل کا مرکزی نقطہ قرار دے رکھا ہے۔ علامہ ابن حجر کے دور میں بھی بدعتی اسے بڑے اہتمام سے عمل میں لاتے تھے۔ بدعتی عوام کے اس گناہ کا بوجھ بھی ان بدعتی مولویوں کے سر ہے جو جاہلوں میں اسے تعظیم کے نام سے فروغ دیتے ہیں اور ان کا نعت خواں اعلان کرتا ہے:۔

؎ نکل جائے مجلس سے جو بے ادب ہو

---

[1] فتاویٰ حدیثیہ صفحہ ۱۲۸ [2] ایضاً صفحہ ۱۲۹

علامہ ابن حجر اس عمل کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

وتعظيم ذلك فعل كثير عند ذكر مولده صلى الله عليه وسلم ووضع امه

له من القيام وهو ايضا بدعة لم يرد فيه شيء على ان الناس انما يفعلون

ذلك تعظيما له صلى الله عليه وسلم فالعوام معذورون لذلك بخلاف

الخواص والله سبحانه وتعالى اعلم بالصواب[1]

ترجمہ: بہت سے لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر ولادت کے وقت محفل میں
کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ بدعت ہے کیونکہ اس سلسلہ میں کوئی حدیث وغیرہ نہیں
آئی البتہ عوام معذور سمجھے جا سکتے ہیں لیکن اس کے برعکس ان کے خواص (بریلوی
مولوی) معذور نہیں ہیں (یعنی سب اٹھنے والوں کے گناہ کا بوجھ ان کے سر ہوگا)

ولادت شریفہ کی تصوری یاد

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریفہ کی تاریخی یاد اور اس کا درس و تدریس کے پیرایہ میں
ذکر محدثین اور مورخین ہمیشہ کرتے آئے ہیں لیکن اس ولادت پاس وقت کی تصوری یاد کرنا اسے
اس وقت کی حقیقت سمجھ کر اس کے تقاضے بجا لائے جائیں پوری تاریخ اہل سنت میں کہیں نہیں
ملتی۔ مولوی عبدالسمیع رامپوری پہلے شخص ہیں جنہوں نے ولادت شریفہ کی تصوری یاد اور تذکرہ
ولادت پر مقام ہو کھڑا ہونا اس عمل کی طرح ڈالی۔ مولوی صاحب موصوف نے ولادت کی اس
تصوری یاد میں جو دلائل دیے ہیں انہیں ملاحظہ فرمائیں۔

ولادت شریفہ تو کوئی امر فرضی نہیں یہ تذکرہ تو امر حسی موجود فی الخارج ہے۔
زبانوں پر اس کے الفاظ جاری کانوں میں اس کی صورت طاری اور دونوں میں اس کا ذوق
ساری ہے یا سرقت میں ... حقیقت کی طرح اگر گویا یہ واقعہ ابھی ہوا ہے تعظیم
دی جائے تو اس کی نظیریں ان شاء اللہ شرع شریف میں مل جائیں گی۔[2]

---

[1] فتاویٰ حدیثیہ صفحہ ۹ [2] انوار ساطعہ صفحہ ۲۴۳

آپ اس سے ایک منظر پہلے لکھ آئے ہیں :-

اس وقت وہ نظیریں لکھتا ہوں بی بی عائشہؓ نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کو قبل احرام باندھنے کے خوشبو لگائی تھی جب حضرت عائشہؓ نے بعد مدت اس حال کو ایک مرتبہ میں روایت کیا تو فرماتی ہیں :-

کانی انظر الی وبیص الطیب فی مفارق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو محرم ۔ (صحیح بخاری جلد ۱ ص۲۰۸)

گویا میں دیکھ رہی ہوں چمک خوشبو کی سر مبارک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں۔
یہ حدیث صحیحین میں ہے اور ابو جحیفہ فرماتے ہیں صراحتاً چھپے ہوئے تھے :۔
کانی انظر الی بریق ساقیہ گویا میں دیکھ رہا ہوں چمک نورانی پنڈلیوں کی ۔

(جامع ترمذی جلد ۱ ص۲۶)

الجواب : ان روایات میں حضرت عائشہ یا حضرت ابو جحیفہ نے جو اپنی صورت ذہنی کانی انظر سے بیان فرمائی ہے اسے انہوں نے اس وقت کا واقعہ قرار نہیں دیا تشبیہ میں مشبہ اور مشبہ الیہ میں فرق لازمی ہے یہ ذکر مشبہ ہے اور جب یہ واقع ہوا تھا وہ صورت مشبہ الیہ ہے ان حضرات نے ان دو بیانات کو اصل سے تو تشبیہ دی لیکن اس مشبہ (ذکر) سے مشبہ الیہ (اصل واقعہ) کا سا معاملہ نہ کیا نہ اس وقت ان دو نوں جھلکوں کی یاد میں کوئی عملی تعظیم اختیار فرمائی نہ تھے اور نہ سننے والوں سے تعظیمی قیام کا مطالبہ کیا۔

مولوی عبدالسمیع کی کم فہمی ہے کہ وہ اس تاریخی یاد کو حضوری یاد میں بدل کر اس تصور سے اصل کا معاملہ کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ آپ کے ذکر ولادت کو وہ تعظیم دی جانی چاہیئے جو آپ کی اصل ولادت اور قدوم موجودی کو دی جاسکتی تھی ۔مولوی صاحب لکھتے ہیں :-

ہم حضرت کے نام پر ہر جگہ کھڑے نہیں ہوتے محض وقت ذکر ولادت شریف کھڑے ہوتے ہیں ..... چونکہ حضرت کی شان عظیم ہے تو جو کچھ بادشاہ یا امیر کے

عین قدوم میں تعظیم دی جاتی ہے وہ آپ کے ذکر قدوم وجودی میں دی جاتی ہے۔[1]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ بریلویوں نے حضورؐ کی ولادت شریفہ کی تاریخی یاد کی بجائے اس کی ایک تصوری یاد کی راہ نکالی ہوئی ہے اور اس تصوری یاد سے وہ اصل ولا معاملہ کرتے ہیں اور تعظیماً فوراً کھڑے ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ حضرت ام المومنینؓ نے اور حضرت ابوحنیفہؒ نے کانی اشعلو کے الفاظ سے ان واقعات کی تصوری یاد کو اسے اس کے خارج میں واقع ہونے کا درجہ نہیں دیا نہ اس ذکر مبارک پر کوئی حسی تعظیم کا معاملہ کیا ہے۔

حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری لکھتے ہیں :۔

یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ آدمی جب کسی گذشتہ امر کو حکایت کرتا ہے تو وہ محکی عنہ ذہن میں پیش نظر ہونے کے ہو جاتا ہے تو صحابہؓ حالات فخر عالم کے بیان کرتے تھے تو وہ محکی پاک نظر میں آجاتا تھا خواہ وہ حلیہ ہوتا یا کوئی اور قصہ ہوتا اور اس کی یاد پر سرور یا رقت یا کوئی حال مناسب آتا تھا..... مگر یہ تو دیکھو کہ اس حکایت اور صورت ذہنیہ کے ساتھ معاملہ خود محکی عنہ کا ہو، ہو یہ ان دونوں راہوں سے ہرگز کچھ ثابت نہیں ہوتا۔[2]

افسوس کہ بریلوی حضرات ولادت اور ذکر ولادت کو ایک درجہ میں لئے ہوئے ہیں اور اس وقت (یعنی وقت ولادت) جو ظہور انوار ہوا اسے اس کے ذکر پر بھی مرتب مانتے ہیں۔ بیہودی صاحب لکھتے ہیں :۔

اے حضرت اگر ولادت مکرر نہیں ہوتی رسوم پتا ہے مولوی صاحب کو اس میں بھی شک ہے) ذکر ولادت باسعادت تو مکرر ہوتا ہے اور جو وقت جو ظہور انوار و برکات و عجائب حالات ہوا تھا وہ تو مکرر مذکور ہوتا ہے۔[3]

---

[1] انوار ساطعہ ص ۲۳۱ [2] براہین ص ۲۳۱ [3] انوار ساطعہ ص ۲۳۲

ذکر میں وہ انوار و برکات ماننا جو ولادت میں پیش کئے یہ کند ذہنی اور دھکا زوری نہیں تو اور کیا ہے۔

تاریخی واقعات پر شرعی اعمال کے ترتب کا مغالطہ

عن ابن عباس قال قدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم المدینۃ فرای الیہود تصوم یوم عاشوراء فقال ما ھذا قالوا ھذا یوم صالح ھذا یوم نجی اللہ بنی اسرائیل من عدوھم فصامہ موسیٰ قال فانا احق بموسیٰ منکم فصامہ وامر بصیامہ۔[1]

ترجمہ۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ آئے اور دیکھا کہ یہود یوم عاشورہ کا روزہ رکھتے ہیں آپ نے کہا یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا یہ بہت اچھا دن ہے وہ دن جب اللہ تعالیٰ کے نبی اسرائیل کو ان کے دشمن سے نجات بخشی تھی اور اس پر موسیٰ علیہ السلام نے روزہ رکھا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم سے زیادہ حضرت موسیٰ پر حق رکھتا ہوں۔ پھر آپ نے عاشورہ کا روزہ رکھا اور اس روزے کا دوسروں کو بھی حکم دیا۔

یہود عاشورہ کا روزہ اپنے قیاس سے نہیں رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس دن نجات دی اور آل فرعون کو غرق کیا تھا بلکہ ان کے عمل کی بنا اس دن حضرت موسیٰ کا روزہ رکھنا تھا کہ وہ از راہ تشکر ہو اور ظاہر ہے کہ پیغمبر کی اتباع امت کے لیے شرعی دلیل ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سالانہ اپنی ولادت کا دن اس طرح منایا۔ عاشورہ کے روزہ پر تو عمل موسیٰ کی سند موجود تھی۔ حضورؐ کی ولادت سالانہ اس طرح منانے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کون سا حکم یا عمل موجود ہے۔ افسوس کہ مولوی عبدالسمیع رامپوری نے صوم عاشورہ کی روایت سے حضورؐ کا یوم ولادت منانے پر استدلال کر لیا۔ موصوف لکھتے ہیں۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ ص ۲۶۸

کہاں فرعون کا ڈوبنا اور موسیٰ علیہ السلام کا نجات پانا اور اس کے شکریہ میں موسیٰ علیہ السلام کا روزہ رکھنا اور کہاں یہ بیچارا زمانہ کہ اب تک وہ مدینہ چلا آتا ہے۔ حالانکہ حقیقت واقعہ غرق فرعون و نجات موسیٰ تو اسی وقت میں ہوئی تھی اب وہ اصل حقیقت موجود نہیں ..... لیکن ہمیشہ تعظیم کا جاری رہنا بعد انقضاء اصل واقعہ کے نظیر یوم عاشوراء سے ثابت ہو گیا۔ [1]

یوم عاشوراء پر یہود کے دو عمل تھے:۔

۱۔ تعظیم اس دن کی کرنا۔

۲۔ اس دن روزہ رکھنا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشورہ کے روزہ کو تو باقی رکھا لیکن اپنی امت کو تعظیم یوم عاشورہ کا حکم نہ دیا۔

عن ابی موسیٰ قال کان یوم عاشوراء یوما یعظمه الیهود وتتخذه عیدا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صوموہ انتم۔ [2]

ترجمہ۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے کہ یہود یوم عاشورہ کی تعظیم کیا کرتے اور اسے عید بناتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم دیا تم بھی اس دن روزہ رکھو۔

کان اهل خیبر یصومون یوم عاشوراء یتخذونه عیدا ویلبسون نساءهم فیه حلیهم وشارتهم۔ [3]

ترجمہ اہل خیبر یوم عاشورہ کا روزہ رکھتے اسے عید بناتے اور اپنی عورتوں کو اس دن زیورات اور عمدہ لباس پہننے کا کہتے۔

کیا حضورؐ نے مسلمانوں کو بھی اس دن یہ اچھا لباس پہننے اور دن منانے کا حکم فرمایا؟

---

۱ انوار ساطعہ ص ۲۳۲ ۲ صحیح مسلم جلد ۱ ص ۳۵۹ ۳ ایضاً

اس میں یہ نہیں ہے کہ حضورؐ نے مسلمانوں کو اس دن کی تعظیم کا حکم دیا ہو یا آپ اس دن منانے میں یہود کے ساتھ شریک ہوئے۔ آپ کا اس دن روزہ رکھنا فرعون کے غرق ہونے پر بطور شکر نہ تھا بلکہ آپ پہلے سے مکہ میں بھی اس دن کا روزہ رکھتے آ رہے تھے۔ پھر جب آپ نے مدینہ میں اس کا روزہ رکھا تو اس لیے کہ یہود سے مشابہت نہ رہے۔ آپ نے نو محرم کے روزے کا بھی ارادہ کیا حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں ہے حضورؐ نے فرمایا۔

فاذا كان العام المقبل ان شاء الله صمنا اليوم التاسع رواه مسلم

ترجمہ۔ پس جو اگلا سال آئے اگر اللہ نے چاہا تو ہم نو یں محرم کا روزہ بھی رکھیں گے (تاکہ یہود سے مشابہت نہ رہے)

اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نجات موسیٰ کے تاریخی واقعہ پر اپنے کسی شرعی عمل کی بنا نہیں کی اور علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ آپ کا یہود مدینہ کو کہنا نحن احق بموسیٰ منکم بطور الزام تھا نہ یہ کہ آپ نے حضرت موسیٰ کی پیروی میں عاشوراء کا روزہ رکھا تھا موسیٰ علیہ السلام تو خود بھی اگر اس دور میں دوبارہ آ جاتے تو حضورؐ کی پیروی سے چارہ نہ تھا۔ یہود نجات موسیٰ کی یاد میں بطور شکر اس دن روزہ رکھیں اس میں اس پرانے واقعہ پر اظہار شکر ہے لیکن اس نفس عاشوراء کی تعظیم کا کوئی پہلو نہیں ہے۔

مولانا عبدالسمیع کا دوسرا مغالطہ

جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے مدینہ تشریف لائے تو مدینہ میں بخار کی بیماری تھی مشرکوں نے کہا کہ ان لوگوں کو مدینہ کے بخار نے شکست اور زار و نزار کر دیا ہے ان سے طواف بھی نہ ہو سکے گا ...... حضرت نے صحابہ کو فرمایا کہ ان مشرکوں کے سامنے طواف کے وقت رمل کرو انہوں نے رمل کیا تھی

جس طرح پہلوان لوگ وقت لڑائی کے کودتے ہوئے اور مونڈھوں کو ہلاتے
ہوئے سپاہیانہ چال چلتے ہیں اسی طرح صحابہ ان مشرکوں کے سامنے چلتے
تھے اور کفار یوں بول اٹھے یہ تو ہرن کی طرح چوکڑیاں بھرتے ہیں ..... یہ
رمل یعنی اچھل کر مونڈھے ہلا کر چلنا اس وقت تو واسطے دکھانے کفار کے
کیا گیا لیکن پھر بعد اس زمانہ کے جو حجۃ الوداع واقع ہوا اس وقت بھی وہی
قوت رفتار رمل کے طور پر وقوع میں آئی حالانکہ کوئی مشرک وہاں نہ تھا ...
اب تک بھی وہی پہلوانوں کی چال کود اچھل وقت طواف کی جاتی ہے۔[1]

الجواب: جب پہلی دفعہ طواف میں رمل کیا گیا تو اس وقت بے شک یہی علت تھی کہ کفار و مشرکین مسلمانوں کی شان و قوت دیکھ پائیں لیکن پھر جب حجۃ الوداع میں بھی حضورؐ نے اسے قائم رکھا تو مسلمانوں کے اس عمل کی بنا سنت نبوی قرار پائی نہ کہ مسلمان اب بھی اسے بطور اظہار شوکت و قوت کر رہے ہیں۔ یہ اس عمل کا صرف پہلا سبب تھا۔ آئندہ اسے جاری رکھنے کی کوئی دوسری علت بھی ہو سکتی ہے جسے حضورؐ نے بیان نہیں کیا۔ آپ نے یہ عمل رمل جاری رکھا۔ فقہاء نے تعقد ہے اس کی علت یہ معلوم کی کہ اب آپ کا ایسا کرنا بطور شکر تھا۔ یہ دوسری علت ہمیں نہ بھی معلوم ہو تو بھی ہمارے لیے اتنا کافی ہے کہ حضورؐ نے آئندہ بھی اس عمل رمل کو جاری رکھا۔ شریعت یہی ہے کہ حضورؐ سے اس کا ثبوت مل جائے ہم اس کی علت اور سبب کو پا سکیں یا نہ۔

ایک کام میں جب کئی علتیں ہو سکتی ہیں تو اگر وقت گزرنے سے اس عمل کا پہلا سبب اٹھ گیا تو اب کیا اس کا کوئی دوسرا سبب نہیں ہو سکتا تھا محدث کبیر ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں۔

لا یتغیر الاصل فی الحکم ان یزول بزوال العلۃ فانا نقول قد فعلہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد زوال المشرکین تذکر النعمۃ الامن بعد الخوف
لیشکر علیہا فہذہ علۃ اخری والحکم قد یثبت بعلل متبادلۃ۔[1]

---

[1] شرح المناسک ص

ترجمہ: یہ نہ کہا جائے اصل یہ ہے کہ حکم اپنی علت کے نہ پائے جانے پر اٹھ جاتا ہے ہم کہیں گے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مشروعیت اٹھنے پر بھی اسے اس عہد الخوف کی نعمت پر شکر کے طور پر باقی رکھا سو یہ ایک دوسری علت نظر آئی۔ سو حکم اپنی دوسری علتوں کے باعث بھی باقی رہ سکتا ہے۔

اور آپ ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

ولعل الحکمة فی بقائه تتذکر ذلک الحال والجهد علی الانتقال بعون الله الملک المتعال [1]

ترجمہ: اور ہو سکتا ہے کہ اس کے باقی رکھنے میں اس حال کی یاد اور اس جدوجہد کی یاد ہو جو اللہ کی مدد سے ان کے وہاں سے چلنے کا سبب ہوئی۔

ہمیں یہ دوسری علت تو بھی معلوم ہو اس میں کوئی حرج نہیں۔ ہمارے لیے حضرت عمرؓ کا یہ کہنا کافی ہے:

ومالنا وللرمل انما کنا راءینا به المشرکین وقد اهلکهم الله ثم قال شیء صنعه رسول الله صلی الله علیه وسلم فلا نحب ان نترکه [2]

ترجمہ: اور ہمیں اس رمل سے کیا ہم نے اسے مشرکین میں پایا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک اور برباد کر دیا۔ تاہم یہ وہ عمل ہے جو حضورؐ نے کیا سو ہم نہیں چاہتے کہ اسے ترک کر دیں۔

حضرت زید بن اسلم اپنے والد سے روایت کرتے وہ کہتے ہیں میں نے حضرت عمرؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا:

فیم الرملان والکشف المناکب وقد اعز الله الاسلام ونفی الکفر واهله ومع ذلک لا ندع شیئا کنا نفعله علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم [3]

---

[1] شرح نقایہ جلد ۱ صفحہ [illegible] طبع دیوبند [2] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۱۸ [3] شرح نقایہ ص ۱۱ بحوالہ سنن ابی داؤد وسنن ابن ماجہ

جو لوگ ذکر ولادت کے وقت تعظیماً قیام کے لیے اٹھتے ہیں یہ بدعت ہے جس کی شرع میں کوئی اصل نہیں پائی جاتی۔ کاش کہ مولوی صاحب اس پر بھی غور کر لیتے کہ تصویر کے ساتھ اصل کا تعظیمی واسطہ نہیں کیا جاتا۔ ان بدعات سے بچنے کے لیے کیا یہی صورت بہتر نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف آمد کی یاد کی جائے اور تصویری یاد سے پرہیز کی جائے اور اگر تصویری یاد کی جائے تو قیام تعظیمی سے پرہیز کرے کہ تصویری یاد سے اصل والا معاملہ نہیں کیا جاتا ہے۔

سوال: مولوی عبدالسمیع رامپوری نے انوار ساطعہ میں بدعات کی حمایت میں روایات کی بہت غلط توجیہات کی ہیں لیکن انہیں ان کے فہم رسا پر بھی تو محمول کیا جا سکتا ہے۔ سوال ذہن میں تیز تضاد پیدا کرنے کے در پے ہیں ہے کہ جس طرح مولوی احمد رضا خاں نے حسام الحرمین میں مولانا محمد قاسم نانوتوی کی تین عبارات کو ان کی کتاب تحذیر الناس کے مختلف مقامات سے لے کر ایک عبارت بنایا ہے اور انہیں ایک اپنی ترتیب دی ہے جو مولوی احمد رضا خاں کی بدنیتی کا ایک کھلا ثبوت ہے کیا مولوی عبدالسمیع بھی اسی طرح بدنیت تھے یا یہ اس کی خود ساختہ توجیہات محض اس کی کم علمی کے باعث اس سے صادر ہوئیں؟

جواب: مولانا احمد رضا خاں مولوی عبدالسمیع رامپوری کو اپنا بڑا بھائی کہتے تھے تو ظاہر ہے کہ وہ بھی اپنی جگہ کوئی نیک نیت شخص معلوم نہیں ہوتا۔ اس کی بدنیتی کی اس وقت صرف ایک مثال آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔

مولوی رشید احمد گنگوہی کے خلاف علماء کا ایک فتویٰ مطبع ہاشمی سے چھپا تھا مولوی عبدالسمیع اس کی عبارات بار بار اعتراض کے عنوان سے نقل کرتا ہے ایک اعتراض ملاحظہ ہو:

> ص۳۱ پر ایک عالم نے تحریر فرمایا ہے "یا یہ وجہ ہے کہ روح پاک علیہ السلام کی جو عالم ارواح سے عالم شہادت میں تشریف لائی اس کی تعظیم کو قیام ہے تو یہ بھی محض حماقت ہے کیونکہ اس وجہ سے قیام کرنا وقت وقوع ولادت شریفہ کے ہونا چاہیے۔ اب ہر روز کون سی ولادت [illegible] ہے [illegible]

میں کوئی تغیر نہیں کہ کوئی امر فرضی ٹھہرا کر حقیقت کا معاملہ اس کے ساتھ کیا جائے [1]

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ وہ عالم جس کی بات مولوی عبدالسمیع نے یہاں نقل کی ہے اس نے یہ بات علیٰ وجہ الالزام کہی ہے نہ کہ علیٰ وجہ الاعتراف ـــ یعنی اگر تم اس پر قیام کرتے ہو کہ حضور دنیا میں تشریف لائے تو ایسا تو صرف ولادت شریف کے وقت ہو سکتا تھا ہر ربیع الاول میں تو آپ کی ولادت نہیں ہوتی یہ ذکر ولادت پر عین ولادت کا معاملہ کیا۔

مولوی عبدالسمیع رامپوری اس عبارت کو علیٰ وجہ الالزام سے نکال کر علیٰ وجہ الاعتراف میں لے آئے اور اس پر یوں گویا ہوئے ۔

" الحمد للہ آپ کی زبان سے آتا تو نکلا کہ قیام کرنا وقت ولادت شریف کے ہونا چاہیے " [2]

اب یہ فیصلہ ہم قارئین پر چھوڑتے ہیں کہ مولوی عبدالسمیع صاحب اپنی اس عبارت میں غلط فہمی کے مرتکب ہوئے یا "بدنیتی" سے مانعین کو "قیام کرنا چاہیے" والوں کے ساتھ ملا دیتے ہیں۔

یہ بھی نہیں اب ان کے پیروکاروں نے اپنی بات چلانے کے لیے ص۲۴۴ کی اس عبارت پر لفظ ولادت کے اوپر بین السطور لفظ ذکر بھی لکھ دیا ہے اور اب عبارت یوں لگتی ہے کسی بھی توجیہ سے مانعین کی بات نہیں کہا جا سکتا۔ یہ خیانت علی الخیانت ہے مولوی احمد رضا خاں اپنے اس بڑے بھائی کی خیانت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ انہوں نے بھی تحذیر الناس کے ص۳ کی عبارت کو بھی بے محل کیا۔

مولوی عبدالسمیع نے صرف یہیں نہیں بلکہ بار بار مانعین پر اس تسلیم قیام کی تہمت رکھی ہے ص۲۴۵ کی دوسری سطر دیکھیے۔

"پس جب کہ آپ قائل ہوئے کہ وقت ولادت میں قیام ہونا چاہیے"

پھر آگے ص۲۴۶ سطر ۲ میں لکھتے ہیں :۔

---

[1] انوار ساطعہ ص۲۴۳ [2] ایضاً ص۲۴۴

بریلوی دوستوں کی یہ بات بہت مغالطہ آمیز ہے کہ وہ قیام کے حقیقی وجود سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تصور ولادت پر قیام ثابت کرتے ہیں ہم بزرگوں کی حقیقی تشریف آوری پر ان کی مدد یا عزت کے لیے قیام کرنے کو ناجائز نہیں کہتے بشرطیکہ وہ دائرہ بندھ کر نہ ہو وہ جس میں ان بزرگوں کی طرف سے کچھ اشارہ ہو کہ ہمارے آنے پر تم تعظیماً کھڑے ہو جایا کرو اگر کوئی بزرگ خود اپنے لیے اس تعظیمی قیام کا خواہش مند ہو تو وہ اپنے لیے جہنم کا سامان کر چکا۔ ان قباحتوں کے بغیر کسی دوست بزرگ یا عزیز کے آنے پر اس کی مدد یا عزت کے لیے قیام کرنا انفرادی صورت میں ہو تو اس میں ہمیں کلام نہیں ہے

علامہ خطابی (۳۸۸ھ) صاحب معالم السنن فرماتے ہیں:

ان قیام المرؤس بین یدی الرئیس الفاضل والامام العادل والمتعلم للعالم مستحب[1]

ترجمہ بے شک کسی ماتحت کا اپنے فاضل آقا اور امام عادل کے لیے کھڑا ہونا اور کسی طالب علم کا کسی عالم کے لیے کھڑا ہونا مستحب ہے۔

امام بیہقی (۴۵۸ھ) بھی کہتے ہیں:

القیام علی وجه البر والاکرام جائز کقیام الانصار لسعد وطلحة لکعب[2]

ترجمہ: جو قیام نیکی کے طور پر اور دوسرے کے اکرام کے لیے ہو جائز ہے جیسے انصار حضرت سعدؓ کے لیے کھڑے ہوئے اور حضرت طلحہؓ کعبؓ کے لیے کھڑے ہوئے

حضرت طلحہؓ کے بارے میں حضرت کعب بن مالک خود کہتے ہیں:

فقام الی طلحة بن عبید الله یهرول حتی صافحنی وهنانی[3]

ترجمہ: سو میری طرف حضرت طلحہ بن عبید اللہ کھڑے ہوئے اور دوڑتے ہوئے آئے یہاں تک کہ آپ نے مجھ سے مصافحہ کیا اور خوش آمدید کہی

---

[1] فتح الباری جلد ۱۱ ص ۴۶ [2] ایضاً ص ۴۲ [3] صحیح بخاری جلد ۲ ص

حضرت جعفرؓ بن ابی طالب جو مکہ سے حبشہ ہجرت کر گئے تھے سنہ ۷ ہجری مدینہ آئے یہ فتح خیبر کا دن تھا حضرت جابر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں۔ حضرت جعفرؓ کے آنے کی خوشی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا :-

ما ادری بایہما انا اسر بقدوم جعفر او بفتح خیبر[1]

ترجمہ۔ میں نہیں جانتا کس کام کی خوشی زیادہ کروں (۱) جعفر کے آنے کی یا (۲) خیبر کی فتح کی۔

اس سے امام نووی (۶۷۶ھ) نے آنے والے کے لیے قیام کرنے پر استدلال کیا ہے۔ حضرت علامہ عینی (۸۵۵ھ) بھی قدوم قادم پر قیام کرنے کو مستحب کہتے ہیں۔ آپ نے قیام کے چار پیرائے لکھے ہیں :-

الاول محظور وھو ان یقع لمن یرید ان یقام الیہ تکبرا وتعاظما علی القائمین الیہ والثانی مکروہ وھو ان یقع لمن لا یتکبر ولا یتعاظم علی القائمین ولکن یخشی ان یدخل نفسہ بسبب ذلک ما یحذر ولما فیہ من التشبہ بالجبابرۃ والثالث جائز وھو ان یقع علی سبیل البر والاکرام لمن لا یرید ذلک ویؤمن معہ التشبہ بالجبابرۃ۔ والرابع مندوبا وھو ان یقوم لمن قدم من سفر فرحا بقدومہ لیسلم علیہ او الی من تجددت لہ نعمۃ فیھنئہ بحصولھا او مصیبۃ فیعزیہ بسببھا۔[2]

ترجمہ۔ ابن رشد کہتا ہے قیام چار ہی پیرایوں میں ہو سکتا ہے (۱) یہ پیرایہ بالکل منع (حرام) ہے کہ قیام اس کے لیے ہو جو اپنے لیے یہ عزت چاہے تکبر کے لیے یا بڑا بننے کے لیے (۲) وہ قیام تکبر اور بڑائی وجہ نہ چاہے لیکن اندیشہ ہو کہ وہ اس میں گھر جائے گا اور اس میں بڑے جابر لوگوں سے تشبیہ

فتح الباری [illegible] عمدۃ القاری [illegible]

ہوگا یہ قیام مکروہ درجے میں ہے (۳) بطور نیکی اور اکرام کسی کے لیے قیام کیا جائے مگر وہ خود اسے نہ چاہتا ہو اور اس میں جابر حکمرانوں سے تشبہ بھی نہ ہو یہ قیام مباح ہے اور جائز درجے میں ہے (۴) چوتھا پیرایہ قیام مستحب درجے میں ہے یہ اس کے لیے ہے جو سفر سے آئے اور قیام کرنے والا اس کی آنے کی خوشی میں کھڑا ہو تاکہ اسے السلام علیکم کہے یا کسی کو کسی کام میں کامیابی ہوئی اور یہ قیام کرنے والا اسے مبارک دینے کے لیے کھڑا ہوا یا کوئی مصیبت زدہ ہے اور یہ اس کی تعزیت کے لیے کھڑا ہوا۔

اہل سنت کے ہاں قیام کے یہ چار پیرائے ہیں اور ان سب میں جن کے لیے قیام ہوا وہ حسی طور پر سامنے ہے اور یہ قیام کرنے والا بھی وہاں حسی طور پر موجود ہے۔ ان چار پیرایہ والے قیام میں کہیں کسی تصوری وجود کے لیے قیام تعظیم نہیں کیا جا رہا۔

علمائے دیوبند بھی سے جائز سمجھتے ہیں بایں طور کہ اسے ضروری نہ سمجھا جائے حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں:

واعلموا ان القیام للتوقیر رخصۃ او مستحب[1]

ترجمہ۔ اور جان لو کہ دوسرے کی عزت اور توقیر کے لیے کھڑا ہونا ماذون یا مستحب ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تصور کر کے سامنے لانا اور ایک دائرہ بنا کر آپ کے لیے قیام کرنا قیام کی اس پانچویں قسم کا صحابہؓ و تابعین اور فقہاء و محدثین کے ہاں کوئی پتہ نہیں ملتا۔ احناف کے ہاں یہ چار پیرایہ کا ہی قیام ہے اگر اس کی کچھ گنجائش ہوتی تو علامہ عینیؒ ابن رشد کی اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد اس پر پانچویں تعظیمی قیام کا ضرور اضافہ فرما دیتے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے تین پیرائے نقل کیے ہیں لیکن ان میں بھی کسی تصوری وجود کے

---

[1] فیض الباری جلد ۴ ص [illegible]

صاحب مقصود کو بنا کر قیام کرنے اور سلام پڑھنے کا ثبوت نہیں ملتا۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں :۔

والقیام منقسم الی ثلاث مراتب۔ قیام علی رأس الرجل وھو فعل الجبابرۃ وقیام الیہ عند قدومہ ولا بأس بہ۔ وقیام عند رؤیتہ وھو المتنازع فیہ۔[1]

ترجمہ۔ اور قیام کے تین مراتب ہیں (۱) کسی کے سامنے آتے ہی کھڑے ہو جانا جیسا کہ جابر تو موں کا چلا آتا ہے اور (۲) اس کے آنے پر کھڑا ہونا اس میں کوئی حرج نہیں اور (۳) اسے دیکھتے ہی کھڑے ہونا۔ اس قیام میں اختلاف ہے۔

یہ جو دیکھتے کھڑے ہو جاتا ہے یہ وہ تعظیم ہے جو اپنے ذہن میں ہی سمائی ہوتی ہے۔

قیام خامس

ایک شخص بیٹھا ہوا اور لوگ اس کے ارد گرد کھڑے ہوں جیسا کہ عجمی متکبرین اور بعض سلاطین کا طریقہ ہے یہ ممنوع اور حرام ہے۔

قیام سادس

کسی قابل تعظیم واکرام شخص کی خاطر اس کے آنے کے وقت کھڑا ہونا اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

قیام سابع

کسی کو آتا دیکھتے اس کے لیے قیام کرنا یہ نزاعی مسئلہ ہے۔

حنفیہ کے ہاں اس قیام کا کوئی وجود نہیں کہ وہ شخص ابھی سامنے بھی نہیں آیا صرف آرہا ہے اس کے لیے کھڑے ہو جانا۔ ہاں بعض شافعیوں کے ہاں اس کی گنجائش ہے لیکن سب اس پر متفق نہیں ان کے ہاں یہ ایک نزاعی مسئلہ ہے۔ علامہ سبکی صرف اس کی رویت پر قیام جائز سمجھتے ہیں۔

---

[1] فتح الباری جلد ۱۱

احناف کے ہاں ایک اور تعظیمی قیام جو جائز نہیں

قرآن پڑھتے ہوئے کوئی بزرگ یا استاد یا والد آجائیں قرآن کے لیے تعظیماً قیام نہ کرے فتاوے قاضی خاں سے نقل ہے:۔

قوم یقرؤون القرآن من المصاحف او یقرأ رجل واحد فدخل علیه واحد من الاجلة او الاشراف فقام القارئ لاجله وما سوی ذلك لا یجوز۔[1]

ترجمہ: لوگ بیٹھے مصاحف سے قرآن پڑھ رہے ہیں یا ایک شخص قرآن پڑھ رہا ہے بڑے لوگوں میں کوئی ادھر آنکلا اور پڑھنے والا اس کے اکرام میں کھڑا ہو گیا۔ یہ جائز نہیں۔

پڑھنے والے پر قرآن کی تعظیم لازم تھی اس میں اور کسی کی تعظیم کو شامل کرنا، وہ بزرگ استاد ہی کیوں نہ ہو۔ قرآن کی تعظیم میں کسی اور تعظیم کو ملانا ہے یا قرآن کی تعظیم سے ہٹ کر اس آنے والے کی عزت کرنا ہے یہ صرف ہمت ہے کہ توجہ قرآن سے ہٹا کر کسی اور پر لگا دی جائے یہ کسی طرح بھی جائز نہیں ہے۔

---

[1] فتاویٰ عالمگیری جلد ۵ ص ۳۱۱

یوم ولادت منانے کی رسم دو قوموں میں پہلے سے تھی

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد :

یہ دنیا دو بڑے حصوں میں بٹی ہے مشرق اور مغرب۔ ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش، افغانستان اور ایران مشرق کی آبادیاں ہیں۔ مراکش، یورپ اور انگلینڈ وغیرہ مغرب کی آبادیاں ہیں۔ مشرق میں ہندوؤں میں جنم اشٹمی کی رسم رائج ہے۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ کرشن کنہیا ہر سال نیا جنم لیتا ہے اور مغرب میں کرسمس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی یاد میں ایک تہوار کے طور پر منایا جاتا ہے۔ سو یوم ولادت منانے میں ہندو اور عیسائی قومیں دونوں پہلے سے چلی آرہی ہیں اور دونوں اپنے ان تہواروں کو مذہب کی صورت میں مناتی ہیں اور عید کی طرح خوشی کرتی ہیں۔

ہندو کرشن کنہیا کے جنم کی خوشی کرتے ہیں اور عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی یاد میں خوشی مناتے ہیں۔ مسلمانوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت منانے کی رسم کب سے شروع ہوئی؟ ساتویں صدی ہجری میں آپ یہ پڑھ آئے ہیں۔ یہاں ہم صرف یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ ہم اپنے اس عمل میں کہیں ان دونوں قوموں کے اجماع مرکب میں تو شامل نہیں ہو رہے۔ اس پر ہمارے بریلوی بھائیوں کو خالی الذہن ہو کر سوچنا چاہیے۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

من تشبہ بقوم فھو منھم۔[1]

ترجمہ: جو کسی قوم سے (ان کے خاص مذہبی شعار میں) تشبہ کرے وہ انہی میں سے ہے۔

بریلوی اس کے جواب میں کیا کہتے ہیں اسے بھی ملاحظہ فرمائیں۔

اگر ہندو نخواستہ مسلمان لوگ نصاریٰ کے بڑے دن کو ان کی طرح کے افعال کرنے لگتے تو چونکہ اس قوم کا یہ شعار ہے اس میں شرکت لازم آتی اور مانند ان کے ہو جاتے۔[2]

---

[1] سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۲۰۳ [2] انوار ساطعہ ص ۲۴۳

نصاریٰ کے وہ افعال کیا ہیں جو وہ کرسمس کے موقع پر کرتے ہیں ۔

① اس دن لوگ کام نہیں جاتے حکومت کی طرف سے چھٹی ہوتی ہے
② مسیحی قومیں اس دن اچھے لباس میں نکلتی ہیں۔
③ صبح گرجوں میں جاتے ہیں اور وہاں بائبل پڑھی جاتی ہے۔
④ ولادت مسیح کی خوشی کے طور پر بازاروں میں جھنڈیاں لگائی جاتی ہیں۔
⑤ رات مکانوں اور دکانوں پر چراغاں کیا جاتا ہے ۔
⑥ دوستوں کے کھانے پینے کی دعوتیں کی جاتی ہیں۔
⑦ کرسمس فادر کے نام سے چوکوں میں پتلے رکھے جاتے ہیں۔
⑧ گرجوں سے جلوس کی شکل میں نکلتے ہیں۔
⑨ اعزہ و اقارب کو کرسمس تحفے دیتے ہیں۔
⑩ شراب کی محفلیں لگتی ہیں اور مے بر سر عام پی جاتی ہے۔

بریلوی کہتے ہیں کہ ہم گیارھویں اس لیے کرتے ہیں کہ ان سے تشبہ نہ رہے وہ صرف دس میں بند ہو کر رہ گئے ہیں پھر ہم ان دس میں بھی ان سے مختلف ہیں تو ہم کس طرح نصاریٰ کے تشبہ میں آجاتے ہیں۔ ہمارے افعال اور ان کے افعال میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ وہ میلاد مسیح منانے گرجوں میں جاتے ہیں ہم میلاد النبی کی محفلیں مسجدوں میں کرتے ہیں۔ وہ بائبل پڑھتے ہیں ہم قرآن پڑھتے ہیں۔ وہ راستوں میں مسیح کی تصویریں آویزاں کرتے ہیں ہم تصویر کے سرے سے خلاف ہیں ہاں جھنڈیاں ہم ضرور لگاتے ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ میلاد مسیح یا ان کے افعال ہیں اور عید میلاد النبی پر ہمارے افعال ہیں تم کتنا فاصلہ رکھو مگر اس مسئلہ میں کہ نبیوں کی ولادت منانا ایک کار خیر ہے کیا اس میں ہم دونوں برابر نہیں۔ دوسری قوموں سے تشبہ پانے میں ان کے ہر عمل میں [illegible] ضروری نہیں کچھ رسموں میں بھی ہم ان کی راہ پر چلیں تو ہم تشبہ کے مرتکب ہو جاتے ہیں۔

آپ اس حدیث کی روشنی میں انصاف فرمائیں کہ مولانا عبدالسمیع رامپوری کا قرآن کی آیت سے یہ استدلال کرتم بھی ایسا کرو جیسا کہ یہ لوگ کرتے ہیں یہ عقیدہ کہاں تک درست ہے۔ ہمیں تو اس میں مولانا رامپوری کے جہل کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا۔ آنحضرتؐ نے تو درخت ذات انواط کے تشبہ سے یکسر روک دیا تھا۔ یہاں اس روایت کو ملاحظہ فرمائیں:-

عن ابی واقد اللیثیؓ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لما خرج الی حنین مر بشجرۃ للمشرکین یقال لہا ذات انواط یعلقون علیہا اسلحتہم قالوا یا رسول اللّٰہ اجعل لنا ذات انواط کما لہم ذات انواط فقال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم سبحان اللّٰہ ھذا کما قال قوم موسیٰ اجعل لنا الٰھًا کما لہم آلہۃ۔[1]

ترجمہ حضرت ابی واقد اللیثیؓ (٦٨ھ) سے مروی ہے
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حنین کی طرف نکلے تو آپ مشرکین کے ایک درخت کے پاس سے گزرے جسے ذات انواط کہا جاتا تھا مشرکین اس پر اپنے ہتھیار آویزاں کرتے تھے بعض صحابہؓ نے حضورؐ سے عرض کی آپ ہمارے لیے بھی ہتھیاروں کی نمائش کے لیے کوئی جگہ مقرر کردیں جیسا کہ ان کے لیے یہ درخت ہے۔ آپ نے فرمایا سبحان اللہ! اللہ پاک ہے کہ اس کے ماننے والے مشرکوں کی پیروی میں آنکلیں) یہ تو ایسی طرح ہے جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کہا تھا کہ آپ ہمارے لیے بھی کوئی معبود ٹھہرا دیں جیسا کہ ان مشرکین نے اپنے اپنے معبود ٹھہرا رکھے ہیں۔

مسند امام احمد جلد ۵ صفحہ ۲۱۸ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بیری کا درخت تھا۔ کان للکفار سدرۃ یعکفون عندھا اور مسلمانوں نے ایک دوسرے سدرہ سے گزرتے حضورؐ سے یہ گذارش کی تھی کہ ان کا موضوع صرف ہتھیار لٹکانے کی شوکت قائم کرنے کا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بھی اجازت نہ دی۔

[1] جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۴۱

ہندوستان میں انگریزوں نے ۱۲ ربیع الاول کو میلاد النبی مقرر کیا

ہندوستان میں گو ہندو صدیوں سے جنم اشٹمی مناتے تھے کرشن کنہیا کا یوم جنم ہر سال بڑے تزک و احتشام اور رونق سے مناتے لیکن مسلمان ان سے متاثر نہ ہوئے۔ انہوں نے انہیں دیکھ کر اپنے میں ایک خاص دن میلاد النبی منانے کی راہ اختیار نہ کی مفتوح قوموں کی عادتیں فاتحین کے لیے کبھی سامان جذب نہیں بنتیں لیکن فاتح اقوام کی عادات کمزور ذہنوں میں خواہ مخواہ گھس ہی جاتی ہے ہندوؤں کی جنم اشٹمی سے تو ہندوستان کے مسلمان متاثر نہ ہوئے لیکن انگریزوں کے کرسمس کی پیروی ان کے لیے چنداں معیوب نہ تھی کیونکہ یہ ایک فاتح قوم کا عمل تھا۔ انگریزوں نے میلاد النبی کی ۱۲ ربیع الاول ان کے لیے مقرر کی تا وہ عیدین کی طرح اس دن بھی خوشی منائیں انگریزوں نے اپنے حقوق خدمت میلاد النبی کی خوشی کے لیے موقوف اور اس دن ان کی چھٹی کا اعلان کرایا۔

مولانا احمد رضا خاں کے بڑے بھائی مولانا عبدالسمیع رامپوری لکھتے ہیں:۔

اس وقت میں جو حکام فرمانروا انگریز ہیں کہ ان کو کچھ علاقہ تعظیم و آداب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں باایں ہمہ انہوں نے اپنی کچہری اور محکموں میں جا بجا اہل اسلام کے لیے مثل عید الفطر و عید قربان کے ایک دن چھٹی اور تعطیل کا واسطے خوشی میلاد حضرت خیر العباد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہویں تاریخ ربیع الاول کو مقرر کر رکھا ہے۔ افسوس صد افسوس کہ انگریز حکام تو بر عہدہ داری میں اپنے حرج منظور کریں اور اپنے حقوق خدمت اور کارگزاری کو اس روز میلاد النبی کے واسطے بجا آوری مراسم فرحت و سرور و تعظیم حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے موقوف کریں اور یہ لوگ اس کے مقابل انگریزوں کی اس تحریک کے مقابل بزبان مبارک سے فرماویں کہ یہ فعل بدعت ہے۔[1]

---

[1] انوار ساطعہ صفحہ ۱

بریلویوں کو سوچنا چاہیے تھا کہ جب انگریزوں کو حضور پیغمبر اسلام کی تعظیم سے کوئی اعتقادی تعلق نہیں پھر وہ میلاد النبی کے مراسم فرحت و سرور میں کیوں اتنی دلچسپی لے رہے ہیں۔ اگر وہ سوچتے تو پا لیتے کہ ان کی خواہش ہے کہ کسی طرح مسلمان ان رسوم میں گھر جائیں جن میں نصاریٰ کرسمس پر گھرے ہوئے ہوتے ہیں۔

اس سے جہاں اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ متحدہ ہندوستان میں یہ رسم انگریزوں کی تیرہویں صدی ہجری کے آخر میں جاری کی گئی تھی، انوار ساطعہ سنہ ۱۳۰۲ ہجری میں لکھی گئی تھی۔ اس طرح یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اسے عید کی طرح منانے کا جذبہ بھی پہلے انگریزوں کے دلوں میں ابھرا تھا اور انہوں نے اس دن کی چھٹی اسی لیے مقرر کی کہ مسلمان اسی دن کو منانے میں وہ سب کام کر گزریں جو نصاریٰ کرسمس پر کرتے ہیں۔

عیسائیوں کا حضرت عیسیٰ کو ان کے ذکر کی اپنی محفلوں میں حاضر سمجھنا

یہ عقیدہ عیسائیوں کا ہے کہ ان کے ہاں جو مجلس حضرت مسیح کے نام پر منعقد کی جاتی ہے اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود تشریف لے آتے ہیں۔ انجیل متی میں ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:-

جہاں دو یا تین میرے نام پر اکٹھے ہوں وہاں میں ان کے بیچ میں ہوں گا۔[1]

بریلوی بھی اپنی محافل میلاد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح حاضر کرتے ہیں۔

اٹھو بہر تعظیم اے اہل محفل   نبی جلوہ فرما ہوا چاہتا ہے[2]

حضورؐ کے جلوہ فرما ہونے سے مراد آپ کی اس مجلس میلاد میں تشریف آوری ہے۔ پھر یہ لوگ اس تصور میں کہ حضورؐ آ گئے ہیں سب تعظیماً کھڑے ہو جاتے ہیں۔

ہندوستان کے مسلمانوں کو انگریزوں نے اس راہ پر لگایا کہ وہ ۔ جیسے نبی کا میلاد منائیں اور اس کے لیے انہوں نے ۱۲ ربیع الاول کی چھٹی سرکاری طور پر مقرر کر دی جو مسلمان ان کی باتوں میں

---

[1] انجیل متی باب ۱۸ آیت ۲۰ [2] قبالۂ بخشش ص ۹۴

آگے اس کا بھی یہ عقیدہ ہو گیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی محفل میلاد میں تشریف لاتے ہیں۔ میلاد نبی
اور میلاد مسیح میں یہ قدر مشترک ہے۔

بریلویوں کی تاریخ کو مسخ کرنے کی کوشش

بریلویوں نے اس بات پر پردہ ڈالنے کے لیے کہ انگریزوں نے خود مسلمانوں کے لیے بارہ وفات کی چھٹی مقرر کی تاکہ وہ میلاد مسیح کی طرح سالانہ میلاد النبی منائیں انہوں نے یہ چھٹی منظور کرانے کا یہ سہرا اپنے مولوی محمد نور بخش توکلی (۱۳۶۷ھ) کے سر پر باندھا اور اس کے لیے اپنے دو عالموں کی گواہی پیش کر دی۔

ان کے مولوی عبدالحکیم شرف قادری پروفیسر نور بخش توکلی کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

> آپ ہی کی مساعی جمیلہ سے متحدہ ہندوستان میں بارہ وفات کی بجائے عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے تعطیل ہونا قرار پائی تھی۔ [1]

ان کے دوسرے عالم علامہ اقبال احمد فاروقی بھی نور بخش توکلی کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

> آپ نے گورنمنٹ کے گزٹ اور سرکاری کاغذات میں بارہ وفات کو عید میلاد النبی کے نام سے تبدیل کرنے کی جدوجہد کی اور اس میں یہاں تک کامیاب ہوئے کہ گورنمنٹ نے اس مقدس دن کی تعطیل منظور کر لی آج یہی تعطیل خدا کے فضل سے مسلمانان پاکستان کی ایک بڑی تقریب میں تبدیل ہو گئی ہے۔ [2]

جناب نور بخش توکلی کی وفات ۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۷ھ مطابق ۳۰ مارچ ۱۹۴۸ء ہوئی۔ مولانا عبدالسمیع رامپوری مولانا احمد رضا خان سے بھی پہلے ہوئے ہیں۔ مولانا عبدالسمیع نے ۱۳۰۰ھ میں انوار ساطعہ لکھی اس میں صفحہ ۲ پر آپ یہ لکھ چکے ہیں کہ بارہ ربیع الاول کی تعطیل انگریزوں کی مقرر کی ہوئی ہے۔ اب اس کا سہرا پروفیسر نور بخش توکلی (۱۳۶۷ھ) کے سر پر کیسے باندھا جا سکتا ہے یہ تاریخ کو مسخ کرنے کی بڑی جرأت ہے

---

[1] تذکرہ اکابر اہل سنت ص۵۵۵ [2] مقدمہ تذکرہ سیدنا غوث اعظم

مسلمانوں کو کرشن کنہیا سے بھی وہ پہلے کی سی نفرت نہ رہی

جب مسلمانوں نے انگریزی حکومت کی تحریک پر ہندوانہ طرز اپنانا اختیار کیا تو اب انہیں ہندوؤں کی جنم اشٹمی سے بھی وہ زیادہ دور نہ رہے۔ ماجرا یہ تھا مولانا احمد رضا خاں نے اپنے پیروؤں کو ان لوگوں کے قریب کرنے کے لیے کرشن کنہیا کے سینکڑوں جگہ حاضر و ناظر ہونے کا عقیدہ اختیار کر لیا اور پھر یہ وقت بھی آیا کہ بریلویوں نے اپنے بزرگوں کے لیے بھی کئی جگہ حاضر و ناظر ہونے کا عقیدہ وضع کر لیا مولانا احمد رضا خاں ایک جگہ فرماتے ہیں :

> کرشن کنہیا کافر تھا اور ایک وقت میں کئی سو جگہ موجود ہو گیا، فتح محمد اگر چند جگہ ایک وقت میں ہو گیا کیا تعجب ہے۔[1]

ہم اس وقت یہ نہیں کہتے کہ فتح محمد کو تو چند جگہ حاضر و ناظر مانا لیکن کرشن کنہیا کو کئی سو جگہ کیوں ؟ یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ کرشن کنہیا مولانا احمد رضا خاں کے دل میں گھسا ہو۔ اس وقت آپ صرف یہ دیکھیں کہ :

کرشن کنہیا کو کافر بھی تسلیم کیا جا رہا ہے اور اسے حاضر و ناظر بھی مانا جا رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مولانا احمد رضا خاں کے نزدیک حاضر و ناظر ہونا کوئی کمال نہ تھا ان کے نزدیک یہ ایک ایسی صفت ہے جو کافروں میں بھی ہو سکتی ہے۔ اور علم غیب بھی ان کے ہاں کوئی روحانی کمال نہ تھا۔ ان کے عقیدہ میں علم غیب ایک گدھے کو بھی ہو سکتا ہے آپ نے ایک دفعہ اپنے پیروؤں کو بتایا :

> دیکھئے ایک شخص ہے اس کے پاس ایک گدھا ہے اس کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہے ایک چیز ایک شخص کی دوسرے پاس رکھ دی جاتی ہے، اس گدھے سے پوچھا جاتا ہے گدھا پوری مجلس میں دورہ کرتا ہے جس کے پاس ہوتی ہے سامنے جا کر سر ٹیک دیتا ہے بس یہ سمجھ لیجئے کہ وہ صفت جو غیر انسان کے لیے ہو سکتی

---

[1] ملفوظات حصہ اص ۱۱۹

ہے انسان کے لیے کمال نہیں اور سے جو غیر مسلم کے لیے ہو سکتی ہے مسلم کے لیے کمال نہیں یعنی کشف۔[1]

نبیوں کے کمالات کو ادنیٰ مخلوق پر قیاس کرنا بے ادبی ہے

عقائد کتاب وسنت سے ثابت کیے جاتے ہیں نہ کہ قیاسات سے۔ بریلویوں نے اپنے امتیازی عقائد جیسے انبیاء کا ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا اور کشف غیب وغیرہ کا عقیدہ انہوں نے ادنیٰ مخلوقات کی صفات پر قیاس کرنے کی وہ کوشش کی ہے کہ اسے ذکر کرتے ہر صاحب ایمان کانپ اٹھتا ہے اور ان کی گستاخی اور بے ادبی کی یہ انتہا کسی سے دیکھی اور سنی نہیں جاتی۔ مثلاً یہ بیان کہ شیطان بیک وقت مشرق و مغرب میں اپنی کارروائیاں کرتا ہے تو جب وہ ہر جگہ پہنچتا ہے تو اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہر جگہ پر نظر رکھتے ہوں تو اس سے کیا وجہ انکار ہے (استغفر اللہ العظیم) حضور کی وسعتِ نظر کو شیطان پر قیاس کرکے ثابت کرنا یہ بڑے ہی دل گردے کی بات ہے۔ مسلمان تو کبھی ایسا حوصلہ نہیں رکھتا۔ مولوی عبدالسمیع رامپوری لکھتے ہیں:۔

> دیکھو شیطان ہر جگہ موجود ہے۔ درمختار کے مسائل نماز میں لکھا ہے کہ شیطان اولادِ آدم کے ساتھ دن کو رہتا ہے اور اس کا بیٹا آدمیوں کے ساتھ رات کو رہتا ہے۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو اس بات کی قدرت دے دی ہے جس طرح ملک الموت سب جگہ موجود ہونے پر قادر کر دیا۔۔۔۔ پس اسی طرح سمجھو کہ جب سورج سب جگہ موجود ہو کر وہ چوتھے آسمان پر ہے روح نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو ساتویں آسمان پر علیین میں ہے۔ گر وہاں سے آپ کی نظر مبارک کل زمین پر یا چند مواضع و مقامات پڑ جائے اور ترشح انوار فیضان احمدی سے کل مجالس طاہرہ کو ہر طرف مثل شعاع شمسی محیط ہو جائے تو کیا محال اور کیا بعید ہے۔[2]

---

[1] ملفوظات حصہ چہارم ص۱۲ [2] انوار ساطعہ ص۵۴

اصحاب محفل میلاد تو زمین کی تمام جگہ پاک وناپاک اور مجالس مذہبی وغیرہ مذہبی میں حاضر ہونا رسول اللہ کا نہیں دعوے کرتے ملک الموت اور ابلیس کا حاضر ہونا اس سے بھی زیادہ مقامات پاک ناپاک کفر اور غیر کفر میں پایا جاتا ہے[1]

اس پر حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری لکھتے ہیں :۔

ملک الموت اور شیطان کو جو یہ وسعت علم دی اس کا حال مشاہدہ اور نصوص قطعیہ سے معلوم ہوا اب اس پر کسی افضل کو قیاس کر کے ..... ثابت کرنا کسی عاقل کا کام نہیں اور نہ عقائد کے مسائل قیاسی نہیں کہ قیاس سے ثابت ہو جائیں بلکہ قطعی ہیں قطعیات نصوص سے ثابت ہوتی ہیں[2]

اس طرح کے سے میں علم غیب مان کر پھرا سے انبیاء و اولیاء کے کمالات میں لانا بھی نبیوں اور ولیوں کی سخت بے ادبی ہوگی یہاں ہم اس وقت مسئلہ حاضر و ناظر یا علم غیب سے بحث نہیں کر رہے یہ بات ضمناً آگئی تھی. اصل بات یہاں ہم یہ کہنا چاہتے ہیں انگریزوں کی ہندوستان میں میلاد النبی منانے کی تحریک بالآخر کرشن کنہیا کو بھی مسلمانوں کے قریب لے آئی اور انہوں نے برملا کرشن کنہیا کے کئی جگہ حاضر و ناظر ہونے کا عقیدہ بنا لیا.

میلاد النبی کو جنم اشٹمی کے قریب کرنے کی ناروا حرکت

ہندوؤں کا عقیدہ ہے کرشن کنہیا کی صدیوں پہلے کی ولادت کی یاد منانے کی نہیں وہ ہر سال کرشن کا نیا جنم مانتے ہیں اور اس کو وہ جنم اشٹمی کا نام دیتے ہیں ان کے ہاں اس نئے جنم سے کچھ پہلے پہلا جنم ختم ہوتا ہے اور کرشن کنہیا دوبارہ پیدا ہو جاتا ہے. سو ضروری تھا کہ وفات اور ولادت کے لیے ایک ہی دن مقرر کیا جائے اور انہوں نے وہ کر لیا.

جاہل مسلمانوں نے ۱۲ ربیع الاول کو یہی عقیدہ دہرایا اور انہوں نے یہ نہ سوچا کہ اس عقیدہ

---

[1] انوار ساطعہ ص۵۵ [2] براہین قاطعہ ص۵۵

ولادت اور وفات کو ایک دن کرنے کی ضرورت

ہندوؤں کا جنم اشٹمی آپ جان چکے ہیں کرشن کنہیا کا یہ جنم اس کی سالانہ وفات کے متصل بعد ہونا ضروری تھا لیکن مسلمانوں کا تو یہ عقیدہ نہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات بے شک ۱۲ ربیع الاول کو ہوئی اور انگریزوں نے مسلمانوں میں یہی دن بارہ وفات منانے کا ٹھہرایا۔ معلوم نہیں میلاد النبی منانے والوں کو کیوں یہی تاریخ پسند آئی کہ انہوں نے آپ کی تاریخ ولادت بھی ۱۲ ربیع الاول مقرر کر لی اور پھر اسی کو عید میلاد النبی کا عنوان دے دیا گیا۔ اس میں ہندوؤں کی جنم اشٹمی کی پیروی کیوں ضروری سمجھی گئی؟ ہم اس وقت اس پر کچھ نہیں کہتے۔ ہاں ہم ضرور کہے دیتے ہیں کہ تاریخی طور پر حضور کی ولادت باسعادت ۱۲ ربیع الاول کو نہ تھی ۹ ربیع الاول کو ہوئی تھی۔

آنحضرت کی تاریخ ولادت ۱۲ نہیں ۹ ربیع الاول تھی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش پیر کے دن (سوموار کو) ہوئی۔ اس پر سب محدثین کا اتفاق ہے۔ آپ کی پیدائش کے سال تقویم کی رو سے ۱۲ ربیع الاول کسی طرح سوموار کا دن نہیں بنتا جمعرات کا دن بنتا ہے۔ سوموار ۹ ربیع الاول کو تھا۔ سو یہ بات صحیح نہیں کہ حضور کی پیدائش ۱۲ ربیع الاول کو ہوئی۔ ۱۲ ربیع الاول آپ کی وفات کی تاریخ تھی پیدائش ۹ ربیع الاول کو تھی۔ انگریز بارہ وفات کا لفظ آپ کی پیدائش پر ہی بولتے رہے اور یہی دن انہوں نے چھٹی کا دن ٹھہرایا ہوا تھا۔ نور بخش توکلی نے اسے بارہ وفات کہنے کی بجائے عید میلاد النبی کہنے کی طرح ڈالی اور وہ اس پر مصر رہا کہ آپ کی پیدائش ۱۲ ربیع الاول کو ہی ہوئی۔ ولادت اور وفات کو ایک دن پر لانا اس کی مسلمانوں کو ہرگز کوئی ضرورت نہ تھی۔ جنم اشٹمی منانے کے لیے یہ ہندوؤں کی ضرورت ہے کہ وہ کرشن کنہیا کے مرنے اور پھر جنم لینے کو ایک ہی دن میں لانے تاکہ وہ جنم اشٹمی کے عقیدہ کو قائم رکھ سکیں۔

حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ کی ان تصریحات کے باوجود جو بریلوی مذہبی حلقوں میں یہ غلط پراپیگنڈہ کرتے ہیں کہ علماء دیوبند ذکر ولادت فخر دو عالم کو مندوب و مستحسن نہیں مانتے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے علم اور دیانت داری سے محروم کر رکھا ہے۔ نفس ذکر تو سب کے نزدیک مندوب و مستحسن ہے۔ ہاں جو مباح و مندوب اپنی حد سے نکل کر کوئی دوسری حیثیت اختیار کرلے تو اب وہ مباح و مندوب نہ رہے گا مکروہ اور بدعت ہوگیا یہ بات اصول میں طے ہو چکی ہے کہ تعیین مطلق بدعت ہوتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اصنعوا لآل جعفر الطعام ہم سے مخفی نہیں اس کی رو سے حادثہ موت پر اہل میت کو طعام دینا اول روز مستحب تھا بسبب رسم کے مکروہ ہو گیا

سنن ابن ماجہ میں ہے :-

قال ابو عبد اللہ فما زالت سنۃ حتی کان حدیثا فترک۔[1]

ترجمہ: یہ عمل برابر سنت چلا آرہا تھا یہاں تک کہ حیثیت عمل بدل گئی اور وہ بدعت ہوگیا اور اس پر وہ متروک ٹھہرا۔

سو اب فخر دو عالم کی ولادت کو کوئی برا نہیں کہتا اکابر تو برا جانتے ہیں جن کی وجہ سے اصل مسئلہ اپنی اصل صورت میں نہیں رہا تھا۔ حافظ ابو عبد اللہ ابن ماجہ (م ۲۷۳ھ) کی اس بات کا فقہاء اور محدثین میں سے کسی نے انکار نہیں کیا۔ سو اس سے چارہ نہیں کہ ہم اس پر فقہاء و محدثین کا اجماع تسلیم کریں۔ یہ جائز کاموں کی بدعت بننے کی دوسری وجہ ہے جسے ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔ یہاں ہم مسئلہ تشبہ بیان کر رہے ہیں کہ عمل کی حیثیت نہ بھی بدلے صرف دوسری قوموں کی مشابہت لازم آرہی ہو تو بھی مسئلے کا حکم بدل جاتا ہے۔

ہندوؤں کا جنم اشٹمی اور عیسائیوں کا کرسمس دونوں ان کے مذہبی شعار ہیں

ہمیں دوسری قوموں کی مشابہت سے صرف منع نہیں کیا گیا بلکہ صراحت ان کے مذہبی شعار

۱؎ سنن ابن ماجہ صفحہ ۱۲۵

میں تشبہ ہے۔ وہ کہا گیا ہے کیونکہ یہ بے دینوں میں ایک دوسروں کی بات کو داخل کرنا ہے۔ ان کی ایک مذہبی رسم میں مشابہت کرنا ہے۔ وہ کرشن کنہیا کا جنم منائیں اور ہم اپنے نبی کے یوم ولادت پر میلے لگائیں۔

خاص ولادت کے دن ولادت کی خوشی کا التزام

اسلام کی ابتدائی چھ صدیوں میں خاص ولادت کے دن میلاد نبی کی خوشی کا اجتماعی اظہار کہیں نہیں پایا گیا۔ سو جو حضرات بھی ولادت کی خوشی کرتے تھے اسے تاریخی حقیقت کے اظہار کے طور پر کرتے تھے اور یہ چیز یہ ورس و تدریس اس کا چرچا جاری تھا۔ پھر جب اس میں قیود لگنی گئیں اور اہتمام بڑھتا گیا تو اس نے ایک تہوار کی صورت لے لی اور ہندوستان میں انگریزوں نے مسلمانوں کو اس دن چھٹی منانے پر آمادہ کیا یہاں تک کہ بعض جاہل اسے ایک تیسری عید سمجھنے لگے تب علماء حق کے لیے ضروری ہو گیا کہ ان بدلے حالات میں محض سیاست شریعت کے لیے وہ حکم شرعی جاری کریں۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری لکھتے ہیں:۔

> اس وقت کی مجالس میں کوئی امر غیر مشروع نہ ہوتا تھا اور نفس ذکر ولادت کو مستحب اور کوئی عالم منع نہیں کرتا۔ اس وقت کی محافل میں اگر کوئی امر مباح التزامی تھا اس پر تاکد کا گمان نہ تھا۔ اب جو قلوب عوام میں تاکد و وجوب سمجھ ہو تو مکروہ ہو گیا گناہ کوئی امر ہوتا ہے اور علماء کو اسی وقت اباحت موجودہ کا خیال ہوتا ہے اور مآل کاری مفسدہ پر دھیان نہیں ہوتا تو اس وقت جواز کا فتوے دیتے ہیں اور پھر آخر میں اس میں کراہت پیدا ہو جاتی ہے تو اس وقت ممنوع ہو جاتا ہے۔ پس تعامل ان لوگوں کا موجب جواز نہیں ہوتا البتہ قرون ثلثہ کا تعامل ہو جاتا ہے۔ مجتہدا خود امر منصوص مباح بھی بعض وقت بسبب اس تاکد کے مکروہ ہو جاتا ہے جیسے صلوٰۃ ضحیٰ کہ دوامی و استمرار سے

مساجد میں ادا کر لینے سے صلوٰۃ ضحیٰ مستحب کو حضرت ابن عمرؓ نے بدعت فرمایا
تو اس شیخ عبدالحق اور ابن حجر کی تحریر سے اس حالت موجودہ پر محفل مروجہ
ہرگز جائز نہیں ہو سکتی۔ گو اس وقت مباح تھی۔

کیا حضرت ابن عمرؓ کو علم نہ تھا کہ آنحضرتؐ نے نماز ضحیٰ پڑھی؟ کیا انہیں پتہ نہ تھا کہ صلوٰۃ ضحیٰ مستحب ہے؟ یقیناً پتہ تھا حضور اکرمؐ چار رکعت نماز چاشت پڑھتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اس کے اصلاً منکر نہ تھے، وصفاً منکر تھے کہ نئے حالات میں صلوٰۃ الضحیٰ اپنی اصل صورت میں قائم نہ رہی تھی۔ آپ نے اسے نئی صورت حال میں اسے بدعت کہا۔ معلوم ہوا کسی چیز کے گو وہ اصلاً ثابت ہو، نئی ہیئت در آ جانے سے بھی اس کا حکم بدل جاتا ہے۔

ساتویں صدی کے جلیل القدر محدث امام نووی شرح صحیح مسلم میں لکھتے ہیں:

وأما ما صح عن ابن عمر أنه قال في الضحى هي بدعة فمحمول على أن صلاتها في المسجد والتظاهر بها كما كانوا يفعلونه بدعة لا أن أصلها في البيوت ونحوها مذموم أو يقال قوله بدعة أي المواظبة عليها لأن النبي ﷺ لم يواظب عليها خشية أن تفرض[1]

اور جو بات حضرت ابن عمرؓ سے صحیح طور پر مروی ہے کہ آپ نے نماز چاشت کے بارے میں فرمایا کہ یہ بدعت ہے سو یہ اس پر محمول ہے کہ اسے مسجد میں اعلانیہ پڑھنے میں ادا کرنا جیسا کہ لوگ کرنے لگ گئے تھے بدعت ہے۔ یہ نہیں کہ اس کا گھروں میں پڑھنا بھی مذموم ہے یا ان کے اسے بدعت کہنے سے یہ مراد ہو سکتی ہے کہ اس پر ہمیشگی کرنا بدعت ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر مواظبت نہ فرمائی بایں خوف کہ کہیں یہ نماز بھی (آپ پر) فرض نہ ہو جائے۔

اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ من احدث فی امرنا هذا ... میں احداث سے مراد کسی چیز کا نئے سرے سے قائم کرنا ہی نہیں، کوئی چیز جو اصلاً پہلے سے قائم ہو مگر وصفاً اس میں کچھ نئی قیود

---

[1] شرح صحیح مسلم جلد ١ صفحہ ٢٤٩

آ جائیں یہاں تک کہ اس کی ہیئت بدل جائے تو یہ بھی بدعات ہے اور حدیث اس عمل کو بھی مردود ٹھہراتی ہے اور یہ بات وزن نہیں رکھتی کہ یہ عمل اپنی اصل میں جائز تھا اسے بدعت کیوں کہا جا رہا ہے۔

شیخ عبدالحقؒ کے عہد اور مولانا عبدالسمیع کے عہد میں فرق

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے عہد میں ایسے اعمال کی وجہ سے اہل السنۃ والجماعۃ میں دو جماعتوں کی کوئی تفریق نہ تھی ولادت بیان کرنے والے اور نہ بیان کرنے والے سب ایک تھے کسی کے ہاں اس عمل کو واجب اور لازم سمجھ کر نہ کیا جاتا تھا اور نہ کہیں تقیید مطلق کی گئی تھی ہر فریق اسے صرف مندوب و مستحسن جانتا تھا لیکن مولانا عبدالسمیع کے دور میں انگریز اس ملک میں آ گئے تھے اور وہ مسلمانوں میں اسی طرح میلاد النبی قائم کرنا چاہتے تھے جس طرح ان کے ہاں کرسمس (میلاد مسیح) منائی جاتی تھی۔ اب میلاد النبی اور میلاد مسیح میں تاریخ یاد نہیں تہوار منانے کی ہیئت آ چکی تھی۔ تشبہ کے گہرے سائے برابر اس پر نظر آ رہے تھے۔

پھر آج بریلویوں سے پوچھ کر دہ میلاد النبی کے دن اظہار عید کرنا اتنا ہی ضروری سمجھتے ہیں جتنا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا پیغمبر ماننا۔ اب ظاہر ہے کہ یہ یاد ولادت اب مندوب و مستحسن درجے کی افرض الفرائض کے درجہ میں آ گئی اور یہ بات اہل علم سے مخفی نہیں کہ مندوب و مستحسن پر اگر اس درجے میں اصرار کیا جائے تو اس کا کرنا مکروہ ہو جاتا ہے۔

بریلوی میلاد منانے کو کس افراط میں لے گئے ہیں

آج اگر ان مسائل کے باعث سواد اعظم دو حصوں میں بٹ گئی ہے۔ اہل بدعت اور اہل سنت تو کیا ہم بھی اس میں کوئی سفید رہ جاتا ہے کہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے عہد میں جو عمل مکروہ نہ تھا مندوب و مستحسن تھا آج ناجائز ہو گیا ہے۔ کیا حضورؐ نہیں فرما گئے کہ جو شخص کسی دوسری قوم سے

دینی شعار میں اس سے تشبہ کرے وہ انہی میں اٹھایا جائے گا۔ او کما قال النبی

بریلویوں کے قاضی فضل احمد (ھ) لکھتے ہیں:۔

پہلے زمانے میں درود شریف کرنا صرف مستحسن یا مستحب اور مسنون تھا لیکن اب اس زمانے میں اس کو ضروری تصور کر کے فرض کفایہ تحریر فرمایا ہے۔[1]

ان کے مفتی احمد یار خان گجراتی لکھتے ہیں:۔

بعض دیہات کے لوگ جمعہ میں آتے نہیں اور کسی طرح سے بلاؤ تو جمع نہیں ہوتے وہاں محفل میلاد شریف کا نام کر دو تو فوراً بڑے شوق سے جمع ہوتے ہیں خود میں نے بھی اس کا بہت تجربہ کیا ہے۔[2]

مفتی صاحب کا جب اپنا تجربہ بھی یہ ہے کہ میلاد شریف کے لیے بڑے شوق سے چلتے ہیں تو عوام کے شوق و ذوق کا آپ خود اندازہ لگا لیں اور پھر سوچیں کہ جو کام شیخ عبدالحق رح کے دور میں صرف مندوب و مستحسن تھا اب اس درجے میں فرض کیوں ہو گیا ہے اور اگر لوگوں نے اسے فرض بنا لیا ہے تو آج اس کا حکم بدلنا چاہیئے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے تو نماز چاشت کو باوجودیکہ یہ حضورؐ سے ثابت تھی محض ہیئت بدلنے پر ایک رونق پکڑنے پر بدعت ٹھہرا دیا تھا۔

یہ جو محفل میلاد میں قیام کیا جاتا ہے اسے بریلویوں نے یہاں تک بڑھایا کہ اس پر وہ کفر و سلام کے فاصلے پر پہنچ گئے ہیں۔ ان کے قاضی فضل احمد لکھتے ہیں:۔

ترک کرنا قیام کا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں استخفاف اور توہین ہے جو کفر ہے۔[3]

مولانا احمد رضا خان اور ان کے دیگر چالیس علماء نے قاضی صاحب کی اس کتاب کی تصدیق کی ہے۔

---

[1] انوار آفتاب صداقت ص۲۹۸ [2] جاء الحق ص۱۰۰ [3] انوار آفتاب صداقت ص۳۰۲

اسلام میں عیدیں صرف دو ہیں

عید الفطر اور عید الاضحیٰ

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد :

وقائع اور فرائض میں فرق

اسلام میں عبادات فرائض میں سے ہیں اور وقائع محض تاریخی یادیں۔ کسی واقعہ کو ہمیشہ کا تہوار بنانا صرف شریعت سے ہو سکتا ہے۔ اپنے جذبات سے نہیں۔ تہوار خوشی کا مظہر ہیں۔ فرائض پر عقیدہ سے پختہ ہوتے ہیں اور آخرت سنورتی ہے اور تہواروں میں قومیں نکھرتی ہیں اور قومی زندگی بنتی ہے۔ فرائض ایک ذمہ داری سمجھ کر ادا کیے جاتے ہیں اور تہوار قومی سطح پر اجتماعی خوشیوں کا اظہار ہوتے ہیں بشرطیکہ شریعت نے انہیں اجتماعیت دی ہو۔

مسلمانوں کی تاریخی نسبتیں صرف دو پیغمبروں سے قائم ہوئیں۔ ایک وہ جن کی ہم امت ہیں اور ایک وہ جن کی ہم ملت ہیں۔ حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے انتساب سے عید الفطر ہماری خوشیوں کا دن ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے انتساب سے عید الاضحیٰ ہماری خوشیوں کا دن ہے۔ مسلمان درود شریف میں ان دونوں پیغمبروں کو جمع کرتے ہیں اور دونوں سے یہی نسبت قائم رکھتے ہیں۔ ایک نسبت سے ہم ایک امت ہیں اور دوسری نسبت سے ہم ایک ملت ہیں۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ آئے تو دیکھا وہاں کے لوگ دو دن خوشی کرتے ہیں۔ آپ نے ان سے کہا۔۔

ما ھٰذان الیومان .

یہ دو دن کیا ہیں ؟

انہوں نے کہا ہم عہد جاہلیت میں ان دو موقعوں پر کھیل رکھتے اور خوشی کرتے تھے آپ نے فرمایا:

ان اللّٰہ قد ابدلکم بھما خیرا منھما یوم الاضحیٰ ویوم الفطر[1]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ان دو کے بدلے تمہیں ان سے بہتر دو دن دے دیئے ہیں۔ یوم الاضحیٰ اور یوم الفطر۔

ان دو عیدوں کے سوا مسلمانوں نے اور کسی واقعہ کو ہر سال عود کرنے والی خوشی (عید) نہیں بنایا مختلف واقعات اپنے اپنے وقت میں واقع ہوئے مگر جو شان اس تاریخی دن کی تھی جب حضورؐ پیدا ہوئے وہ ہر سال عود کرنے والی نہ مانی گئی وہ ایک ہی دن تھا جس کی کوئی نظیر نہیں، اس کی عظمت کا اختصاص صرف اسی دن سے رہا۔

وہ اوقات جن کا تقدس بار بار لوٹتا ہے

جو خوشی ہر سال لوٹے وہ عید الاضحیٰ اور عید الفطر کی رہی ان کی ابتدا ایک نماز سے ہوئی عبادت کے اوقات گردش اوقات سے بار بار آتے ہیں۔ جمعہ کا دن بھی ہر سات دن کے بعد آتا ہے اور رمضان بھی ہر سال آجاتا ہے۔ یہ دو عیدیں بھی اور حج بھی یہ سب عبادات ہیں جن کے اوقات بار بار لوٹتے ہیں مگر تاریخی وقائع ہر سال نہیں لوٹتے۔ یہ ایک ہی دفعہ واقع ہوئے ان دونوں کی عظمت ہر عام میں ہر سال آنے والے ان دنوں کو نہیں دی جاسکتی۔ حضورؐ کے یوم ولادت کی جو شان اور عظمت تھی وہ ہر سال آنے والے ہر ربیع الاول کو نہیں دی جاسکتی ہاں اس دن کا ذکر تاریخی پیرایہ میں آپ جب چاہیں ذکر کر سکتے ہیں۔

تاریخی وقائع جو ایک ہی دفعہ واقع ہوئے

① آنحضرتؐ پر جب وحی کا آغاز ہوا وہ گھڑی کتنی مبارک اور سہانی تھی جو جبریلؑ امین حضور اکرم

---

[1] ابوداؤد جلد ا صفحہ ۱۶۱

صلی اللہ علیہ وسلم کو غار حرا میں پہلی دفعہ ملے مگر مسلمانوں میں یہ یوم بعثت آئندہ کسی سال نہ منایا گیا اور اس دن کی شان کو اور کوئی دن نہ پاسکا۔

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جس رات معراج کی سیر کرائی گئی اس کے لیے کوئی دن بطور تہوار نہیں منایا گیا اور نہ اس رات کا شرف کسی اور رات کو دیا گیا ہے۔ اس رات کی تاریخ یاد تو ہوتی رہی لیکن وہ رات بھی اپنی شان میں ایک ہی مانی گئی نہ ہر سال آنے والی۔

(۳) جس رات آیت تکمیل دین اتری (تو ذرا سوچیے) اس سے بڑھ کر اور خوشی کس دن ہو گی لیکن اس دن کی یاد میں اسلام میں کوئی یوم عید نہ رکھا گیا جو عرفہ کی عظمت پہلے سے قائم تھی اور جمعہ کی فضیلت بھی پہلے سے چلی آرہی تھی یہودیوں نے کوشش کی کہ مسلمان اس دن ایک تیسری عید قائم کریں لیکن امیر المومنین سیدنا حضرت عمرؓ نے عرفہ اور جمعہ کی عظمتوں اور خوشیوں کا تذکرہ کیا جو پہلے سے قائم تھیں اس آیت تکمیل دین پر کسی تیسری عید کو اسلام میں داخل نہیں کیا گیا۔

(۴) بدر کی فتح مسلمانوں کی سیاسی زندگی کا سنگ میل تھا اور جہاد کی یہ عبادت بھی قیامت تک چلنے والا اسلامی حکم تھا مگر آنحضرتؐ اور مسلمانوں نے اس دن کی خوشی کو بھی ہر سال نہیں منایا اور نہ اس سے اسلام کی کسی سالانہ عظمت کی تقویم کی۔

(۵) کیا اسلام میں شب ہجرت کو ہر سال کوئی تاریخی عظمت دی گئی؟ نہیں وہ ایک ہی رات تھی جس میں حضورؐ مکہ سے نکلے۔ آئندہ والی کوئی رات شب ہجرت نہیں کہلا سکتی اور نہ اس گذشتہ رات کی عظمت پاسکتی ہے۔

(۶) فتح مکہ پر مسلمان ایک ملکی سیاسی قوت کے طور پر ابھرے اسے فتح مبین کہا گیا لیکن اس خوشی کو ہر سال لوٹنے کا تقدس نہیں دیا گیا اور نہ اسلام میں اس عنوان سے کوئی نئی عید منائی گئی۔ اسلام میں عیدیں دو ہی ہیں، اس میں کسی تیسری عید کو جگہ نہیں دی گئی۔

ان چھ شہادتوں کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ حضورؐ کی ولادت شریف کی یاد میں بھی اسلام میں کسی تیسری عید کا اضافہ نہیں کیا گیا۔

یہود کی پیشکش مسلمان ایک اور عید منائیں

۹ ذوالحجہ کو آیت الیوم اکملت لکم دینکم (المائدہ) اتری تھی یہودیوں نے[1] حضرت عمرؓ کو اس دن کی یاد میں عید منانے کا مشورہ دیا آپ نے اسے قبول نہ کیا۔ اسلام میں دو بڑی عیدیں تھیں عید الفطر اور عید الاضحیٰ۔ اب کوئی تیسری عید قائم نہ کی جا سکے گی۔ (دیکھیے صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۹۹۲) یوم ولادت ہو یا یوم بعثت، شب معراج ہو یا شب ہجرت، یوم بدر ہو یا یوم فتح مکہ کسی موقع کی خوشی اسلام میں عید کے پیرائے میں نہیں منائی گئی۔ یہودی چاہتے تھے کہ مسلمانوں میں ایک اور عید کا اضافہ ہو جائے اور ان کے دین میں بدعات محض خوشیوں کی راہ سے داخل ہو جائیں۔ حضرت عمرؓ نے سوچا ہوگا آنحضرتؐ کی زندگی کا تو ایک ایک دن ہمارے لیے سرمایہ مسرت ہے تو اب اگر ہم آپ کی یاد میں پورا سال عیدوں میں لگا دیں تو ان مقاصد کی تکمیل کیسے ہو سکے گی جن کے لیے حضور اکرمؐ کی بعثت ہوئی تھی۔ قومیں اپنے مشن میں آگے بڑھتی ہیں وہ میلوں اور خوشیوں میں گم ہو کر نہیں رہ جاتیں۔

قبروں پر سالانہ حاضری دینے کی رسم عید کے پیرایہ میں

بریلوی اولیائے کرام کی قبروں پر عرس کے نام سے سالانہ خوشی کرتے ہیں یہ ان کی عید ہوتی ہے یہ بھی عید ہے۔ ہر علاقے میں کوئی نہ کوئی مرکزی مزار ضرور ہوتا ہے جہاں ہر سال عرس کے لنگر چلتے ہیں لغوی اعتبار سے ہر خوشی کو عید کہا جا سکتا ہے۔ درمختار میں ہے۔

ویستعمل فی کل یوم فیہ مسرۃ ولذا قیل ؎

عید وعید وعید صرن مجتمعۃ   وجہ الحبیب ویوم العید والجمعۃ[1]

ترجمہ: اور لفظ "عید" کا استعمال ہر اس دن کے لیے کیا جا سکتا ہے جس میں خوشی ہو۔ اسی لیے کہا گیا ہے۔

ع عید، دو عید اور عید اکٹھی ہو گئیں۔ محبوب کا دیدار، عید کا دن اور جمعہ

---

[1] درمختار مع رد المحتار جلد ۱ صفحہ ۷۶۶

لیکن جو عید مسلمانوں کا تہوار ہوتی ہے وہ یوم العید کے نام سے معروف ہوتی ہے کہ لفظ عید (عربی پیرائے میں یہ لفظ خوشی کے معنی تو دے گا لیکن یہ تہوار نہیں ہوگا۔ تہوار کو یوم العید کہیں گے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وصیت میں فرمایا۔

لا تجعلوا بیوتکم قبورا ولا تجعلوا قبری عیدا [1]

ترجمہ: اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ (کہ وہاں کوئی نماز نہ پڑھی جائے) اور میری قبر کو تم عید نہ بنا لینا۔

قبروں پر میلوں کی چہل پہل بنانا اور ایک معین دن وہاں حاضری دینا جیسا کہ اس دور کے لوگ اپنے گھروں میں ... وفات پر مٹھائیاں بانٹتے ہیں اور چھٹی مناتے ہیں تم میری وفات کی اس طرح خوشیاں نہ منانا۔ اسے آپ نے قبر پر عید منانے سے تعبیر فرمایا۔

جب آپ نے اپنے روضہ پر بھی سالانہ حاضری (جو عید منانے کے مترادف ہے جیسا کہ آجکل عرسوں میں ہوتا ہے) کی اجازت نہیں دی تو بزرگوں کی قبروں پر عرس کے نام سے یہ سالانہ میلے کس طرح کار خیر سمجھے جا سکتے ہیں۔ انہیں یہ لوگ گو عید کا نام نہ دیں عرس ہی کہیں لیکن اس کا ثبوت بھی تو کتاب و سنت سے ہونا چاہیئے۔ اس تخصیص و تعیین سے جو یہ بریلوی لوگ اپنے عرسوں میں بجا لاتے ہیں کوئی امر گو وہ اصلاً مباح و مندوب بھی کیوں نہ ہو جائز نہیں رہتا۔ اہل علم سے مخفی نہیں کہ تعیین مطلق بدعت ہے سو اسلام میں اس چوتھی عید کے لیے بھی کوئی جگہ نہیں ہے جو عرس کے نام سے برصغیر پاک و ہند اور بنگلہ دیش کے ہر چھوٹے شہر میں منائی جاتی ہے۔

مجالس عرس میں عورتوں کی حاضری

مجالس عرس میں حاضری کے لیے جب عورتیں گھروں سے نکلتی ہیں اسی وقت سے ان پر لعنت اترنی شروع ہو جاتی ہے مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں۔

---

[1] سنن ابی داؤد جلد ۱ صفحہ ۲۷۹ ورواہ البیہقی فی السنن الکبری

یہ نہ پوچھو کہ مزارات پر جانا جائز ہے یا نہیں بلکہ یہ پوچھو کہ اس عورت پر کس قدر لعنت ہوتی ہے اللہ کی طرف سے اور صاحب قبر کی طرف سے جس وقت گھر سے ارادہ کرتی ہے لعنت شروع ہو جاتی ہے اور جب تک واپس آتی ہے ملائکہ لعنت کرتے رہتے ہیں سوائے روضہ انور کے اور کسی مزار پر جانے کی اجازت نہیں۔[1]

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:۔

عورتوں کو مزارات اولیاء اور مقابر عوام دونوں پر جانے کی ممانعت ہے۔[2]

عورتوں کا قبروں پر جانا بدرجہ رخصت جائز تھا لیکن عرسوں پر عورتوں کی حاضری ایسے حالات پیدا کر گئی کہ اب انہیں مزارات پر جانے کی ممانعت ہے اگر وہ اسے ایک نیکی کا کام سمجھتی ہے تو یہ ایک امر ممنوع کے ارتکاب کے ساتھ ایک بدعت کا ارتکاب بھی ہے۔

مسلمان ساتویں صدی میں اس سالانہ رسم پر آئے

مولانا عبدالسمیع رامپوری لکھتے ہیں:۔

ہر چند وہ تذکرہ (ولادت) دوال آسا تو قدیم سے صحابہؓ سے چلا آتا ہے لیکن یہ سامان فرح و سرور کرنا اور اس کو مخصوص شہر ربیع الاول کے ساتھ کرنا اور اس میں بھی خاص وہی بارہواں دن میلاد شریف کا معین کرنا بعد میں ہوا یعنی چھٹی صدی کے آخر میں اور اول یہ عمل ربیع الاول میں کرنا تخصیص اور تعیین کے ساتھ ایسا ہی شہر موصل میں ہوا کہ ایک شہر ہے ملک عراق میں۔ وہاں ایک متقی دیندار شیخ عمرو جو صلحائے روزگار سے تھے انہوں نے یہ عمل ایجاد کیا یہ جو لوگوں میں مشہور ہے کہ سات سو برس سے مولود شریف نکلا ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ بعض خصوصیات کے ساتھ استعمال سے ہے۔[3]

---

[1] الملفوظ حصہ دوم ص ۱۱۳ [2] احکام شریعت حصہ دوم ص ۱۵۵ [3] انوار ساطعہ ص ۱۲۵

ایک اور جگہ پر لکھتے ہیں:

مجلس میلاد اگرچہ بدیں ہیئت مجموعی کسی مجتہد مطلق نے خود ایجاد نہیں فرمائی لیکن مجتہدات مطلق نے ایسے امور تو اور کیا ایجاد کیے تو یہ مجلس ان قاعدوں میں داخل ہو گئی مثلاً حضرت امام مالک حدیث کی تعلیم اس طرح کرتے تھے کہ اول غسل کرتے تھے[1]

یعنی جیسے ذکر ولادت تعلیم و تعلم اور درس و تدریس کے پیرائے میں ملتا تھا یہ عید والی ہیئت اسے حاصل نہ تھی۔ امام مالک درس ہی تو دیتے تھے عین تخصیصات سے یہ مجلس بدعت ٹھہرا وہ تو نہ بچا نا سکے تھے۔ یہ جو اس دن کو عید کا نام دیا گیا ہے اس کے بھی بہت بعد کی ایجاد ہے یہاں سے بریلویوں کے ہاں عید میلاد النبی کی تاریخ ہوتی ہے صحابہ، تابعین، اور ائمہ اربعہ کے دور میں مسلمانوں کی عیدیں دو ہی تھیں۔ عید الفطر اور عید الاضحیٰ۔ سو یوم عید صرف انہی دونوں کو کہا جا سکتا ہے۔ بریلویوں کے پروفیسر نور بخش توکلی نے میلاد النبی کو عید کا نام دے کر اسلام میں ایک تیسری عید کا تصور پیش کیا۔ مولوی عبدالحکیم شرف قادری آپ کے ذکر میں لکھتے ہیں۔

"آپ ہی کی مساعی جمیلہ سے متحدہ ہندو پاک میں بارہ وفات کی بجائے عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام تعلیم ہونا قرار پائی تھی"[2]

مولوی محمد عمر اچھروی نے تو یہاں تک کوشش کی کہ اس تیسری عید کو ایک نماز شکرانہ بھی مہیا کی جائے اور عام مسلمان اس دن حضور کی پیدائش کی خوشی میں دو رکعت شکرانہ با جماعت ادا کریں مولانا نے گول باغ لاہور میں یہ تیسری نماز عید پڑھائی بھی تھی لیکن اس میں حاضری بہت کم رہی۔

یوم ولادت کو سالانہ منانے والا پہلا شخص

مولوی عبدالسمیع رامپوری کا یہ بیان آپ پڑھ آئے ہیں کہ یوم ولادت کو سالانہ منانے والا پہلا شخص شیخ عمر تھا۔ اب یہ بھی دیکھیں کہ وہ کس قسم کا شخص تھا اور مذاہب اربعہ میں وہ کس مذہب

---

[1] انوار ساطعہ صفحہ ۱۸۶ [2] تذکرہ اکابر اہل سنت صفحہ ۵۵۹

کا تھا، نہیں دیا تو نہیں کہ وہ کوئی غیر مقلد ہو۔

بریلویوں کا یہ جشن کس قسم کا دیندار نے

مولانا عبدالسمیع بریلوی نے جو کہا ہے کہ یہ عمل بدیع نادر چھٹی صدی کے آخر میں ایک متقی دیندار شخص نے ایجاد کیا یہ اس عمل کے بحیثیت کذائی بدعت ہونے پر ایک کافی شہادت ہے۔

مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

جو شخص کچھ بھی پڑھا لکھا ہو وہ سوچ سکتا ہے کہ جو عمل مسلمانوں میں چھ سو سال تک کہیں دیکھنے میں نہ آیا اور اس میں وہ تینوں زمانے بھی گزر گئے جن کو قرون ثلثہ مشہود لہا بالخیر کہا جاتا ہے وہ کس طرح سنت ہو سکتا ہے اور اس کے کرنے والے کس طرح اہل سنت میں جگہ پا سکتے ہیں۔ تاہم نامناسب نہ ہو گا کہ ہم بریلویوں کے اس متقی دیندار کی بھی کچھ خانہ تلاشی لیں جس نے مسلمانوں میں یہ رسم چلائی اور اس پہ شاہ اربل نے اسے ایک بڑا انعام دیا۔

رسم میلاد کا بانی عمرو بن دحیہ

میلاد النبی پر پہلی کتاب مولوی عمرو بن دحیہ نے چھٹی صدی کے آخر میں لکھی اور اربل کے بادشاہ ابو سعید مظفر الدین نے اسے ایک ہزار اشرفی انعام دیا۔ شاہ اربل کے پیچھے کون سا خفیہ ہاتھ تھا جو اسے مسلمانوں میں رسم میلاد قائم کرنے پر آمادہ کر رہا تھا اسے ہم یہاں چھوڑ دیتے ہیں۔ پہلے یہ پتہ لگائیں

یہ کون تھا جس نے اس نئے دینی کام کی بنیاد رکھی

عمرو بن دحیہ ایک خبیث فطرت غیر مقلد ذہن کا آدمی تھا۔ یہ صحیح ہے کہ اس وقت اہل حدیث (باصطلاح جدید) معرض وجود میں نہ آئے تھے۔ غیر مقلدین بطور فرقہ تیرہویں صدی کی ایجاد ہیں لیکن اس قسم کے لوگ ظاہریہ کے نام سے پہلے بھی کہیں کہیں ملتے ہیں۔ حضور ختمی مرتبت کی شان میں یہ لوگ بہت گستاخ ہوتے تھے

قیاس کیجئے یہ کیسا مسلک ہے۔ اہل السنۃ والجماعۃ نے انہیں کبھی اپنی صفوں میں جگہ نہیں دی امام ابن حزم بے شک ظاہری تھا لیکن وہ مجتہد درجے کے عالم تھے انہیں غیر مقلدین میں نہیں گنا جا سکتا تاہم بیشتر ظاہری لوگ غیر مقلدین کی طرح بے دین رہے ہیں۔ سنیے یہ عمر بن دحیہ تھا جس نے اس امت میں میلاد النبی کی رسم ڈالی عیسائیوں اور ہندوؤں نے اس رسم کو بہت قوت سے پھیلایا۔ یہاں تک کہ اہل بدعت اس خبیث الفطرت بدمذہب اور مذکور گستاخ کے پیچھے اپنی پوری جماعتی قوت سے چڑھ دوڑے۔ بریلویوں کی قیادت میں بیشتر ایسے ہی رنگ ملتے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) اس درباری مولوی عمر بن دحیہ کے بارے میں (جسے مولوی عبدالسمیع رامپوری ایک متقی اور دیندار شخص لکھتا ہے) لکھتے ہیں :-

كان ظاهري المذهب كثير الوقيعة في الائمة وفي السلف من العلماء خبيث اللسان احمق شديد الكبر قليل النظر في امور الدين متهاوناً[1]

ترجمہ: یہ شخص ظاہری مذہب تھا (جیسے غیر مقلدین فقہ کے بغیر صرف ظاہر پر چلتے ہیں) ائمہ کی شان میں بہت بری باتیں کہتا۔ پہلے گزرے علماء کی بھی گستاخی کرتا یہ خبیث اللسان شخص تھا احمق بھی تھا اور اپنے آپ کو بڑا امر لری سمجھتا تھا علم کم تھا اور دینی کاموں میں سست تھا (اپنے وقت کا احمد رضا خاں تھا)۔

حافظ ابن حجر نے اس کے بارے میں مشہور محدث ابن نجار (ھ) کی یہ رائے نقل کی ہے۔

رأيت الناس مجتمعين على كذبه وضعفه وادعائه سماع مالم يسمعه ولقاء من لم يلقه وكانت امارة ذالك عليه لائحة۔[2]

ترجمہ: میں نے سب علماء کو اس کے جھوٹا ہونے اور ناقابل اعتماد ہونے پر متفق پایا ہے۔ ان سنی باتوں کے سننے کا دعوے کرتا اور جن سے نہ ملا ہو ان کی ملاقات بتلاتا۔

علماء دیوبند فقہ حنفی پر بڑی پختگی سے کاربند رہے ہیں۔ وہ بریلویوں کی اس غیر مقلدانہ تحریک

---

[1] لسان المیزان جلد ۴ ص ۲۹۶

کا ساتھ نہ دے سکتے تھے۔ جنہوں نے عمر بن دحیہ کے میلاد النبی سنا ہے کے اس بدعی طریقہ سے اتفاق نہیں کیا۔ تاہم محفل میلاد میں قیام کرنا اس وقت شروع نہ ہوا تھا حتی کہ بریلوی آٹھویں صدی سے ثابت کرتے ہیں۔ ملتان کے بریلوی عالم مولانا احمد سعید کاظمی قیام میلاد کے ثبوت میں امام تقی الدین سبکی الشافعی (۷۵۶ھ) کو پیش کرتے ہیں آپ لکھتے ہیں:-

> مسئلہ قیام میلاد میں امام سبکی اور ان کے ہمعصر علماء و مشائخ (آٹھویں صدی کے علماء) کی اقتداء کافی ہے۔[1]

اس وقت ہم قیام میلاد پر بحث نہیں کر رہے یہ عنوان آگے کہیں آئے گا۔ ہم یہاں صرف اس بات کا تاریخی تجزیہ کر رہے ہیں کہ مسلمانوں میں اس تیسری عید کا رواج کب سے ہوا اور پھر اس میں ایک ایک بات کیسے بڑھتی گئی یہاں تک کہ اب یہ وہ تاریخ اسلام کے نصف اول میں اہل السنۃ والجماعۃ کے ہاں کہیں نظر نہیں آتی آج بریلوی مسجدیں اسی امتیاز سے پہچانی جاتی ہیں اور پھر طرفہ تماشا یہ کہ یہ لوگ یا اپنے آپ کو اہل سنت بھی کہتے ہیں ایسے ہی ہے جیسے کوئی حبشی اپنا نام شیخ کافور رکھ لے۔

اس کے بعد اہل بدعت نے اپنی چوتھی عید ہر قصبہ و شہر میں بڑے بڑے مزارات پر عرسوں کی شکل میں قائم رکھی ہے اس وقت یہ عرس زیر بحث نہیں کہ ہم ان کا تنقیدی جائزہ لیں بات صرف یہ ہو رہی تھی کہ اہل بدعت نے کس طرح اس قسم کے میلوں کو داخل دین کر رکھا ہے۔ لنگر چلتے ہیں اور بدعتی مولوی زیادہ تر انہی پر پلتے ہیں۔

محافل میلاد کے تین بڑے کام ہیں انہیں میلاد النبی کی تقریبات میں رکن کی حیثیت حاصل ہے رکن اسے کہتے ہیں جس کے بغیر وہ کام ہو ہی نہ سکے۔ وہ تین کام کیا ہیں۔

۱۔ مولود خوانی ۲۔ نعت خوانی ۳۔ دستر خوانی

اس مجمع پر تقریریں ضروری نہیں سمجھی جاتیں۔ تقریریں اس میں زیادہ سیرت، عظمت اور

---

[1] میلاد النبی ص ۲۲

شانِ رسالت کے مضامین ہوتے ہیں اور ذکرِ ولادت بہت کم ہوتا ہے۔ اس لیے محافلِ میلاد میں تقریروں کی بجائے مولود خوانی [illegible] دیا جاتا ہے۔ مولود میں ولادت کا موضوع شعروں میں بیان ہوتا ہے مختلف شعراء نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق مولود لکھے ہیں جو محافلِ میلاد میں پڑھے جاتے ہیں کہیں کسی کے لکھے ہوئے کو پسند کیا جاتا ہے اور کہیں کسی کے لکھے کو۔ مختلف مولود یہ اپنے اپنے مولود میں عام طور پر لکھتے ہیں۔ مولود خوانی نہایت سوز و گداز سے کی جاتی ہے اور واقعات ولادت ایک ترتیب سے بیان کیے جاتے ہیں ان میں رطب و یابس ہر طرح کی روایات کی کھلی آمد ہوتی ہے۔

پھر مجالسِ میلاد میں نعت خوانی بھی ہوتی ہے۔ ان نعتوں میں زیادہ حضورؐ کی شان و عظمت کا بیان ہوتا ہے۔ مولود خواں زیادہ تر دیہاتوں میں مولود پڑھتے ہیں۔ شہروں میں محافلِ میلاد میں نعت خوانوں سے رونق پیدا کی جاتی ہیں۔ مولود خوانی اور شعر خوانی کے بعد میلاد شریف کی مجالس میں دسترخوان بچھتے ہیں اور پھر گئی رات تک لنگر چلتے ہیں۔ علماء کے لیے دسترخوان علیحدہ بچھتے ہیں۔ ایک غریب نعت خوان نے ایک ایسی مجلس کو دیکھ کر کہا تھا ؎

پلاؤ زردہ کھا رہے میاں بدھو کی بیٹھک پر — میری آنکھوں کی ترکاری جو پہلے تھی سو اب بھی ہے

اس وقت ہمیں اس سے بحث نہیں کہ ان محافلِ میلاد کے لیے چندے کہاں سے وصول کیے جاتے ہیں۔ عام مشاہدہ میں یہی آیا ہے کہ بڑے بڑے شہروں میں چھوٹے چھوٹے بچے گلیوں اور بازاروں میں بڑے بڑے طشت لیے میلاد شریف کے لیے خرچہ مانگتے ہیں اور راہ گزرنے والے کو کچھ دیے بغیر وہاں سے گزرنا مشکل ہوتا ہے۔ رضا خانی، مولود خوانی اور نعت خوانی کی منزلوں کا اسے زادِ راہ سمجھتے ہیں۔ ہم اس میں بھی ان سے کوئی تعرض نہ کرتے اگر یہ مسئلہ ہمیں اس میں حائل نہ ہوتا کہ اب مساجد میں شعر خوانی کی محافلِ میلاد مسجد والے اس تقدس کے یکسر خلاف ہیں جس کے لیے یہ مسجدیں بنی ہیں۔ مناسب ہوگا کہ ہم اس پر بھی کچھ تفصیل ہدیہ قارئین کر دیں۔

واللہ هو الموفق لما يحبه و يرضى به وهو المستعان وعليه التكلان.

مساجد میں محافل نعت کا انعقاد

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد۔

آج کل دیکھنے میں آرہا ہے کہ لوگوں نے مسجدوں میں مستقل طور پر نعت کی محفلیں بھی شروع کر دی ہیں۔ ان محافل میں اول، دوم اور سوم آنے والے نعت خوانوں کو انعام بھی دیئے جاتے ہیں اور نعت پڑھنے کے دوران ان کی تحسین نقد رقم دینے سے بھی کی جاتی ہے۔ اس جذبہ مسابقت میں وہ نوجوان بھی حصہ لیتے ہیں جن کے چہروں پر سنت کا دور قریب سے بھی نظر نہیں آتا۔ یہ کوئی وعظ و تقریر کی مجلسیں نہیں ہوتیں انہیں محافل نعت کہا جاتا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مسجدوں میں اس پیرایہ میں اشعار پڑھنا کہ اس وقت پوری مسجد کا یہی نقشہ عمل ہو گیا اس قسم کی شعر خوانی کی مجالس عہد صحابہ میں بھی کبھی قائم ہوئیں یا مسجدوں میں اس پیرایہ میں شعر خوانی گو وہ اچھے اشعار پر مشتمل ہو ایک نیا عمل ہے اور لوگ اسے دین سمجھ کر عمل میں لاتے ہیں۔

غلطی کسے کہتے ہیں وضع الشئ فی غیر محلہ کسی چیز کو وہاں رکھنا جو اس کا محل نہ ہو۔ مسجدیں کن کاموں کے لیے بنی ہیں ہم اسے قرآن کریم میں مطالعہ کیجئے:

مسجدوں کا مقصد وجود اللہ کی یاد اور اس کی عبادت ہے

مسجدیں اس لیے بنی ہیں کہ ان میں اللہ کی یاد ہو اس کی عبادت ہو اور آخرت میں اس کی گرفت کے ڈر سے اس کی یاد کی جائے اور اس کے نام کی آواز لگائی جائے۔ مسجد کس کا گھر کہی جاتی ہیں۔ قرآن کریم کی رو سے وہ اللہ کے گھر ہیں جن میں اس کا نام بلند کیا جاتا ہے۔ ان میں اللہ کے سوا اور کسی کی پکار نہیں ہوتی۔

ہم اس وقت اس پر قرآن کریم کی پانچ شہادتیں پیش کرتے ہیں۔

قرآن کریم کی پہلی شہادت

فی بیوت اذن اللہ ان ترفع ویذکر فیہا اسمہ یسبح لہ فیہا بالغدو والاصال
رجال لا تلہیہم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ واقام الصلوٰۃ (پ ۱۸ النور ۲ ع)
ترجمہ ان گھروں میں کہ اللہ نے حکم دیا ان کو بلند کرنے کا اور کہ ان میں بیان ہوا
اور ان میں خدا کے نام کی اونچی آواز نہ لگے) اور حکم دیا وہاں اس کا نام پڑھنے کا
یاد کرتے ہیں وہاں (مسجدوں میں) اس کو صبح و شام وہ مرد کہ غافل نہیں ہوتے تجارت
میں اور سودا کرنے میں وہ اللہ کی یاد سے اور نمازیں قائم کرنے سے اور زکوٰۃ
دینے سے ڈرتے رہتے ہیں اس دن سے جس میں الٹ جائیں گے دل اور آنکھیں۔

اس آیت میں قرآن کریم نے مسجدوں کا مقصد وجود پورا کھول کر رکھ دیا ہے سو ضروری ہے کہ ان کی
تنظیم و تطہیر ہر اس عمل سے بالا رکھی جائے جن کے لیے یہ بنائی نہیں گئیں۔

قرآن کریم کی دوسری شہادت

ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ ان یذکر فیہا اسمہ . (پ ۱ بقرہ ع ۱۴)
ترجمہ۔ اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جس نے اللہ کی مسجدوں کو وہاں اس کا
نام لینے سے روکا

معلوم ہوا کہ مسجدوں کو نماز سے روکے رکھنے کی چند گھنٹوں کے لیے بھی پابندی نہیں لگائی
جا سکتی اور اس دوران کسی نمازی یا معتکف کو نماز کے دوران کسی خوش آوازی نعت خوانی یا ذکر بالجہر
سے نماز بھول لینے کے وہم میں نہیں ڈالا جا سکتا۔

کوئی معتکف سو یا ہوا ہو تو اسے بھی محفل نعت یا ذکر بالجہر سے تشویش میں ڈالنے کی اجازت نہیں
ہے۔ مسجدوں کو اللہ کے ذکر سے روکنے کی اتنے وقت کے لیے اجازت نہیں جتنے میں کوئی نمازی

دونوں نماز پڑھ سکے۔ مسجدیں اپنے مقصد وجود میں عبادت گاہیں ہیں۔

قرآن کریم کی تیسری شہادت

ان المساجد للہ فلا تدعوا مع اللہ احدا۔ (پ ۲۹ الجن ۱۸)

ترجمہ۔ اور یہ کہ مسجدیں اللہ کی یاد کے واسطے ہیں سو مت پکارو (ان میں) اللہ کے ساتھ کسی کو اور یہ کہ اللہ کا بندہ جب کھڑا ہوا کہ اس کو پکارے تو لوگوں کا ایک ٹھٹھ بندھنے لگتا ہے ہ تو کہہ میں پکارتا ہوں صرف اپنے رب کو اور شریک نہیں کرتا اس کے ساتھ کسی کو۔

مسجدوں میں اللہ کے ساتھ کسی کو پکارنے کی اجازت نہیں۔ ایک طرف یا اللہ لکھا ہوا اس کے سامنے یا محمد لکھا گیا یہ مسجد میں دوسری پکار تو نہیں۔ پاکستان میں حضور کو سینکڑوں اور ہزاروں میلوں سے پکارنا کیا یہ آپ کی شان میں بے ادبی تو نہیں۔ کاش کہ اہل بدعت حضرات قرآن کی اس آیت پر کچھ غور کر لیتے۔

ان الذین ینادونک من وراء الحجرات اکثرھم لا یعقلون (پ ۲۶ الحجرات ۴)

ترجمہ۔ جو لوگ پکارتے ہیں آپ کو دیواروں کے پیچھے سے (دور کے فاصلوں سے) ان میں زیادہ وہ ہیں جو عقل سے خالی ہیں۔

کیا آپ نے دیکھا کہ یہ بے عقل لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یا رسول اللہ سے آوازیں دیتے ہیں اور آگے کچھ بھی نہیں کہتے اتنا بھی نہیں کہتے صلی اللہ علیک وسلم تاکہ پکارنا ایک بے محل آواز ہو کر نہ رہ جائے۔

قرآن کریم کی چوتھی شہادت

ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لھدمت صوامع وبیع وصلوات

ومساجد یذکر فیہا اسم اللہ کثیرًا ۔ (پ الحج ۴۰)

ترجمہ۔ اور اگر نہ ہٹایا کرتا اللہ لوگوں کو ایک دوسرے سے تو ڈھا دیئے جاتے
تکیے اور مدرسے اور عبادت خانے اور مسجدیں جن میں نام پڑھا جاتا ہے اللہ کا بہت

یہ آیت بھی مسجدوں کے مقصد وجود کی نشاندہی کر رہی ہے کہ یہ اس لیے بنی ہیں کہ ان میں
زیادہ سے زیادہ لیا جائے اور اذان کا اختتام لا الہ الا اللہ پر اور نماز کا اختتام السلام علیکم ورحمۃ اللہ
پر دعا کا اختتام ذو الجلال والاکرام پر خطبہ جمعہ کا اختتام ولذکر اللہ تعالیٰ اعلیٰ و اعز واجل واکبر پر
اور تسبیح تراویح کا اختتام یا مجیر پر اور تسبیحات سبحان اللہ والحمد للہ اور اللہ اکبر پر ختم ہوتی ہیں یہ اس
حقیقت کی عملی شہادت ہے کہ مسجدیں اللہ کے نام کے لیے بنائی گئی ہیں اور یہی ان کا مقصد وجود ہے۔

قرآن کریم کی پانچویں شہادت

واقیموا وجوھکم عند کل مسجد وادعوہ مخلصین لہ الدین کما
بدأکم تعودون۔ (پ الاعراف ۲۹)

ترجمہ۔ اور سیدھے کرو اپنے منہ ہر سجدہ کے وقت اور پکارو اس کو خالص اس
کے فرمانبردار ہو کر جیسے اس نے تمہیں پہلے پیدا کیا دوسری بار بھی تم اٹھو گے

اس آیت میں لفظ مسجد سے مراد سجدہ ہی لیا گیا ہے۔ سو یہاں جس ایک کے سوا کسی کو سجدہ
جائز نہیں یہ مساجد بھی سب اسی کے لیے ہیں۔ یہاں اسی کا نام بلند کرو اور اسی کے نام کی تکبیر ہو۔
مسجد میں اس ایک ذات باری تعالیٰ کے علاوہ کسی کی پکار جائز ہوتی اسے مافوق الاسباب
طور پر دینا جائز ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس طرح مخلصین کو پابند نہ کرتے کہ تم ایک اللہ کے سوا کسی کے نام
کی دہائی نہ دو۔

مساجد اللہ کے ذکر اور اس کی تعظیم اور تجلیل کے لیے

مسجدوں میں جو اللہ کا ذکر بیان ہوتا ہے اور اس کی تعظیم و تجلیل کے خطبے دیئے جاتے ہیں یہ سب اللہ کے ذکر میں داخل ہیں۔ جمعہ کے خطبہ میں آنے والے کو فاسعوا الی ذکر اللہ وذروا البیع (پ ۲۸ الجمعہ) کی روشنی میں اللہ کے ذکر کی طرف آنے والا کہا جاتا ہے۔ یہاں تذکیر و تبلیغ بھی اس لیے ہے کہ لوگ اللہ کی طرف جھکیں اور دنیا میں نیکیاں قائم ہوں اور اللہ کا نام بلند ہو یہ وہ جگہیں ہیں جہاں اللہ کے نام کی آواز گونجتی ہے۔

مجالس وعظ و تذکیر میں نعت آجائے تو مجلس اپنے موضوع سے باہر نہیں نکلتی لیکن اگر مجلس کا موضوع وعظ و تذکیر اور جلسہ و تقریر نہ ہو اور پوری محفل صرف نعت خوانی کے لیے قائم کی جائے اور شعراء انعام طلبی میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر اپنے فن کے جوہر دکھائیں بعض نعتیں ترنم سے بھی پڑھی جائیں اور سارے نعت پڑھنے والے متشرع صورت بھی نہ ہوں تو مساجد کی یہ شعر خوانی مساجد کو اپنے مقصد وجود سے کافی دور لے جائے گی قرآن کریم میں مساجد کا مقصد وجود یہ بتلایا گیا ہے کہ وہاں اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے نہ کہ پوری مجلس شعر خوانی اور اس پر مقابلہ آرائی کے لیے کی گئی ہو۔ سلف میں مساجد میں اس طرح مستقل طور پر نعت خوانی کی مجالس نہ لگتی تھیں اور مسجدیں کبھی ایک گھنٹہ کے لیے بھی ذکر اللہ اور نمازوں سے فارغ نہ کی جاتی تھیں۔

مساجد میں اشعار پڑھنے کا شرعی حکم کیا ہے؟

جس طرح ہم نے قرآن کریم سے مساجد کے مقصد وجود پر پانچ شہادتیں پیش کی ہیں یہاں ہم احادیث سے پانچ شہادتیں پیش کریں گے کہ ہمیں مساجد میں شعر پڑھنے سے روکا گیا ہے۔

① مرو دکبر حضرت حکیم بن حزام (۵۴ھ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت نقل کرتے ہیں:

نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يستقاد في المسجد وان ينشد فيه الاشعار وان تقام فيه الحدود۔[1]

ترجمہ۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے روکا کہ مسجد میں (۱) کسی سے قصاص لیا جائے (۲) اس میں اشعار پڑھے جائیں اور (۳) یہ کہ اس میں حدود جاری کی جائیں۔

(۲) ان رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن الشراء والبيع في المسجد وان تنشد فيه ضالة وان ينشد فيه شعر ونهى عن التحلق قبل الصلوٰة يوم الجمعة۔[2]

ترجمہ۔ نبی پاک نے مسجد میں خرید و فروخت سے منع فرمایا۔ اس میں گمشدہ چیز کی بھی تلاش نہ کی جائے۔ اس میں شعر خوانی بھی نہ ہو اور آپ نے مسجدوں میں نماز جمعہ سے پہلے لوگوں کے حلقہ بنا کر بیٹھنے کو بھی منع فرمایا۔

(۳) ابن خزیمہ اپنی صحیح میں بسند عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ روایت کرتے ہیں۔

نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن تناشد الاشعار في المساجد ..
واسناده صحيح۔[3]

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجدوں میں اشعار پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔

(۴) ایک شاعر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور مسجد میں حمد باری پر کچھ اشعار پڑھنے کی اجازت مانگی آپ نے اسے اجازت نہ دی اور اسے مسجد سے نکل کر پڑھنے کا کہا وہ مسجد سے باہر آیا اور اس نے حمد باری تعالیٰ پر شعر پڑھے آپ نے پھر اسے ایک چادر انعام میں دی۔

---

[1] سنن ابی داؤد جلد ۲ صفحہ ۲۶۱ مشکوٰۃ صفحہ ۷ [2] سنن ابی داؤد جلد ۱ صفحہ ۱۵۴ جامع ترمذی جلد ۱ صفحہ [illegible] [3] فتح الباری جلد ۲

ان شاعرا جاء الی النبی وھو فی المسجد فقال انشدک یا رسول اللہ

فاخرج من المسجد فخرج فانشده فاعطاه رسول اللہ ثوبا [1]

ترجمہ: ایک شاعر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ اس وقت مسجد میں تھے اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وحدہ باری پر شعر پڑھنے کی اجازت مانگی۔ اسے مسجد سے باہر آنے کا کہا گیا وہ نکلا اور اس شخص نے وہ شعر پڑھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے انعام میں چادر عطا فرمائی

(۵) امام نسائیؒ کے شاگرد امام ابن السنی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من رأیتموه ینشد فی المسجد شعرا فقولوا فض اللہ فاک ثلث مرات [2]

ترجمہ: تم کسی کو مسجد میں شعر پڑھتے پاؤ تو کہو اللہ تیرا منہ بند کرے ایسا تین دفعہ کہو۔

اس سے اندازہ کریں مسجدوں میں نعت خوانی کی مجالس قائم کرنے کا کیا حکم ہے۔

حضرت عمرؓ کا فیصلہ مسجد میں اشعار پڑھنے کے بارے میں

حضرت عمرؓ نے مسجد سے باہر ایک طرف ایک کھلی جگہ بنا دی جہاں لوگ شعر خوانی وغیرہ کر سکیں۔ یہ اس لیے تھا کہ آپ مسجد میں شعر خوانی کو جائز نہ سمجھتے تھے آپ نے اس کے لیے جو جگہ بنائی اسے رحبہ کہتے تھے۔ اس جگہ کا ایک نام البطیحاء بھی تھا۔ امام مالکؒ اپنے مؤطا میں روایت کرتے ہیں۔

ان عمر بن الخطاب بنی رحبة فی ناحیة المسجد تسمی البطیحاء وقال من کان یرید ان یلغط او ینشد شعرا او یرفع صوته فلیخرج الی ھذه الرحبة [3]

ترجمہ: حضرت عمرؓ نے مسجد کے ایک کونے میں ایک کھلی جگہ چھوڑی تھی جسے بطیحا کہا جاتا۔ آپ نے فرمایا جو چاہے کہ کوئی بات کرے یا شعر پڑھے یا آواز اونچی کرے اس کو اس رحبہ میں جانا چاہیے۔

یہاں شعر پڑھنے سے کون سا شعر مراد ہے۔ کیا جو خیر کی آواز ہو نہ کہ وہ جن سے شر پھوٹے

---

[1] رواہ عبدالرزاق المصنف جلد ۱ ص ۴۳۹ [2] مرقات جلد ۱ ص ۴۶۱ [3] مؤطا امام مالک ص ۶۱

مسجد میں کس حد تک ذکر بالجہر کی اجازت ہے

عن ابی سعید قال اعتکف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی المسجد فسمعہم یجہرون بالقرأۃ فکشف الستر وقال الا ان کلکم مناج ربہ فلا یؤذین بعضکم بعضا ولا یرفع بعضکم علی بعض فی القرأۃ او قال فی الصلوٰۃ [1]

ترجمہ

حضرت ابو سعید الخدری سے روایت ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں اعتکاف فرمایا آپ نے پردے کے پیچھے سے صحابہؓ کو جہراً قرأت کرتے سنا۔ آپؐ نے فرمایا جان لو! تم میں سے ہر ایک اپنے رب سے باتیں کر رہا ہے پس ایک دوسرے کو کوئی اذیت نہ دے نہ ایک دوسرے سے قرأت اونچی کرے یا نماز میں وہ کسی دوسرے بھائی کو کوئی تکلیف دے۔

پس ذکر بالجہر اسی حد تک جائز ہے کہ کوئی شخص (نعت خواں) کسی دوسرے کے لیے تکلیف کا سبب نہ بنے کوئی دوسرے سے اپنی آواز نہ بڑھائے نماز میں بھی کسی دوسرے کے لیے تکلیف کا باعث نہ ہو اس میں یہ سب باتیں آگئیں۔

۱۔ اگر کوئی معتکف مسجد میں سویا ہوا ہے تو تمہارا جہر (اونچی آواز) سے پریشان نہ کرے۔

۲۔ اگر کوئی دوسرا مسجد میں پاس بیٹھا قرآن پڑھ رہا ہو تو تمہاری آواز اسے پڑھنے میں رکاوٹ نہ ڈالے

۳۔ اگر کوئی شخص مسجد میں دیر سے آیا اور اسے اپنے طور پر نماز پڑھنی ہے تو وہ نہ سکون سے پڑھ سکے اسے بھول میں نہ ڈالا جائے۔

۴۔ مسجد میں اذان دینی ہو تو آواز پہنچنے کی حد تک اونچی نہ کرے جتنی موجودہ اقامت میں ہوتی ہے

---

[1] رواہ ابوداؤد جلد ۱ صفحہ ۱۹۵ کما فی الاتقان جلد ۱ صفحہ ۱۳

۵۔ اس انداز میں مسجد میں ذکر نہ کرے کہ دیکھنے والے سمجھیں کہ یہ ہوش میں نہیں مگر وجد جوش میں ہو۔

ہم حافظ ابن حجر عسقلانی کی اس بات سے اتفاق نہیں کر سکتے کہ حضرت عمرؓ نے مسجد سے باہر (بطحاء کی جگہ) اس لیے بنائی تھی کہ بُرے اشعار مسجد میں نہ پڑھے جائیں بُرے اشعار پڑھنا تو مطلقاً منع ہے کہیں بھی پڑھے جائیں حضرت عمرؓ جیسے مرد خدا ان کی کیسے اجازت دے سکتے تھے۔

یہ درست ہے کہ حافظ ابن حجر کا مقام رجال حدیث حفاظ حدیث اور طرق حدیث میں اپنی جگہ بہت اونچا ہے لیکن فہم حدیث میں ملا علی قاریؒ ان سے آگے نکل گئے ہیں۔ امام شافعیؒ کے مذہب میں فقہاء ہی حدیث کے معنی بہتر سمجھتے ہیں۔ ملا علی قاریؒ بلند پایہ فقیہ ہیں انہوں نے یہاں حافظ ابن حجرؒ کی اچھی اصلاح فرمادی ہے۔ آپ لکھتے ہیں:۔

وقول ابن حجر ای شعرا مذموما لیس فی محله لانه لا یباح مطلقاً۔[1]

ترجمہ: ابن حجرؒ کا کہنا کہ اس سے بُرے اشعار کی ممانعت ہے صحیح نہیں کیونکہ بُرے اشعار تو مطلقاً ممنوع ہیں کہیں بھی نہ پڑھے جائیں۔

اگر مسجد میں اچھے شعر پڑھنے کی عام اجازت ہوتی تو حضرت عمرؓ مسجد کے ساتھ رحبہ نہ بناتے آپ کے سامنے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل بھی لازماً ہوگا۔ جسے ہم پہلے احادیث منع میں جو تھے نمبر پر ذکر کر آئے ہیں۔

اسود بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ ایک شاعر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا آپ اس وقت مسجد میں تھے اس نے کہا اے اللہ کے رسولؐ! میں آپ کو کچھ شعر سنانا چاہتا ہوں (ظاہر ہے کہ وہ کوئی شعر مذموم تو نہیں سنانا چاہتا تھا وہ اشعار مدح باری تعالیٰ میں تھے) آپ نے اجازت نہ دی۔ اس نے اصرار کیا کہ مجھے اجازت دیں۔ آپ نے فرمایا ایسا کرنا ہے تو پھر مسجد سے باہر نکل آ۔ وہ باہر نکلا اور آپ کو وہ شعر سنائے۔ محدث عبدالرزاق (۲۱۰ھ) روایت کرتے ہیں:۔

---

[1] مرقات جلد ۲ ص۴۲۲

ان شاعراً اتى النبي وهو في المسجد فقال انشدك يا رسول الله قال لا
قال بلى فأذن لي فقال النبي فاخرج من المسجد قال فاعطاه النبي صلى
الله عليه وسلم ثوبا وقال هذا بدل ما مدحت به ربك [۱]

ترجمہ۔ ایک شاعر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا آپ اس وقت مسجد میں تھے۔ اس نے حضورؐ سے کہا میں آپ کو شعر سناؤں؟ آپ نے فرمایا نہ ۔ اس نے کہا کیوں نہیں؟ مجھے اجازت دیں۔ آپ نے فرمایا تو مسجد سے نکل جا (اس نے باہر نکل کر حضورؐ کو شعر سنائے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ایک چادر عطا کی اور فرمایا یہ اس کا عوض ہے جو تو نے اپنے رب کی حمد کی ہے۔

(نوٹ) یہاں فاخرج من المسجد کے بعد ایک جملہ رہ گیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہ ہے کہ پھر وہ نکلا اور اس نے مسجد سے باہر مدح باری تعالیٰ میں شعر پڑھے اس پر حضورؐ نے اسے ایک چادر دی، اگر اس نے شعر نہ پڑھے ہوتے اور حضورؐ نے نہ سنے ہوتے تو اس شاعر کو انعام دینے کی پھر کیا ضرورت تھی! بھی مذکورہ الفاظ بھی عبدالرزاق کے حوالے سے اس طرح نقل کئے ہیں۔

علامہ عینی نے عمدۃ القاری میں مصنف عبدالرزاق کی یہ روایت اس طرح نقل کی ہے اس میں یہ الفاظ موجود ہیں:-

فقال له النبي صلى الله عليه وسلم اخرج من المسجد فخرج فانشده فاعطاه
رسول الله صلى الله عليه وسلم ثوبا [۲]

ترجمہ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کہا تو مسجد سے نکل جا۔ وہ مسجد سے نکلا اور حضورؐ کو شعر سنائے اس پر حضورؐ نے اسے چادر انعام میں دی۔

اس سے صاف پتہ چلا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں ان اشعار کی بھی اجازت نہ دی جو مدح باری تعالیٰ میں تھے۔ یہ بات کسی طرح تسلیم کرنے کے لائق نہیں کہ مسجد میں صرف شعر مذموم منع ہیں

---

۱ المصنف جلد ۱۱ ص ۲۷۲ ۲ عمدۃ القاری جلد ۴ ص ۲۱۶

دوسرے نہیں کہا۔ تابعین جن کا مرتبہ کمی نماز سے بھی آگے کا ہے جیسے مسروق ابن اجدعؒ (۶۳ھ)
ابراہیم بن نخعیؒ (۹۶ھ)، سالم بن عبداللہؒ (۱۰۶ھ) اور امام حسن بصریؒ (۱۱۰ھ) یہ سب اس پر متفق ہیں کہ مسجد
میں شعر خوانی جائز نہیں ہے۔

ان روایات کے خلاف صحیح بخاری کے حوالے سے حضرت حسان بن ثابتؓ کے مسجد میں اشعار
پڑھنے کی روایت بڑے شد ومد سے پیش کی جاتی۔ چند محدثین نے اسی سے ان روایات کا معارضہ
کیا ہے اور پھر ان میں تطبیق پیدا کرنے کی کوشش کی ہے تطبیق کی راہیں مختلف حضرات مختلف بتلاتے
ہیں جیسے ہیں۔ ہم پہلے وہ روایت پیش کرنے جا رہے ہیں، حاشیہ میں جہاں جو انہیں تعارض کی وجہ بھی ہم دے دیں
قارئین کریں گے اور پھر کچھ تطبیق کی راہیں پیدا نہیں کی جائیں گی واللہ الموفق

حضرت حسان بن ثابتؓ کا مسجد میں حضورؐ کی مدح میں شعر پڑھنا

امام بخاری نے صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ میں ایک یہ باب باندھا ہے۔ باب الشعر فی المسجد
(جلد اص ۶۴) اور اس میں حضرت حسانؓ کی یہ روایت نقل کی ہے۔ اس پر علامہ عینی لکھتے ہیں۔

مطابقته للترجمة غير ظاهرة فهنا لانه ليس فيه صريحاً انه كان في
المسجد وانما ترجمة هو الشعر في المسجد[1]

ترجمہ: اس روایت کی ترجمۃ الباب سے مطابقت واضح نہیں۔ کیونکہ اس میں اس بات کی صراحت
نہیں کہ وہ شعر مسجد میں پڑھے گئے تھے اور باب یہ باندھا ہے۔ الشعر فی المسجد۔
یہ صحیح نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عمرؓ کے دور میں حضرت حسانؓ نے
مسجد میں یہ شعر پڑھے۔ ہو سکتا ہے امام بخاریؒ نے اس سے شعر فی المسجد کا جواز اخذ کیا ہو۔
امام بخاری نے ترجمۃ الباب کو صادق کرنے کے لیے باب بدء الخلق میں پھر اسی حدیث کو
روایت کیا ہے۔

---

[1] عمدۃ القاری [illegible]

عن الزهری عن سعید بن المسیب قال مر عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فی المسجد وحسان ینشد فلحظ الیہ فقال کنت انشد فیہ وفیہ من ھو خیر منک ثم التفت الی ابی ھریرۃ فقال انشدک باللہ اسمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ یقول اجب عنی[1]

ترجمہ۔ حضرت سعید بن المسیبؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ مسجد میں گئے اور حضرت حسانؓ شعر پڑھ رہے تھے آپ نے حضرت حسانؓ کی طرف آنکھ پھیری حضرت حسانؓ نے کہا میں مسجد میں شعر پڑھتا ہوں اور اس میں وہ تھے جو آپ سے بھی درجہ میں آگے تھے۔ پھر حضرت عمرؓ نے حضرت ابوہریرہؓ کی طرف دیکھا اور فرمایا میں تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں کیا تو نے حضورؐ کو فرماتے سنا کہ اے حسان! میری طرف سے (کفار کو) جواب دے۔

یہ دوسری روایت حضرت سعید بن المسیبؓ (۹۴ھ) سے مروی ہے وہ حضرت عمرؓ کے حضرت حسانؓ کے پاس سے گزرنے کا واقعہ نقل کر رہے ہیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ انہوں نے حضرت عمرؓ کے اس واقعہ کو نہیں پایا۔ علامہ عینی (۸۵۵ھ) فرماتے ہیں:

وسعید لم یصح سماعہ من عمر وان کان سمع ذلک من حسان فمتصل[2]

ترجمہ: سعید بن المسیبؓ کا سماع حضرت عمرؓ سے ثابت نہیں اور اگر انہوں نے حضرت حسانؓ سے یہ بات سنی ہو تو پھر یہ روایت متصل ہو جاتی ہے۔

اور پہلی روایت جس میں مسجد کا ذکر نہیں ہے امام زہری ابوسلمہ سے نقل کرتے ہیں۔ اور انہوں نے حضرت حسانؓ کو حضرت ابوہریرہؓ کو اس روایت پر قسم دیتے سنا ہے۔ یہ سوال پھر باقی رہا کہ حضرت ابوہریرہؓ کو قسم حضرت عمرؓ نے دی یا حضرت حسانؓ نے؟ محدثین اس پر بہت پریشان نظر آتے ہیں۔ دونوں صورتیں آپ کے سامنے ہیں اور یہ بات ناقابل انکار ہے کہ حضرت عمرؓ کا زمانہ نہ ابوسلمہ نے پایا نہ حضرت سعید بن المسیب نے ــــ اور یہ دونوں ہی اس واقعہ کے راوی ہیں

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ ص ۴۵۶ [2] عمدۃ القاری جلد ۴ ص ۲۴۶

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں کہ یہ حدیث ان احادیث کے قبیل سے ہے جن پر امام دارقطنی نے احادیث صحیحین پر تنقید کی ہے۔

وفی الاسناد نظر من وجه آخر وهو علی شرط الصحیح ایضاً وذلک ان لفظ

روایة سعید بن المسیب مرّ فی المسجد وحسان ینشد ...... ورواية

سعید هذه القصة عند هم مرسلة لانه لم یدرک زمن المرور ......

وابو سلمة لم یدرک زمن مرور عمر ایضاً فانه اصغر من سعید۔[1]

ترجمہ۔ اور اس حدیث کی سند میں ایک اور بات بھی لائق غور ہے اور وہ صحیح پر موقوف ہے اور وہ یہ کہ سعید بن المسیبؒ کی روایت کے یہ الفاظ کہ حضرت عمرؓ مسجد سے گزرے اور حضرت حسانؓ شعر پڑھ رہے تھے اس واقعہ کی حضرت سعیدؒ کی روایت مرسل ہے متصل نہیں کیونکہ آپ نے حضرت عمرؓ کا زمانہ نہیں پایا اور ابو سلمہ نے بھی حضرت عمرؓ کا زمانہ نہیں پایا وہ تو سعیدؒ سے بھی چھوٹے ہیں۔ حضرت امام بخاری کا موقف یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے دور کی بات وہ راوی نقل کرے جس نے آپ کا دور نہیں پایا وہ اس کی شخصیت پر قابل قبول سمجھی جانے گی کیا امام مالک نے یزید بن رومانؒ کی روایت حضرت عمرؓ کے دور کے بارے میں قبول نہیں فرمائی؟ حالانکہ اس نے آپ کا دور نہ پایا۔

وفی المعنی عدة احادیث لکن فی اسانیدها مقال۔[2]

ترجمہ۔ اور اس موضوع پر اور بھی احادیث ہیں لیکن ان سب کی سندوں میں کچھ نہ کچھ بات ضرور ہے حضرت حسان بن ثابتؓ کے مسجد میں حضورؐ کی مدح میں شعر پڑھنے پر صراحت سے کوئی متصل سند مل جائے تو بھی اسے صرف ایک قومی معرکہ سمجھنا چاہیے کہ کفار کے مقابلہ میں وقتاً یہ صورت پیش آگئی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسانؓ کو فرمایا۔ اجب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ـــــ سو اس کو حضرت حسانؓ کے ساتھ خاص سمجھنا چاہیے اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ مسجد میں اچھے اشعار کی مجلس جمانا اور حمد باری یا نعت نبوی کی محفلیں منعقد کرنا جائز ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس واقعہ

---

[1] فتح الباری جلد ۱ صفحہ ۴۶۱ [2] ایضاً صفحہ ۴۶۱

سے محرومی جوار سمجھا ہوتا تو آپ شعر گوئی کے لیے مسجد سے باہر رحبہ (ایک کھلی جگہ) کا تعین نہ فرماتے۔ یہ حضور کی اس ہدایت کے عین مطابق ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی میں مدح باری تعالیٰ میں بھی شعر خوانی کی اجازت نہ دی تھی۔[1]

مسجد میں شعر خوانی کس صورت میں منع ہے

مسجد میں وعظ ونصیحت کے ضمن میں کوئی شعر پڑھا جائے یا نعت پڑھی جائے تو یہ مجلس یا محفل ہمہ تن شعر خوانی کی مجلس نہ ہوگی۔ شعر خوانی کی مجلس وہ سمجھی جائے گی جس میں وعظ و بیان یا تذکیر و تسبیح بالکل نہ ہو سب لوگ شعر خوانی میں لگیں اور سب کی توجہ اسی پروگرام پر ہو۔ نعت خواں حضرات ایک دوسرے سے بڑھ کر حسن صوت ترنم اور شعر خوانی کا مظاہرہ کریں۔ اس میں (مجلس شعراء میں) مسجد سے وہ کام لیا جا رہا ہے جس کے لیے مسجدیں بنی نہیں وہ اللہ تعالیٰ کی یاد کے لیے بنی ہیں نہ کہ شعر خوانی کی رونق کے لیے۔ مسجد میں شعر خوانی یا نعت خوانی وہ جائز ہے جہاں یہ قرآن و حدیث اور بیان و تقریر کے ضمن میں آئے نعت خوانی کے عنوان سے مستقل محافل مساجد میں نہ قائم کی جائیں۔ قرون اولیٰ میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی کہ مساجد میں صرف نعت خوانی کے لیے مجلسیں اور محفلیں منعقد کی گئی ہوں۔ آج اگر کہیں ایسی بات ہو تو یہ ایک نئی بات ہوگی۔

مسجد میں شعر پڑھنے کی ممانعت کو بعض حضرات نے اس پر محمول کیا ہے کہ برے اشعار وہاں نہ پڑھیں گے۔ ملا علی قاری نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ برے اشعار تو کہیں مباح نہیں۔ لا یباح مطلقا لیکن کچھ دوسرے حضرات نے وجہ منع یہ بتائی ہے کہ مسجد وہاں میں شعر اس طرح پڑھے جائیں کہ سب لوگ اسی میں لگ جائیں۔ اس دوران مسجد میں آنے والا کوئی شخص نماز تک نہ پڑھ سکے اس کا حاصل یہ ہے کہ مسجد میں اس طرح نعت خوانی کرنا کہ سب لوگ اسی میں لگ جائیں نعت خوانی کی یہ ہمہ گیر محفل مسجد میں ہو اس کی کہیں اجازت نہیں ہے۔ یہ صورت عمل مسجد کے بنیادی مقصد سے

---

[1] مصنف عبدالرزاق فی مصنفہ جلد ا صفحہ ۴۳۹

علامہ عینیؒ یہ بھی فرماتے ہیں:

فهو عندنا على الشعر الذي يملأ الجوف فلا يكون فيه قرآن ولا تسبيح ولا
غيره فأما من كان في جوفه القرآن والشعر مع ذلك فليس ممن امتلأ
جوفه شعرا وأخرج ابن عدي من قول رسول الله صلى الله عليه وسلم لأن يمتلئ
جوف أحدكم قيحا يريه خير له من أن يمتلئ شعرا [۱]

ترجمہ: سو وہ ہمارے نزدیک ان شعروں پر محمول ہے جو پیٹ کو اس طرح بھر دیں کہ ان میں قرآن اور تسبیح وغیرہ کے لیے کوئی جگہ نہ ہو۔ اور جس کے پیٹ میں قرآن بھی ہو اور اس کے ساتھ اشعار بھی چلیں تو یہ ان اشعار سے نہیں جو پیٹ بھر دیں۔ سو یہ صورت حضور ﷺ کی اس وعید سے نکل جائے گی کہ تمہارا پیٹ پیپ سے بھرے یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ شعر سے بھرے۔

مساجد میں نعت خوانی کی مجالس اگر کسی وعظ و درس کے ضمن میں نہ چلیں تو وہ اسی حکم میں ہیں۔ جب کہ قرآن کی کوئی آیت یا تسبیح کے کلمات ساتھ نہ ہوں۔

جمع بین الحدیثین میں ایک تیسری رائے

تطبیق بین الحدیثین کے دو پہلو آپ کے سامنے آچکے۔ اب ایک تیسری رائے بھی ملاحظہ فرمائیں یہ تطبیق ابو عبد الملک کی ہے کسی اور نے اس کی موافقت نہیں کی تاہم عمل صحابہؓ کی روشنی میں یہ وقیع نظر آتی ہے۔ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:

وقال أبو عبد الملك كان حسان ينشد الشعر في المسجد في أول الإسلام
وكذا لعب الحبشة فيه وكان المشركون إذ ذاك يدخلون فلما كمل
الإسلام زال ذلك كله قلت أشار بذلك إلى النسخ [۲]

ترجمہ: ابو عبد الملک کہتے ہیں حضرت حسانؓ شروع اسلام میں مسجد میں شعر پڑھتے تھے اور اسی طرح

---

۱ عمدۃ القاری جلد ۴ ص ۲۱۹ ۲ ایضاً

تو اس وقت آپ کی مدحت میں شعر پڑھے گئے سو حضرت حسانؓ کا اس وقت مسجد میں منبر پر چڑھ کر آپ کی مدح میں شعر پڑھنا اسی طرح ایک جوابی کارروائی تھی نہ یہ کہ مسجد میں اس اظہار تفاخر کے لیے بنی ہیں۔ یہ ہنگامی صورت حال میں ایک ہنگامی کارروائی تھی حضرت حسانؓ کی وہ نعت مسجد میں نعت خوانی کی محفل کے طور پر نہ پڑھی گئی تھی۔ آج کل محافل نعت میں سب کیا اسی کا رد کے لیے لوگوں سے پر کی جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ نماز پڑھنے والے کو ان میں اس وقت نماز پڑھنے کے لیے جگہ نہیں ملتی۔

حضرت عمرؓ نے حضرت حسانؓ کو مسجد میں شعر پڑھتے پایا تو آپ نے اس پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا اور اسی وقت حضرت ابوہریرہؓ کو شہید بنا کے پوچھا کہ کیا واقعی انہوں نے حضورؐ سے سنا تھا کہ اے حسانؓ تم میری طرف سے ان کو جواب دو۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان دنوں مسجد نبوی میں لوگ بہ مختلف مذاہب آتے ہوں گے ورنہ یہ کافروں کی جوابی کارروائی کسی طرح نہیں ہو سکتی تھی

ہم کہتے ہیں کہ حضرت حسانؓ کا مسجد میں شعر پڑھنا صرف ایک استثنائی صورت حال تھی۔ یہاں مسئلہ یہی ہے کہ مسجد میں شعر خوانی کے لیے منبر سجانا نہیں اور نہ ان میں عام محافل نعت خوانی منعقد کی جا سکتی ہیں جیسا کہ بریلوی حضرات نے آج کل رواج بنا رکھا ہے جو روایت خلاف شدہ ہو وہ سنت ورد بند رکھی جاتی ہے اس سے عام استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

مسجدوں میں شعر کی ممانعت اور حضرت حسانؓ کے مسجد میں نعت پڑھنے میں جو یہ تطبیق دی گئی ہے کہ بُرے شعر مسجد میں نہ پڑھے جائیں احناف نے اس تطبیق کو قبول نہیں۔ پھر اس میں شعر کی کیا تخصیص ہے مسجدوں میں تو نثر میں بھی کوئی بری بات نہیں کہی جا سکتی یہ صحیح بات کہ کوئی اپنی گمشدہ چیز کا پوچھے اس کی بھی اجازت نہیں کیونکہ مسجدیں ان کاموں کے لیے بنی نہیں۔ یہ اللہ کی عبادت کے لیے ہیں اللہ کے گھر ہیں۔ ان میں حق یہی ہے کہ اسی کا نام اونچا کیا جائے۔ دسویں صدی کے مجدد ملا علی قاریؒ (م ۱۰۱۴ھ) حافظ ابن حجرؒ کی اس تطبیق کو رد کرتے ہیں اس کا ذکر ہم پہلے کر آئے ہیں۔

وقول ابن حجر ای شعراً مذموماً لیس فی محله لانه لا یباح مطلقاً [1]

ترجمہ: اور ابن حجر کا یہ کہنا کہ یہ (مسجدوں میں شعر کی ممانعت) برے اشعار پر محمول ہے مرتبہ کی بات نہیں کیونکہ ایسے شعر تو کہیں بھی جائز نہیں۔

ایک سوال: کیا یہ صحیح ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے مسجد میں حمد باری تعالیٰ کرنے یا نعت خوانی کرنے کی اجازت دی ہے؟

الجواب: یہ حضرت امامؒ پر افترا ہے آپ مسجد میں ذکر بالجہر کو مکروہ تحریمی کہتے ہیں اب یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ مسجد میں نعت خوانی کی محفل قائم کرنے کو جائز سمجھیں۔ ملا علی قاریؒ نے حضرت امامؒ پر باندھے گئے اس افترا کی پر زور تردید کی ہے:

نسبۃ نفی مطلق الکراهۃ الی الامام الاعظم افتراء علیه اذ مذهبه
کراهۃ رفع الصوت فی المسجد ولو بالذکر ثم جواز التدریس فی المسجد
والبحث فیه لم یشوش علی المصلین او لم یکن هناك مصلون [2]

ترجمہ: امام ابوحنیفہؒ کی طرف اس بات کی نسبت کرنا کہ آپ مطلق کراہت کے قائل نہیں یہ آپ پر جھوٹ باندھنا ہے۔ آپ کا مذہب یہ ہے کہ مسجد میں آواز اونچی کرنا گو وہ ذکر کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو مکروہ ہے۔ ہاں مسجد میں درس دینا اور مسائل میں اس طرح بحث کرنا کہ وہ نمازیوں پر باعث تشویش نہ ہو جائز ہے یا اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ وہاں عام نماز پڑھنے والے نہ ہوں۔

ہمارے بعض علماء نے یہ بات واضح طور پر کہی ہے کہ مسجد میں آواز بلند کرنا گو وہ ذکر ہی کے لیے کیوں نہ ہو حرام ہے۔

وقد نص بعض علمائنا بان رفع الصوت فی المسجد ولو بالذکر حرام [3]

ترجمہ: اور ہمارے بعض علماء نے تصریح کی ہے کہ مسجد میں آواز بلند کرنا اگرچہ ذکر ہی کی ہو حرام ہے۔

---

[1] مرقات جلد ۲ صفحہ ۴۳۳ [2] ایضاً [3] ایضاً جلد ۱ صفحہ ۴۵

فتاوے شامی میں ہے :-

ومن کثر انشادہ وانشاؤہ حین تنزل بہ مہماته ویجعله مکسبة

له تنقص مروتہ وترد شہادته ؎

ترجمہ: اور جو عام شعر خوانی کریں اور جب موقع لگے وہ پہنچ جاتے ہوں اور انہوں

نے اسے اپنی کمائی کا ذریعہ بنا رکھا ہو تو ان کی مروت ناقص ہو جائے گی اور ان

کی شہادت لائق قبول نہ ہے گی ۔

واخرج الامام الطحاوی فی شرح مجمع الاثار انه صلی اللہ علیہ وسلم

نہی عن تنشد الاشعار فی المسجد وان یبتاع فیه السلع ۔

ترجمہ: امام طحاوی نے شرح مجمع الآثار میں حدیث روایت کی ہے کہ حضورؐ نے

مسجد میں شعر خوانی سے روکا ہے اور اس سے بھی کہ وہاں سامان فروخت کیا

جائے ۔

سو اس نہی کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ مسجد پر اشعار چھا جائیں اور وہاں جو لوگ ہوں

سب اس میں لگ جائیں۔ شعر خوانی کی یہ مجلس سب کو اپنے میں مشغول کر لے۔

او علی ما یغلب علی المسجد حتی یکون اکثر من فیه مشغلا .....

فکذالک البیع وانشاد الشعر والحلق قبل الصلوٰۃ فاغلب علیه کره

وما لا فلا ۔ ؎

ترجمہ یا یہ کہ وہ آواز پوری مسجد پر چھا جائے یہاں تک کہ جو اس میں ہوں سب کا

طرف لگ جائیں۔ شعر خوانی اور حلقے بندی اگر غالب آ جائے تو یہ عمل جائز نہ رہیگا

اور مکروہ نہیں۔

؎ فتاوی شامی جلد ۱ صفحہ ۴۷۶ ؎ رد المحتار جلد ۱ صفحہ ۴۱۹

محفل میلاد کو شرعی حیثیت دینے کے دینی نقصانات

(۱) شرعی عمل وہی ہے جو شریعت میں موجود ہو کتاب و سنت میں اس کی اصل اور وضع کا پتہ دیا گیا ہو یا کتاب و سنت کی گہرائی سے اسے کسی مجتہد نے کشید کیا ہو مروجہ محفل میلاد دینی ہیئت کذائی کے ساتھ اسلام کی پہلی چھ صدیوں میں نہیں ملتی۔ اب اسے ایک شرعی حیثیت دینا جب کہ اس کی حمایت میں ائمہ اربعہ میں سے بھی کوئی نہ ہو شریعت پر ایک افترا ہے اور یہ ایک بہت بڑا گناہ ہے۔

(۲) جب بھی اسلام میں کوئی نئی بات داخل کی جائے تو ظاہر ہے کہ سارے مسلمان تو اسے اختیار نہ کریں گے۔ سو جب مسلمان مروجہ محفل میلاد سے اس لیے کنارہ کش رہے کہ اس پر صحابہ کرامؓ اور ائمہ اربعہؒ کا عمل نہیں رہا تو لازم ہے کہ اس پر مسلمان اہل سنت اور اہل بدعت دو حصوں میں بٹ جائیں گے اور اس سے امت میں تفرقہ پڑ جائے گا۔ سو مروجہ محفل میلاد کی پابندی کرنا اور اس موقعہ پر جلوس نکالنا یقیناً تفریق امت کا ایک عمل ہو گا جو اللہ تعالیٰ کو ہرگز پسندیدہ نہیں۔

(۳) مروجہ محفل میلاد میں کئی غلط عقیدے بھی پرورش پاتے ہیں مثلاً یہ کہ جو لوگ میلاد کی یہ محفلیں نہیں مناتے وہ حق پر نہیں۔ ظاہر ہے کہ اس کی زد میں اسلامی تاریخ کے پہلے چھ سو سال کے مسلمان سب کے سب خلاف حق سمجھے جائیں گے۔ اس سے زیادہ غیر سبیل المؤمنین اور کیا ہو گی۔ ۲۔ پھر اہل میلاد کا یہ عقیدہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس محفل میں تشریف لاتے ہیں لہٰذا کھڑے ہو کر آپ کا استقبال کیا جائے اس لیے ایک نئے اسلام کی تشکیل ہو گی۔ پرانے اسلام میں تو ایسے کسی عقیدے کو راہ نہیں ملتی۔

(۴) اپنے بزرگوں کا یوم ولادت منانا پہلے سے دو غیر مسلم قوموں میں چلا آرہا ہے عیسائی کرسمس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش اور ہندو جنم اشٹمی پر کرشن کا جنم مناتے ہیں مسلمانوں نے حضور اکرمؐ کے یوم بعثت پر بھی شریعت کا کوئی خاص عمل اختیار نہیں کیا۔ ظاہر ہے کہ یوم بعثت

یوم ولادت سے بھی زیادہ اکرام کے لائق تھا۔ یوم بعثت کی خوشی آئینہ رسالت میں ہے اور میلاد کی آئینہ ولادت میں۔ سو مسلمان بھی اگر یوم ولادت منانے پہ آجائیں تو کیا یہ ان دو کیفیتوں کا تشبہ نہ دکھائی دے گا؟

(۵) اسلام سراپا عمل ہے وہ اس کے تمام دینی اعمال شریعت کہلاتے ہیں اور ان کے اپنے درجات ہیں۔ فرض۔ واجب سنت اور مستحب اہل بدعت مروجہ محفل میلاد کو کیا درجہ دیں گے۔ ظاہر ہے کہ ان کے علماء اسے مستحب یا مباح سے اونچے کوئی درجہ نہ دے سکیں گے۔ تاہم ان کے عوام اسے فرض اور واجب سے کسی درجہ میں کم نہیں سمجھتے۔ یہ کتنا بڑا جرم ہے اسے مولانا محمود احمد رضوی ناظم حزب الاحناف سے پوچھیں۔ آپ لکھتے ہیں:۔

> جو شخص کسی امر مستحب کو فرض واجب سمجھنے لگے یا کسی امر مستحب کو فرض و واجب کا درجہ دے تو جان لو کہ اس پر شیطان کا داؤ چل گیا۔۔۔ جب کسی مستحب کو ضروری سمجھنے کا یہ حکم ہے تو اندازہ لگاؤ کہ کسی بدعت یا منکر کو ضروری سمجھنے والے کا کیا حال ہوگا۔[۱]

(۶) شیعہ محرم پر اپنے جلوس عزاداری نکالتے ہیں اور اہل سنت انہیں دین میں ایک نئی داخل کردہ چیز سمجھتے ہیں اب اہل سنت بھی اگر اس طرح اپنے جلوس نکالیں جو اسلام کی پہلی سات صدیوں میں جمیع ممالک اسلامی میں کہیں نہیں ملتے تو سنیوں کے اعتقاد میں کسی درجہ میں شیعیت آجائے گی اس صورت میں مولانا احمد رضا خان کی اس نصیحت کے تلف ہونے کا قوی اندیشہ ہے۔

> جہاں جہاں اس سے کوئی مفسدہ شرعی پیدا ہوتا ہو مثلاً جن بلاد میں محرم کے علم رائج ہیں عوام ان کو ان سے تمیز یا اس سے ان کے جواز پر استدلال کریں اور فرق سمجھانے کی ضرورت پڑے وہاں اس سے احتراز کیا جائے کہ کوئی امر ضروری نہیں اور احتمال فتنہ اور فساد عقیدہ ہے۔[۲]

---

[۱] تحقیقات ص۱۲۱ بحوالہ مرقات جلد ۲ ص۲۵۲ [۲] عرفان شریعت حصہ دوم ص۱۴

⑦ مساجد میں شعر خوانی کی مجالس

مسجدیں اللہ کے ذکر اور خدا کی عبادت کے لیے ہیں ان میں اللہ کے ساتھ کسی اور کو پکارنا جائز نہیں جب ان مسجدوں میں نعت خوانی کی مجلسیں قائم ہو جاتی ہیں اور اس موقع پر مسجد کا سب سے بڑا کام دینی مجالس کا اہتمام ہوتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس دوران وہاں نماز پڑھنے کے لیے کسی وجہ سے دیر سے آنے والے مسجدوں میں اپنے حق عبادت سے روک دیئے جاتے ہیں اور یہ قرآن پاک کی نص کے خلاف ہے۔ پھر مساجد میں سراپا نعت خوانی کی مجلس ہو اور یہ نعت پڑھنا کسی وعظ و تقریر یا جلسہ تبلیغ کے ضمن میں نہ ہو تو احناف کے ہاں مساجد میں ایسی محافل نعت کی اجازت نہیں حضرت حسان کا مسجد میں مدح رسول کے اشعار پڑھنا صرف کافروں کی جوابی کارروائی کے طور پر تھا محفل میلاد کے طور پر نہ تھا۔ ورنہ یہ نعت خوانی خلفائے راشدین کے دور میں عام دیکھی جاتی۔

⑧ محافل نعت میں مساجد میں چراغاں

محافل نعت کے لیے مسجدوں میں ضرورت سے زیادہ روشنی کی جاتی ہے اس میں صرف اسراف ہی نہیں مجوسیوں (آتش پرستوں) سے تشبہ بھی ہوتا ہے۔ نادان مسلمان اس کو مسجدوں کی رونق سمجھتے ہیں۔ مسلمانوں میں یہ برمکیوں کا پیدا کردہ بدعت ہے۔ یہ آتش پرست خلفائے عباسیہ کے دور میں سیاسی طور پر بہت اوپر آ گئے تھے

روشنی کا مقصد ایک انسانی ضرورت کو پورا کرنا ہے اسے مسجدوں کی خوبصورتی اور زینت بنانا اس میں رونق کو تلاش کرنا ہے۔ آتش پرست قومیں آگ میں خدا کا جلال دیکھتی تھیں۔ ہندوؤں کے مشعل بردار جلوس، دیکھی آگ میں ماتم کے جلوس اور عیسائیوں کے کرسمس کی بہار ایسی ہی ہیں جو مسلمان شب برات میں چراغاں کرتے ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اس سے منع کیا ہے۔

⑨ مروجہ محفل میلاد میں عورتوں کی شرکت

حضرت عمرؓ نے بدلے ہوئے حالات میں عورتوں کو مسجد میں آنے سے روک دیا تھا۔ اسلام میں صرف بُرائی پر قدغن نہیں سدِّ ذرائع کے طور پر بہت سی ان باتوں سے بھی روک دیا جاتا ہے جن میں خدشہ ہو کہ کوئی برائی نہ ہو۔ میلاد کی محفلوں میں عورتوں کے لیے علیحدہ بیٹھنے کا بھی اہتمام ہو تو بھی ان کی تاک میں نعت پڑھنے والوں کو دیکھے بغیر مطمئن نہیں ہوتیں۔ وہ مساجد کی گیلریوں سے بھی اٹھ اٹھ کر ان کو دیکھتی ہیں۔ عورتوں کے لیے غیر محرم مردوں اور امردوں کو اس ذوق و شوق سے دیکھنا ہرگز جائز نہیں۔ نعت خوانوں کا ان محفلوں میں اپنے حسنِ صوت کی لہریں دکھانا اور اشعار کے مدوجذر قائم کرنا نیکی کے نام پر ایک لہو و لعب کی مجلس قائم کر دیتا ہے۔ پھر اس دور میں جب کہ عورتوں پر پردے کی کوئی پابندی نہیں عورتوں کا بن سنور کر ان محفلوں میں آنا اور پھر یہاں سے جانا، آتے جاتے کئی ناجائز ملاقاتوں یا نظروں کا سامان بھی پیدا کرتا ہے۔ ان محافلِ نعت میں عورتوں کو سرے سے آنے کی اجازت نہ ہونی چاہیے۔

یہ صحیح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عورتیں مسجدوں میں نماز کے لیے آتی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

خیر صفوف الرجال اولها وشرها آخرها وخیر صفوف النساء آخرها وشرها اولها [1]

ترجمہ: مردوں کی بہترین صف پہلی ہے اور کمزور ترین آخری اور عورتوں کی بہترین صف آخری ہے اور کمزور ترین پہلی صف ہے۔ (جو مردوں سے نسبتاً قریب ہوگی)

پھر آپ نے یہ بھی فرمایا:

لا تمنعوا نساءكم المساجد اذا استأذنكم اليها [2]

"جب وہ تم سے اجازت مانگیں" یہ الفاظ بتاتے ہیں کہ آئندہ یہ فیصلے تمہیں نے کرنے ہیں کہ کب انہیں آنے کی اجازت دی جائے اور کب نہ دی جائے۔ موقعہ نے

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۸۲ [2] ایضاً صفحہ ۱۸۳

اس اجازت کو ان قیود سے مقید کیا ہے :۔

ان لا تکون متطیبة ولا مزینة ولا ذات خلاخل یسمع صوتها ولا ثیاب فاخرة ولا مختلطة بالرجال ولا شابة ونحوها ممن یفتتن بها وان لا یکون فی الطریق ما یخاف به مفسدة [1]

ترجمہ : خوشبو نہ لگائے ہوئے ہو زینت نہ کر رکھی ہو خلخل پہنے نہ ہو جس کی آواز سنی جائے عمدہ کپڑے نہ پہن رکھے ہوں اور عام مردوں سے اختلاط نہ کرنے والی ہو اور اس طرح نہ ہو کہ اس سے آگے کوئی فتنہ چھوٹے اور رستے میں اس سے کسی برائی کا اندیشہ نہ ہو۔

اسلام دین فطرت ہے جہاں کسی اجازت میں کوئی برائی کا پہلو نکلے وہاں اس اجازت میں ترمیم کی جائے گی برائی کو قائم نہ رکھا جائے گا اس سے یہ صورت میں متراد کیا جائے گا۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حضورؐ کے بعد عورتوں کے مسجدوں میں آنے میں جب کچھ مفاسد دیکھے تو آپ نے انہیں مسجدوں میں آنے سے سختی سے منع کیا اور فرمایا کہ حضورؐ بھی اگر یہ صورت حال دیکھتے تو ضرور انہیں مسجدوں میں آنے سے روکتے ساتویں صدی کے جلیل القدر محدث امام نووی لکھتے ہیں :۔

صح عن عائشة لو رأى رسول الله صلى الله عليه وسلم ما احدث النساء لمنعهن المساجد [2]

ترجمہ : حضرت عائشہؓ سے صحیح طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اگر اس صورت حال کو پاتے جو عورتوں نے پیدا کر رکھی ہے (کہ بن ٹھن کر مسجدوں میں آتی ہیں اور مردوں کے ساتھ عام مل کر آتی ہیں) تو آپ بھی ضرور انہیں مسجدوں میں آنے سے روکتے۔

---

[1] نووی شرح مسلم صفحہ ۱۸۳ [2] شرح صحیح مسلم صفحہ ۲۹۰ جلد ۱

اس سے جہاں پتہ چلا کہ حضرت عائشہؓ حضور اکرمؐ کو ہر جگہ حاضر و ناظر نہ سمجھتی تھیں، وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ شریعت محمدی میں بعض احکام اختلاف زمان و مکان سے بدل بھی جاتے ہیں۔ یہ صرف فقہاء کا کام ہے کہ وہ احکام کی علل پر نظر رکھیں۔ وہ وقت کے تقاضے کے مطابق ان کا حکم بیان کریں۔ اسلام میں ہر کس و ناکس کو اجتہاد کرنے کا حق نہیں ہے۔ اور نہ کسی ایک ملک کی کارروائی سے اجماع امت بنتا ہے۔ یہ امت تمام اقالیم عالم میں پھیلی ہے۔ سو تمام اسلامی دنیا کے لائق اعتماد فقہاء ہی کسی درجہ میں اجماع امت کی صورت پیدا کرتے دکھائے جا سکتے ہیں۔ جیسا کہ رابطہ عالم اسلامی کے اجلاس میں ستر اسلامی تنظیموں نے باہمی تفتیش و تحقیق سے قادیانیوں کو ایک غیر مسلم کمیونٹی قرار دیا تھا۔ سو اسے ہم اجماع امت کہہ سکتے ہیں۔

⑩ شعروں میں حضورؐ کے نام پر درود نہیں پڑھا جا سکتا

شعروں کے اپنے اوزان ہوتے ہیں ان میں لفظ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آجائے تو نعت خواں اگر درود پڑھے تو وزن پر قائم نہیں رہتا۔ درود نہ پڑھے تو اسے گناہ ہوتا ہے۔ شاعر لیسے موقعوں پر اکثر بے درود ہی چلتے ہیں سننے والے پھر بھی دیکھے ہیں کہ ساتھ ساتھ درود پڑھتے رہیے لیکن شاعر بے نصیب رہے کہ ساتھ ساتھ درود نہ پڑھ سکے۔

انگلینڈ کے بریلوی اسم پاک پر صرف درود کو کافی نہیں سمجھتے وہ ساتھ سلام کو بھی لازم کرتے ہیں احناف کے ہاں درود و سلام میں افراد مکروہ نہیں مگر بریلوی اس مسئلہ میں احناف کے طریقے پر نہیں شافعیوں کے ساتھ ہیں اس صورت میں یہ شاعر حضرات دوہرے گناہ کے مرتکب ہوتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر نہ درود پڑھ سکتے نہ سلام۔

عوام بیٹھے بیٹھے تو صرف درود و سلام پڑھ لیں مگر بریلوی علماء کا یہ فتویٰ ان کے لیے کوہ گراں سے کم نہیں کہ سلام کھڑے ہو کر پڑھنا چاہیئے اور وہ بھی بحالت قیام۔ جو اس طرح درود و سلام نہیں پڑھتا وہ بے ادب اور گستاخ ہے۔ استغفر اللہ العظیم

ہم انہیں مولانا احمد رضا خاں کے نعت خواں حافظ ... کے یہ اشعار بھی سنا دیں تو وہ اپنے اس اصرار سے باز نہ آئیں گے کہ حضورؐ پر سلام بیٹھے بھی پڑھا جا سکتا ہے۔

بجا لا کے تعظیم رسم قیام بیٹھے بیٹھے پڑھو درود و سلام

یہ اشعار بریلی میں مولانا احمد رضا خاں کے سامنے پڑھے گئے تھے اور خاں صاحب اس شعر پر جھوم رہے تھے۔

تم المجلد السادس بمنہ وکرمہ ویتلوہ السابع

ان شاء اللہ تعالیٰ۔